


مجالسِ علم وحکمت

ملفوظات

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جامع و مرتب

حضرت اقدس شاہ سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ تالیفاتِ اختریہ

hazratmeersahib.com

مجالسِ علم و حکمت

مجموعۂ ملفوظات

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جامع و مرتب

حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خادمِ خاص و خلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے نازوں کے

بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ کتاب: مجالسِ علم و حکمت

صاحبِ ملفوظات: محبی و محبوبی مرشدی و مولائی سراج الملّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

موضوع: مجموعۂ ملفوظات

جامع و مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
خادمِ خاص و خلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

نظرِ ثانی: سہیل احمد عفا اللہ عنہ

ٹائٹل: راحیل اعجاز سلمہٗ

اشاعتِ اول: ربیع الاول ۱۴۴۰؁ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۸؁ء

ناشر: اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی





فہرست

عنوانات **صفحہ نمبر**

پیش لفظ............ ۱۸
ایک عالم کے سوال کا منطقی جواب............ ۲۰
ہماری بندگی حق تعالیٰ کی مزاج شناسی میں کامل نہیں ہوسکتی............ ۲۰
محل کی قیمت حال سے ہے اور اس کی مثال............ ۲۰
نفس عبادت سے نہیں صحبتِ اہل اللہ سے مٹتا ہے............ ۲۱
اللہ کے راستہ میں مجاہدہ ومشقت کی اہمیت............ ۲۱
رہبرِ راہِ سلوک کی عظمت وآداب............ ۲۳
غیر اللہ کی طلب سراسر نقصان کا سودا ہے............ ۲۶
طلب سچی ہوتو اللہ کبھی شیخ کو مرید کے پاس بھیج دیتا ہے............ ۲۷
قلبِ مومن کا قطب نما ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رہتا ہے............ ۲۸
اپنے شیخ ہی کی تربیت کے نافع ہونے کی ایک مثال............ ۲۹
انبیاء اور اولیاء کی حیات، اللہ کے عاشقوں کے لئے سہارا ہے............ ۲۹
دورِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عاشقانہ تذکرہ............ ۳۰
وساوس سے بچاؤ کا طریقہ............ ۳۱
نصیحت کرتے رہو، نصیحت نفع دیتی ہے............ ۳۲
وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل............ ۳۳
جسمانی علاج سے روحانی طبیب کی مثال............ ۳۴
اللہ کے راستہ میں چلنا شروع کردو تو اللہ کی مدد بھی آجائے گی............ ۳۵
کس عالم کی صحبت نافع ہوتی ہے؟............ ۳۵

اللہ کی یاد کے بغیر روح کی بے چینی کا حال ۳۶
پان کھانے پر احقر کے لئے تنبیہ ۳۷
احقر پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا لطف و کرم اور درسِ فنا و بقا ۳۸
ترقی فی الذکر سے مراد ترقی فی کیفیۃ الذکر ہے ۳۹
اہلِ دنیا کی شان و شوکت سے عارف مرعوب نہیں ہوتا ۴۰
عارف کو اپنی حقارت ہر حال میں مستحضر رہتی ہے ۴۱
توجہ الی الغیر، اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہے ۴۲
بیماری ''لوگ کیا کہیں گے؟'' کا علاج ۴۳
اللہ کا راستہ قیل و قال سے نہیں اتباعِ رہبر سے طے ہوتا ہے ۴۴
ایمانِ استدلالی اور ایمانِ تحقیقی کا فرق ۴۷
تین اشعار کی انوکھی تشریح ۵۰
بندوں کی ارواح پر اللہ کی محبت کا فیضان ۵۱
اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ زندگی حاصل کرنے کا طریقہ ۵۲
اللہ تعالیٰ کی پسند کی زندگی کے لئے دعا ۵۴
حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ۵۴
غیر مقبول محبت ۵۴
مقامِ گریہ و زاری ۵۵
مجلسِ ذکر کی فضیلت ۵۵
محبت کی باتیں اہلِ محبت ہی سمجھ سکتے ہیں ۵۶
صحبتِ اہل اللہ سے فائدہ حاصل کرنے کی شرط ۵۶
دین کی روح ترکِ گناہ ہے ۵۷
تکثیرِ ذکر، تکمیلِ محبت کے لئے وسیلۂ کاملہ ہے ۵۷

عجب وفخر سے بچنے کی ترغیب............................ ۵۸
مضمونِ مفیدہ برائے حصولِ عبدیت وفنائیت............................ ۵۸
اللہ کے خاص بندوں پر مصائب آنے کی حکمت............................ ۵۹
اللہ کی ولایت، وظائف وعبادات پرنہیں، تقویٰ پر موقوف ہے............... ۶۰
حقیقی ولایت کے لئے صورتِ اولیاء بنانا ضروری ہے............................ ۶۲
متبرک مقامات پر کفار کے تسلط کی اصل وجہ............................ ۶۳
حزنِ مفرط (حد سے زیادہ غم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا............... ۶۴
فانی فی اللہ شیخ سے استفادہ کے لئے فانی فی الشیخ ہونا ضروری ہے............... ۶۴
سالک کو محروم کرنے کا ایک شیطانی حربہ اور اس کا توڑ............................ ۶۷
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء اور حرصِ دینی............................ ۷۰
شاتمِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا قطع تعلق............................ ۷۱
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات کی وجہ کیا تھی؟............................ ۷۳
صبر کی تین قسمیں اور ان کے جدا جدا احکام............................ ۷۴
حیاتِ عارضی کے مجاہدات سے روح میں چراغِ اَبدی روشن کرنے کی ترغیب..... ۷۵
حیاتِ نفس کی دلیل............................ ۷۶
اِنابت الی اللہ (اللہ کی طرف جھکنا) کے لطائفِ قرآنیہ............................ ۷۷
اِنابت فی الایمان اور اس کے حصول کا طریقہ............................ ۷۸
دنیوی کاموں میں بھی رضائے الٰہی کی نیت ہونا ضروری ہے............................ ۷۹
اللہ والے اِنابت الی اللہ اور نگرانیٔ قلب سے کبھی غافل نہیں ہوتے............... ۸۰
عارف اور غیرِ عارف کی فہم کا فرق............................ ۸۱
نفس پہاڑی سانپ کی طرح زہریلا ہے............................ ۸۲
افسانۂ زندگی کے مسلسل بدلتے عنوانات............................ ۸۳

کس کی اتباع کی جائے؟........................ ۸۴
عُجب کا علاج........................ ۸۵
قلب کی ساخت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت........................ ۸۶
دین کے داعی کا منصب........................ ۸۸
مرشد سے تعلق کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں........................ ۸۹
بروزِ قیامت سائنس کا نہیں، اعمال کا سکہ چلے گا........................ ۸۹
یقینیات صرف وحی الٰہی ہے........................ ۹۰
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا عریضہ اپنے شیخ حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے نام........................ ۹۱
مشائخ کے طریقۂ تزکیہ کی تفہیم ایک مثال سے........................ ۹۳
تعلق مع اللہ سے محرومی کی دلیل........................ ۹۴
تبلیغ کے لئے ایک ضروری شرط........................ ۹۴
بروزِ قیامت اہلِ مصائب کی تمنا........................ ۹۵
تعلق مع اللہ محض کتابوں سے پیدا نہیں ہوسکتا........................ ۹۶
ایک مراقبۂ محافظِ ولایت........................ ۹۷
دینِ اسلام محبت ہی محبت ہے........................ ۹۷
اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ محبوبیت کی فرضیت پر عقلی و نقلی دلائل........................ ۱۰۰
دینِ اسلام میں قیامت تک تبدیلی نہ ہونے کی عجیب تمثیل........................ ۱۰۳
اسلام کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل........................ ۱۰۳
عدل اور فضل کی توضیح سے ایک شبہ کا ازالہ........................ ۱۰۴
کسی عزیز کی موت سے انسان پر عائد ہونے والے تین حق........................ ۱۰۵
منیٰ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک الہامی دعا........................ ۱۰۵
اہل اللہ کے قربِ خاص کا عالم........................ ۱۰۶

آہِ سالک کی تربیت کا غیبی انتظام..........................۱۰۶
جلوت مع الخلق کا نفع موقوف ہے خلوت مع الحق پر..........................۱۰۸
ذکرِ بے لذت پر مداومت کمالِ بندگی اور ترقی کا بڑا ذریعہ ہے..........................۱۰۹
اخلاقِ حسنہ ورذیلہ میں تمیز اہل اللہ کی صحبت سے ملتی ہے..........................۱۱۰
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے پاس آنے والے سالکین کو تین ہدایات..........................۱۱۱
ایک شرکیہ جملہ کی اصلاح..........................۱۱۱
ایک درد بھری دعا..........................۱۱۲
درسِ محبت کے دو مختلف رنگ..........................۱۱۲
مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی الہامی شرح..........................۱۱۴
حسینوں کی سنگ دلی بندوں پر اللہ کا احسانِ عظیم ہے..........................۱۱۴
موت کی ایک تمثیل..........................۱۱۵
دعائے ہدایت کا ایک عاشقانہ انداز..........................۱۱۵
اللہ سے محبت کی سب سے بڑی علامت..........................۱۱۵
اللہ کو اپنے بندوں کا ایمان بہت عزیز ہے..........................۱۱۶
پہلے مصلح کے انتقال کے بعد دوسرے شیخ سے تزکیہ کرانے پر ایک علمِ عظیم..........................۱۱۷
ایک درد بھری رقت انگیز دعا..........................۱۱۸
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خوش طبعی اور قابلِ رشک فصاحت و بلاغت..........................۱۲۱
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر جوابی..........................۱۲۲
نسبتِ شیخ کے حصول کے لئے دعا..........................۱۲۲
مجاہدۂ غیر اختیاریہ کا مقام اور اس کی حکمت..........................۱۲۲
نورِ علم اور ظلمتِ معصیت جمع نہیں ہوسکتے..........................۱۲۴
آیت اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ پر ایک علمِ عظیم..........................۱۲۵

نارِ دنیا اور گلستانِ قربِ خدا............ ۱۲۶
شیخ سے بدگمانی و بے ادبی کی عبرتناک سزا............ ۱۲۷
بعض مرید درجہ میں پیر سے بڑھ جاتے ہیں............ ۱۳۳
دعوت الی اللہ کے لئے صفتِ امانت وصداقت کی اہمیت............ ۱۳۴
اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق میں حکمت ہے............ ۱۳۷
اللہ تعالیٰ کی محبت کے مثبت اور منفی تار............ ۱۴۰
ذکر اللہ کا مقام............ ۱۴۱
مقامِ عشقِ حقیقی پر دو اشعار کی شرح............ ۱۴۲
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب کیفیتِ عشقیہ............ ۱۴۲
متقی علماء کا مقام............ ۱۴۳
مومن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق کیسا ہونا چاہیے؟............ ۱۴۳
حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شانِ زہد............ ۱۴۴
علم کا مزہ کب ہے؟............ ۱۴۵
علم کا مزہ عمل سے ہے............ ۱۴۵
علم کا مقصد اعمالِ صالحہ ہیں............ ۱۴۶
اللہ باوفا ہے، مجاز دھوکے باز ہے............ ۱۴۷
خواب اور حقیقت............ ۱۴۷
ایک انمول نصیحت............ ۱۴۷
وظیفہ کی حیثیت............ ۱۴۸
درسِ تسلیم و رضا............ ۱۴۸
ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے............ ۱۴۹
دعائے ہدایت کی تلقین............ ۱۵۰

حدیث اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ۔۔۔الخ کی عاشقانہ شرح.......................... ۱۵۰
آیت یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کے عاشقانہ رموز.......................... ۱۵۰
قلبِ شکستہ پر انعامِ قربِ الٰہی.......................... ۱۵۲
اَلتَّجَلِّیْ عَلَی التَّجَلِّیْ نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ.......................... ۱۵۲
اللہ کی محبت کا لطفِ بے مثال.......................... ۱۵۳
سوختہ جانی اور دنیائے فانی.......................... ۱۵۳
قرآنِ پاک کی رو سے دین کی مجلس کا ایک ادب.......................... ۱۵۳
صحبتِ شیخ کا فائدہ.......................... ۱۵۴
دعوتِ انبیاء علیہم السلام محض خیالی نہیں ہوتی.......................... ۱۵۵
نصیحت کا ایک انوکھا انداز.......................... ۱۵۶
تعلق مع اللہ کا فیض.......................... ۱۵۶
دین محض کتابوں سے نہیں ملتا.......................... ۱۵۸
اجتماعی اصلاح انفرادی اصلاح پر موقوف ہے.......................... ۱۵۹
اُمت کا غم کب معتبر ہے؟.......................... ۱۶۰
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.......................... ۱۶۱
اللہ والوں کا حوصلہ.......................... ۱۶۲
تفسیرِ عشقِ بے زباں.......................... ۱۶۳
قادر اور عبد القادر.......................... ۱۶۴
کون سا تقویٰ معتبر ہے؟.......................... ۱۶۵
ایک عاشقانہ دعا.......................... ۱۶۵
فائدہ صرف عاشقِ مولیٰ بننے میں ہے.......................... ۱۶۵
ثمرۂ استغفار.......................... ۱۶۵

انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں........................... ۱۶۶
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت وفنائیت........................... ۱۶۶
صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت وفوائد کی تفہیم ایک مثال سے........................... ۱۶۸
گناہ چھوڑنے کی ایک زبردست ترکیب........................... ۱۷۰
اللہ کے عاشقوں کی ایک عجیب شان........................... ۱۷۲
عبادات میں کمیت نہیں، حصولِ کیفیت کی کوشش کرنا چاہیے........................... ۱۷۳
عمل کا ماضی، حال اور مستقبل........................... ۱۷۷
بڑوں کی صحبت کا ایک بڑا فائدہ۔تکبر سے حفاظت........................... ۱۷۸
ہر گناہ میں تین اسراف لازم ہیں........................... ۱۷۸
ایک عجیب عارفانہ دعا........................... ۱۷۹
راہِ ندامت راہِ عبادت سے اَسلم ہے........................... ۱۷۹
حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے واقعات میں علمِ عظیم........................... ۱۸۰
اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہمارے اپنے ہیں........................... ۱۸۳
انوکھی عیدی........................... ۱۸۵
ذکر نفی و اثبات کا عجیب مراقبہ........................... ۱۸۶
مراقبہ برائے ذکرِ درود شریف........................... ۱۸۶
اہل اللہ کی مسرت اسبابِ مسرت کی محتاج نہیں........................... ۱۸۶
روحِ کامل اور نورِ تام........................... ۱۸۸
امیدِ فضل وکرم........................... ۱۸۹
دو عظیم الشان نعمتیں........................... ۱۹۰
قرب ورضائے حق کا تعلق اعمال سے ہے........................... ۱۹۰
عشقِ حقیقی کی رفتار........................... ۱۹۱

حقیقی بادشاہت...۱۹۱
ہر وقت باخدا رہنا کسے کہتے ہیں...۱۹۲
اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ...۱۹۳
خلوت مع اللہ...۱۹۳
کامیابی کا پیش خیمہ...۱۹۵
ایمان بالغیب اور معرفتِ الٰہیہ...۱۹۵
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک والا نامہ بنام ایک مرید...۱۹۷
عالمِ دنیا کا ہر جز حادث ہے...۱۹۹
خاک اور خالقِ پاک...۱۹۹
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مزاح...۲۰۰
اہل اللہ کے دوامِ سکون کا راز...۲۰۰
اطلاعِ حالات سے اعراض محرومی کا سبب ہے...۲۰۱
شیخ سے اپنے حالات چھپانے کے اسباب...۲۰۱
ایک لطیف نکتۂ قرآنیہ...۲۰۲
اللہ کی رضا کی قیمت...۲۰۲
محبت کی باتیں...۲۰۳
قرآنِ پاک کا اندازِ محبت...۲۰۴
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی اور توکل علی اللہ کی برکات...۲۰۴
مجاہدات کا انعام...۲۰۶
دعائے مغفرت کا انوکھا انداز...۲۰۶
اہلِ عقل کون لوگ ہیں؟...۲۰۸
شیخ سے محبتِ لِلّٰہی کا ایک خاص انعام...۲۰۹

جو شخص خود واصل باللہ نہ ہو وہ دوسروں کو اللہ تک نہیں پہنچا سکتا.................. ۲۰۹
غلام کا اصل اعزاز.................. ۲۱۰
عشق کس سے کریں؟.................. ۲۱۱
اللہ کو نقد یاد کرو.................. ۲۱۲
خود پر اللہ کے احکام کو غالب رکھنے کا انعام.................. ۲۱۲
فانی خوئے نشیمن سازی کی اصلاح کا غیبی انتظام.................. ۲۱۲
سالک گم گشتہ کا علاج اور اس کی مثال طائرِ گم گشتہ سے.................. ۲۱۳
خدا اور غیرِ خدا کو تلاش کرنے والی دو قومیں.................. ۲۱۳
انمول باتیں.................. ۲۱۴
دل کے عیش و آرام کو باقی رکھنے کا طریقہ.................. ۲۱۵
وجودِ باری تعالیٰ پر دلیل.................. ۲۱۶
جنت میں دیدارِ الٰہی بقدرِ معرفت حاصل ہوگا.................. ۲۱۶
اللہ کی محبت کے غم کی عظمت.................. ۲۱۹
مولیٰ کے عاشق.................. ۲۱۹
معیارِ محبت.................. ۲۱۹
طالبِ دین کا مقام.................. ۲۲۱
راہِ سلوک میں مجاہدہ کی اہمیت.................. ۲۲۱
چراغ تب روشن ہوتا ہے جب اس میں تیل بتّی بھی ہو۔ ایک علمِ عظیم.................. ۲۲۳
گناہ چھوڑے بغیر کوئی ولی اللہ نہیں بن سکتا.................. ۲۲۴
گناہ سے بچنے کا ایک مختصر اور جامع مراقبہ.................. ۲۲۴
اصل سرمایہ.................. ۲۲۴
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے سلوک کی ابتداء جبرئیل علیہ السلام کے انتہائی مقام سے ہوئی...... ۲۲۵

محبت کا جواب محبت ہے...................................۲۲۶
اسلام میں سادگی کی تلقین اور اس کی وجہ...................................۲۲۷
نفس کو مٹانے کا طریقہ اور اس کی برکات و لذات...................................۲۲۹
اہل اللہ کا قلب مطلعِ آفتابِ قرب ہے...................................۲۳۰
حق تعالیٰ کی بے انتہا شانِ کرم...................................۲۳۱
اہلِ عشق و محبت کے لئے سلامتی کا ایک ہی راستہ...................................۲۳۲
گناہ کے ماضی و مستقبل کا طویل اضطراب...................................۲۳۲
حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عاشقانہ...................................۲۳۳
اللہ والوں کا شباب کبھی نہیں ڈھلتا...................................۲۳۴
نہ لو نامِ الفت جو خودداریاں ہیں...................................۲۳۴
عاشقِ مجاز کے لئے مسلسل غمِ فراق مفید ہے...................................۲۳۵
مالی معاملات میں کوتاہی پر محبت بھری تنبیہ...................................۲۳۵
آزاد اور گرفتار کون ہے؟...................................۲۳۵
مجاز کی حقارت اور حقیقت کی عظمت...................................۲۳۵
نفس کی خواہشات کا خون بہانے والے بھی شہداء کے زمرہ میں ہوں گے......۲۳۶
اصل دولت...................................۲۳۶
مصیبت کی پریشانی اور گناہوں کی پریشانی کا فرق...................................۲۳۷
تبسم کب صدقہ ہے اور کب حرام ہے...................................۲۳۷
دردِ دل سے جو نصیحت کی جائے، وہ ضرور اثر کرتی ہے...................................۲۳۸
سوتے وقت کی دعا کا عاشقانہ ترجمہ...................................۲۳۸
اللہ والی محبت کے انعامات...................................۲۳۸
انعامِ مجاہدہ پر ایک شعر...................................۲۴۰

انعامِ مجاہدہ پر ایک اَور شعر.......................................۲۴۰
قلبِ محملِ الٰہی کب ہوتا ہے؟.......................................۲۴۱
عشاقِ حق کے لئے نعمتیں حجاب نہیں.......................................۲۴۱
جینے کا سہارا.......................................۲۴۳
جسم کی ذلت، ذلت نہیں.......................................۲۴۳
بندوں سے حق تعالیٰ کی محبت کی عجیب دلیل.......................................۲۴۳
ہمارا جسم، روح کی خدمت کے لئے ہے.......................................۲۴۴
بندوں سے حسنِ ظن کی نصیحت.......................................۲۴۵
روح کی بقاء کا غیبی انتظام.......................................۲۴۵
مومن کے قلب کا چین ذکر اللہ کے دریائے قرب میں ہے.......................................۲۴۵
اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ۔۔۔الخ کی عاشقانہ شرح.......................................۲۴۶
ایک شعر کی الہامی تشریح.......................................۲۴۷
دنیا کے قفس کی رنگینیوں کا علاج چمنِ آخرت کا تذکرہ ہے.......................................۲۴۸
اچھے، بُرے اعمال سے جنت وجہنم کے آثار دنیا ہی سے شروع ہوجاتے ہیں.....۲۴۹
منصب وخلافت کے متعلق ایک سبق آموز نصیحت.......................................۲۵۰
مرید سے شیخ کی محبت نعمتِ عظمیٰ ہے.......................................۲۵۱
حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی.......................................۲۵۳
عالمانہ، عاشقانہ اور درد بھری ایک دعا.......................................۲۵۳
حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دعا.......................................۲۵۵
ذکر اللہ دل کے تالوں کی کنجی ہے.......................................۲۵۵
حق تعالیٰ کا اظہارِ افسوس.......................................۲۵۶
بندے کو اللہ تعالیٰ سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟.......................................۲۵۶

نقشِ قدم کی قیمت.......................۲۵۸
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اطاعتِ شیخ کی کیفیت.......................۲۵۸
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ عالیشان.......................۲۵۸
استدراج کے متعلق علم عظیم.......................۲۵۹
مجلسِ ملائکہ افضل ہے یا مجلسِ اولیاء؟ اشکال کا الہامی جواب.......................۲۶۰
خانقاہ کیا ہے اور کہاں ہے؟.......................۲۶۱
ذکر اللہ کا نفع کامل کیسے حاصل ہوتا ہے؟.......................۲۶۲
نسبتِ الٰہیہ کے آثار.......................۲۶۲
نیک آرزوؤں کو بیک وقت پورا نہ کرنے کی حکمت.......................۲۶۳
عورتوں کو ملازمت دینا معیشت کے لئے نقصان دہ ہے.......................۲۶۴
بے نمازی کو نمازی بنانے کا طریقہ.......................۲۶۵
کفار کی قومی خدمات کی غیر مقبولیت کا راز.......................۲۶۵
عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا فرق.......................۲۶۷
آخرت کی رغبت دلانے والا ایک ملفوظ.......................۲۶۸
نعمتوں پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا تشکر اور شگفتہ مزاجی.......................۲۶۸
نفس دشمن ہے، اس کو غم پہنچے تو خوش ہونا چاہیے.......................۲۶۹
اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کا نسخہ.......................۲۷۰
دینی مجالس اور دینی اجتماع کی فضیلت.......................۲۷۱
نیک بندوں کی فرشتوں پر افضلیت کی وجہ.......................۲۷۲
روزِ قیامت کے چند عبرت انگیز حالات.......................۲۷۳
وحیٔ الٰہی میں اللہ اور رسول کے درمیان جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں.......................۲۷۴
کوئی اہم خبر دی جائے تو اس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟.......................۲۷۶

غزوۂ خندق کھودتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیفیت............... ۲۷۷
ذکر اللہ کی فضیلت............................ ۲۷۸
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان ویقین کی کیفیت کا بیان..................... ۲۸۰
کم عمر صحابی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ..................... ۲۸۰
ایک بھی مومن جب تک زندہ ہے قیامت نہیں آئے گی..................... ۲۸۱
اللہ سے تعلق پیدا نہ کیا تو چین وسکون نہیں مل سکتا..................... ۲۸۲
پیغمبر یوسف علیہ السلام کی صالحین کا ساتھ نصیب ہونے کی دعا..................... ۲۸۳
ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں محبت ہوگی..................... ۲۸۶
حضرت والا مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاح اور خوشدلی............ ۲۸۹
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خوش طبعی اور لطیف حسِ مزاح..................... ۲۹۲
حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی چند بشارتیں برائے حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ............ ۲۹۷
لذتِ دردِ فراق..................... ۳۰۰



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے دردِ دل کا بیان خود حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں



یہ عرفانِ محبت ہے یہ فیضانِ محبت ہے
کہ موجوں کی طرف خود آگیا بڑھتا ہوا ساحل
زبانِ دردِ دل سے اس طرح تفسیرِ قرآں کی
یہ لگتا کہ جیسے آج ہی قرآں ہوا نازل

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْمُصْطَفٰی
وَ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

میرے مرشد، میرے آقا اور محسن، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون، مرشدی ومولائی، عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی کو دیکھنے والے ابھی لاکھوں لوگ الحمد للہ! موجود ہیں، حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقبولین کی ایک نشانی تھے، آپ کے پاس رہ کر سوائے حق تعالیٰ کی محبت اور معرفت کے دنیا کی کوئی بات سننے کو نہیں ملتی تھی۔ یہ بات حضرتِ والا کی حیاتِ جانفروز کے آخری ۲۲ برسوں میں بچشمِ خود دیکھ لی جب احقر کو حضرتِ والا کی صحبت میں آنے جانے، بیٹھنے اور سفر کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے عطا فرمائی۔ اس نعمت کا احقر ہر بنِ مُو سے بھی شکر ادا کرے تو حق ادا نہیں ہوگا، حضرتِ والا کے احسانات تلے تو احقر سرتا پا دبا ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۹۱ء سے قبل کا حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کا وہ دور جب زیادہ لوگ آپ کو نہیں جانتے تھے، احقر نے مرشدِ ثانی، صدیقِ زمانہ حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا اور کتابوں میں پڑھا اور اس وقت کی لذتِ کیفیات کو دل نے محسوس کر کے مزہ پایا۔ حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے شیخ اور خانقاہ کے آداب سکھائے، ہمیشہ حضرتِ والا کے طریقہ کے مطابق عمل کرنے کی ہدایات دیں، جب کبھی حضرتِ والا کی شاہراہِ اولیاء سے سرِ مُو بھی احقر کو انحراف کرتے دیکھتے تو بلا جھجک تنبیہ فرماتے۔ لہٰذا شکر گذاری کی اس کیفیت میں بے اختیار حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بھی زبان و دل سے جزائے عظیم عطا ہونے کی دعا کیوں نہ نکلے کہ ان قدیم مجالس کا گویا آنکھوں دیکھا حال سننے اور پڑھنے کا وہی ذریعہ بنے۔

حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”۴۴ سال قبل جب پہلی بار حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرتِ والا حسبِ عادتِ شریفہ، ہمہ وقت اللہ کی محبت کی گفتگو اور اپنے ارشادات سے مشرف فرماتے تو احقر کیف و وجد میں

ڈوب جاتا کہ ایسے ارشادات نہ کبھی کانوں نے سنے تھے نہ کتابوں میں پڑھے تھے۔‘‘

پیشِ نظر کتاب ’’مجالسِ علم وحکمت‘‘ حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کے اسی زمانہ کے بیش بہا ملفوظات اور قیمتی ارشادات کا مجموعہ ہے جسے حضرت میر صاحب نے ہی لکھا، ترتیب دیا اور عنوانات لگائے۔ اس کتاب میں یہ مجالس صبح، دوپہر، شام، رات غرض چاروں پہر کی ملیں گی، ناشتہ، دوپہر ورات کا کھانا، چائے کے اوقات کی مجالس کے ارشادات بھی جمع کئے ہوئے نظر آئیں گے، صبح جاگنے سے لے کر رات سونے تک کے تمام اوقات میں حضرتِ والا کی مجالس کے یہ ملفوظات جب آپ پڑھیں گے تو آپ کا دل بھی ان شاء اللہ! گواہی دے گا کہ یہ کیسی ہستی تھی جس کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی باتوں کے سوا، کسی اور گفتگو میں مزہ ہی نہیں آتا تھا۔

قارئین سے دعا کی گذارش ہے کہ محبوب مرشد حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جاں نثار خادم حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو نا قدری احقر سے ہوئی، اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، حضرتِ والا کی تعلیمات کو حرزِ جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہاں اپنے قدیم دوست عزیزم مولانا سہیل سلمہٗ کا تذکرہ کرنا چاہوں گا، سہیل میاں، ماشاء اللہ! میرے لئے بہت باعثِ آرام وسکون ہیں، نشر و اشاعت کا جو کام ہمارے ادارے غرفۃ السالکین اور ادارہ تالیفات اختریہ سے ہو رہا ہے، اس میں ان کی دن رات کی محنتیں شامل ہیں، دعا ہے کہ ہماری بھی اور ان کی بھی جملہ دینی خدمات کو شرفِ قبول نصیب ہو۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے مخلص احباب عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ احقر کو مع اہلِ خانہ اور جملہ احباب، مرتے دَم تک اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے، ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول اور اُمت کے لئے نافع بنا کر مرشدی ومحبوبی حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ، مرشدِ ثانی حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جملہ معاونین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

از طرف: خاکِ پائے حضرتِ اقدس نور اللہ مرقدہ
فیروز عبداللہ میمن عفا اللہ عنہ

۲۶ / ربیع الاول ۱۴۴۰ھ
مطابق ۵ / دسمبر ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجالسِ علم وحکمت

ایک عالم کے سوال کا منطقی جواب

(ایک عالم نے کریم اور سخی کا فرق دریافت کیا تو یہ ملفوظ ارشاد فرمایا)

ارشاد فرمایا کہ کریم اور سخی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جیسے عجب اور کبر میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

ہماری بندگی حق تعالیٰ کی مزاج شناسی میں کامل نہیں ہوسکتی

ارشاد فرمایا کہ ہر نطق اور ہر سکوت پر، ہر اظہار اور ہر اخفاء پر، ہر قول اور ہر فعل پر اللہ سے یہ عرض کرے کہ اے اللہ! میں اپنی زندگی کے کسی شعبہ پر مطمئن نہیں ہوں کہ وہ آپ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں؟ اے اللہ! اس کو معاف فرما کر قبول فرمالیں۔ یہ کھٹک اور خوف مطلوب ہے اور انتہائے سلوک ہے۔ اپنے کسی عمل پر خود فیصلہ نہ کرو، حاکم تو اللہ ہے اور فیصلہ ہم کریں تو یہ کہاں کی عقل ہے۔ آپ کے یہاں کوئی مہمان آتا ہے تو آپ اس کی خوب خاطر مدارات کرتے ہیں لیکن جب وہ جانے لگتا ہے تو کہتے ہیں کہ ممکن ہے آپ کے مزاج کے مطابق ہم سے خدمت نہ ہوسکی ہو، آپ کو بجائے راحت کے تکلیف پہنچی ہو، لہٰذا ہمیں معاف فرمادیجئے۔ اپنے ہم جنس کی مزاج شناسی تو ہم سے نہ ہوسکے تو ہماری عبدیت مزاج شناسِ الوہیت میں کیسے کامل ہوسکتی ہے؟

محل کی قیمت حال سے ہے اور اس کی مثال

ارشاد فرمایا کہ حال اگرچہ محل کا محتاج ہے لیکن محل کی قیمت حال سے ہے۔

ایک جھونپڑے میں اگر رسول ہے تو وہ چھوٹا سا محل زمین اور آسمان پوری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ حال قیمتی ہے۔اسی طرح سینہ میں جو چھوٹا سا دل ہے اگر اس میں اللہ ہے تو یہ دل ساری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے۔

نفس عبادت سے نہیں صحبتِ اہل اللہ سے مٹتا ہے

ارشاد فرمایا کہ عبادت سے نفس نہیں مٹتا، نفس کسی ولی کی صحبت اور محبت اور اس کی غلامی سے مٹتا ہے۔اگر عبادت سے نفس مٹتا ہوتا تو شیطان نے ایک ہزار سال عبادت کی لیکن نفس نہ مٹ سکا کیونکہ صحبت یافتہ نہ تھا اور صحبت نہ ملنے کی وجہ سے محبت سے محروم رہا۔اگر محبت ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً سجدہ کر لیتا، محبوب کے حکم کے بعد دلیل نہ مانگتا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔اس کے نفس نے راستہ مار دیا، باوجود اتنی عبادت کے نفس نہ مٹا۔عبادت کی جان اور روح محبت ہے، روح نہ ہو تو پانچ من کا جسم بے کار ہوتا ہے اور روح ہو تو پچاس سیر کا جسم بہت ہے، پانچ من کی لاش کو اُٹھا کر پھینک دے گا۔اس راہ میں صاحبِ محبت ہی کامیاب ہوتا ہے۔

مجھے اہلِ محبت سے محبت ہوتی ہے، اس لئے محبت والے کی میرے یہاں گذر ہو جائے گی لیکن اگر کسی میں محبت نہ ہو تو مجھے اس سے مناسبت نہیں ہوتی۔یہ محبت کا راستہ بہت نازک ہے، محبت ایک نازک شیشہ ہے، جس میں ذرا سی ٹھیس اس کو توڑ دیتی ہے اور پھر نقصان بھی ناقابلِ تلافی ہوتا ہے، جیسے محبت کی محرومی سے شیطان کا حشر ہوا۔بس اللہ سے محبت مانگتے رہو اور اللہ کے راستہ کی عقل اور سمجھ بھی۔

اللہ کے راستہ میں مجاہدہ و مشقت کی اہمیت

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۴؍جولائی ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے ملنے کی ایک قید لگا دی:

﴿وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ﴾

(سورۃ العنکبوت: آیۃ ۶۹)

جولوگ ہمارے واسطہ مجاہدہ ومحنت کرتے ہیں، ہم ان کے لئے اپنے ملنے کے دروازے کھول دیتے ہیں یعنی ان کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ دنیاوی معاملہ میں ہماری عقل روشن رہتی ہے، جولڑکا محنت نہیں کرتا سب کہتے ہیں کہ یہ نا کام ہوجائے گا لیکن اللہ کے معاملہ میں سب کی عقل چاروں خانے چت ہوجاتی ہے۔ اپنی تاریخ دیکھ لیجیے! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شکمِ مبارک کی نازک جلد پر پتھر بندھ گئے، آپ کی پوری زندگی اللہ کے راستے میں جہاد اور مجاہدہ ومشقت میں گذری، اب ہم خود فیصلہ کرلیں کہ ہم کو مجاہدہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَجَاهِدُوۡا فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (سورۃ الحج: آیۃ ۷۸) اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد ومجاہدہ ومحنت کرو جیسا کہ اس مجاہدہ کا حق ہے۔

معلوم ہوا کہ صرف تعلق ہونا کافی نہیں اس تعلق کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے، جو بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کرتا تو بیٹے کا تعلق ہوتے ہوئے بھی باپ اس سے خوش نہیں ہوتا، کیونکہ تعلق کا حق اس نے ادا نہیں کیا۔ عقل سے فیصلہ کرکے اللہ کو پہچانو اور ان کو راضی کرنے کے لئے اوران کی ناراضگی سے بچنے کے لئے مشقت اٹھاؤ۔ اگر کسی کی اندھی عقل یہ فیصلہ کرے کہ اللہ کی ہمیں ضرورت نہیں تب بھی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمادیا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللهِ، اے دنیا کے انسانو! تم سب اللہ کے فقیر ہو، اس دائرہ فقر میں مومن بھی شامل ہیں اور کافر بھی۔ لہٰذا تم اس دائرہ فقر سے نہیں نکل سکتے، تمہاری حیات، تمہاری موت، تمہاری صحت، تمہاری بیماری، تمہاری روزی، تمہارا رزق سب ہمارے قبضہ میں ہے۔ اگر تم اس دائرہ فقر سے نکلنا چاہو گے تو تمہاری زندگی تلخ کردی جائے گی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡکًا جس نے میری یاد سے اعراض کیا

یعنی مجھ کو ناراض کیا، اس کی زندگی تلخ کردی جائے گی۔جتنی باتیں اللہ کو ناراض کرنے کی ہیں ان کوترک کرنا اور جن سے اللہ راضی ہوتا ہے ان کو اختیار کرنا، یہ یادِ کامل ہے،صرف زبان سے اللہ اللہ کرنا یادنہیں ہے۔

لہٰذا جب عقل یہ فیصلہ کرلے کہ بغیر اللہ کو راضی کئے ہمارا گذارہ نہیں ہے تو اللہ کوراضی کرنے کے اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔حدیثِ پاک میں ہے:

((لِکُلِّ شَیْءٍ مَّعْدِنٌ وَّمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ))

(کنز العمال:(دار الکتب العلمیۃ)، ج ۳ ص ۱۴۱، رقم ۵۶۳۵)

ہر چیز کی ایک کان اور خزانہ ہوتا ہے اور تقویٰ کی کان اہل اللہ کے قلوب ہیں۔

ایک بزرگ غلبۂ حال میں اور اللہ کی محبت کے جوش میں کہ کسی طرح غافل بندے اللہ والے بن جائیں، فرماتے ہیں ؎

ہیں بیائید اے پلیداں سوئے من
کہ گرفت از خوئے یزداں خوئے من

اے ناپاکو! آؤ میرے پاس آؤ کہ میں تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ ہو چکا ہوں، اللہ کے تعلق سے میں اللہ کی صفات وخوبیوں کا مظہر ہو چکا ہوں، اللہ کی صفات وتجلیات کا ظہور مجھ پر ہورہا ہے، مجھ پر اسمِ ہادی کی تجلی ہورہی ہے، تم پر بھی یہ تجلی پڑ جائے گی تو تم بھی پاک صاف اور ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

رہبرِ راہِ سلوک کی عظمت وآداب

معلوم ہوا کہ اللہ، اللہ والوں سے ملتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ، اللہ والوں سے ملتا ہے، اور جتنا اللہ عظیم الشان ہے، اتنے ہی اس کا راستہ بتانے والے عظیم الشان ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے کچھ آداب مقرر فرما دیئے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللهَ ؕ﴾

(سورۃ الحجرات: آیۃ ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (علیہ السلام) (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (بیان القرآن) اس آیت کے نزول کا واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات زیرِ غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری رائے دی، اور دونوں بزرگوں میں کچھ بحث کا سا انداز پیدا ہو گیا اور دونوں کی آوازیں کچھ بلند ہو گئیں، اس پر یہ دوسری آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا ادب سکھایا:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○﴾

(سورۃ الحجرٰت: آیۃ ۲)

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی (علیہ السلام) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (بیان القرآن) اس آیت میں اس ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ نبی کی مجلس میں اپنی آواز کو آپ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا یہ ادب سکھایا کہ جن معاملات کا فیصلہ نبی ﷺ کو کرنا ہو اور آپ نے اس کے بارے میں کوئی مشورہ بھی طلب نہ فرمایا ہو، ان معاملات میں پہلے ہی سے اپنی کوئی رائے قائم کر لینا اور اس پر اصرار کرنا ادب کے خلاف ہے۔ جبکہ اس آیت میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ آپ علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بے جھجک اور زور سے بات نہ کریں اور اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کریں۔ اس بے ادبی کی اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی سزا بیان فرمائی کہ کہیں بے خبری میں تمہارے اعمال نہ برباد ہو جائیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنی آوازوں کو بالکل پست رکھتے تھے۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اب میں مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس ادب کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ○﴾

(سورۃ الحجرٰت: آیۃ ۳)

بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کردیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ (بیان القرآن) اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور ادب سکھایا اور آواز پست رکھنے کی ترغیب دی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ﴾

(سورۃ الحجرات: آیات ۴،۵)

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں، ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں ہے، اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے، یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ تمیم کے وفد کا ذکر اوپر کیا گیا وہ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ آداب سے ناواقف تھے، اس لئے کچھ لوگوں نے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کردیا، جس پر ان آیات میں تنبیہ فرمائی گئی۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآنِ پاک پڑھنے جاتے تھے اور

اگر دروازہ بند ہوتا تو باہر بیٹھ کر انتظار کرتے، دروازہ نہ کھٹکھٹاتے تھے۔ایک دفعہ حضرت ابیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن عباس! آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں، آپ مجھے آواز دے دیا کیجئے تاکہ میں باہر آجاؤں تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا آپ نائبِ رسول ہیں اور نائبِ رسول کے بھی وہی آداب ہیں جو رسول کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔معلوم ہوا کہ علماء متقین اور اولیاء کرام بھی نائبینِ رسول ہیں، ان کے بھی یہی آداب ہیں، اس ادب کو مانگو ۔

اے خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

اے خدا ہم آپ سے توفیقِ ادب مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم ہوتا ہے ۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بےادب اپنی بدی سے سارے عالم میں آگ لگا دیتا ہےاوردوسروں کو بھی بے ادب بنا دیتا ہے۔لہٰذا اپنے شیخ کی خدمت میں مسواک کر کے صاف کپڑے پہن کر، باوضو جاؤ، دو رکعت توبہ پڑھ کر جاؤ، اور شیخ پر نگاہ حرمت ومحبت کی ڈالواوردعا کرو کہ اے اللہ! جو دردِ محبت میرے شیخ کو آپ نے عطا فرمایا ہے، اس کا ایک ذرہ میرے سینہ کو بھی عطا فرما دے۔

غیر اللہ کی طلب سراسر نقصان کا سودا ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

از خدا غیرِ خدا را خواستن
ظنِ افزونیست کلی کاستن

خدا سے غیرِ خدا کو مانگنا محض ترقی کا گمان اور سراسر گھاٹا ہےاورسب کچھ گنوا دینا ہے۔

جو نعمتیں کہ مشترک ہیں مسلم اور کافر میں، دوست اور دشمن میں، کیا وہ مانگنے کے قابل ہیں؟ اگر منصبِ خلافت چاہتے ہو یا مریدوں کی تعداد چاہتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ کامیابی کا مدار ان چیزوں پر نہیں ہے، ورنہ منصب اور لوگوں کا مجمع بہت سے گمراہ لوگوں کے پاس اور بھی زیادہ ہے تو کیا وہ کامیاب ہیں؟ ان کے تو ایمان میں بھی شبہ ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

(سورۃ الکہف: آیۃ ۲۸)

اے نبی! آپ اپنے نفس پر جبر کر کے ان کے پاس بیٹھئے جو صبح و شام ہمیں یاد کرتے ہیں یعنی اگرچہ خلوت میں ہمارے ساتھ مشغول رہنا آپ کو زیادہ محبوب ہے لیکن اگر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس نہ بیٹھیں گے تو وہ گُلِ محمدی کی خوشبو میں کیسے بسیں گے؟ معلوم ہوا کہ وہ پیر، پیر بنانے کے قابل نہیں ہے جسے اللہ کے ساتھ خلوت سے زیادہ مریدوں کے پاس بیٹھنے میں مزہ آتا ہو۔ پیر وہ ہے جسے خلوت میں اپنے اللہ کے ساتھ زیادہ مزہ آتا ہو اور لوگوں میں بیٹھنے میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہو۔

طلب سچی ہو تو اللہ کبھی شیخ کو مرید کے پاس بھیج دیتا ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ اللہ کو چاہتا ہے لیکن اس کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے ملتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کو اپنا بنانے کا انتظام فرماتے ہیں کہ اے بندے! اگر تیرے پاؤں نہیں ہیں تو ہم تجھ تک پہنچیں گے، جیسے زمین کے پاؤں نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ بادل کو زمین کے پاس بھیجتے ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ۵۷)

اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنے بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ (جو لوگوں کو بارش کی امید دلا کر) خوش کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں (پانی سے بھرے ہوئے) بھاری بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو ہانک کر کسی خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اس بادل میں سے پانی کو اس زمین پر برسا دیتے ہیں (بیان القرآن)۔اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چوں زمیں را پا نباشد جُود تو
ابر را راندَ بسوئے اُود تو
طفل را چوں پا نباشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ بر سرش

چونکہ زمین کے پاؤں نہیں ہوتے تو اللہ کا کرم بادلوں کو اُس پیاسی زمین کے پاس بھیجتا ہے اور پانی سے اس کو سیراب کر دیتا ہے، جیسے بچہ پاؤں نہیں رکھتا (یعنی چل کر ماں کے پاس نہیں جا سکتا) تو اس کی ماں اس کے پاس آتی ہے اور اس کے سر پر وظیفہ ڈال دیتی ہے یعنی اس کو دودھ پلا جاتی ہے۔اسی طرح اللہ کی رحمت اپنے بھولے بھالے بے خبر بندوں کو اپنے قریب کرتی ہے، کسی اللہ والے سے اس کو جوڑ دیتے ہیں، جس سے وہ صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے یعنی اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

قلبِ مومن کا قطب نما ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رہتا ہے

ارشاد فرمایا کہ مومن کے دل کا قطب نما چاہے کتنا ہی جھنجھوڑو، پھر دوبارہ اللہ کی طرف ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝﴾

(سورۃ الاحزاب:آیۃ ۱۱)

اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سخت دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر ڈالے جا رہے ہیں تا کہ یہ

اَحد اَحد نہ کہیں لیکن ان کے دل کی سوئی پھر اَحَدٌ پر آجاتی تھی اور بے اختیار زبان سے اَحد اَحد جاری ہوجاتا تھا۔جس طرح قطب نما کی سوئی کو جھنجھوڑ دوتو وہ بے چین ہوجاتی ہے اور جب تک قطبِ شمالی کی طرف رُخ نہیں ہوجاتا ہے، بے چین رہتی ہے۔ اس طرح مومن کا قلب بھی قطب نما کی سوئی کی طرح ہے، اگر غفلت یا گناہ سے اس کے قلب کا رُخ اللہ تعالیٰ سے پھِر گیا تو بے چین ہوجاتا ہے، جب تک ندامت اور توبہ واستغفار سے اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرلیتا اسے چین نہیں آتا۔

اپنے شیخ ہی کی تربیت کے نافع ہونے کی ایک مثال

۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۳/۱۰ اگست ۱۹۷۱؁ء

ارشاد فرمایا کہ بچوں کے جسموں کی پرورش اپنے باپ ہی کی روٹی سے ہوتی ہے۔ دنیا میں لاکھوں باپ ہیں اور ہزاروں من غلہ زمین پر بکھرا پڑا ہے لیکن ہر بچہ کی پرورش اس روٹی ہی سے ہوتی ہے جو اُس کا باپ کما کرلاتا ہے، دوسروں کے باپ کی کمائی سے دوسرے بچوں کی تربیت و پرورش نہیں ہوتی، اسی طرح شیخ جو بمنزلہ روحانی باپ کے ہے، اس کے مضامین سے اس کی روحانی اولاد کو جو نفع ہوتا ہے اور ان کی ارواح کی جو تربیت ہوتی ہے، وہ دوسرے شیوخ کے مضامین سے ممکن نہیں۔

انبیاء اور اولیاء کی حیات، اللہ کے عاشقوں کے لئے سہارا ہے

۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۱۴/ نومبر ۱۹۷۱؁ء

ارشاد فرمایا کہ عاشقین صرف ایمان بالغیب پر زندہ نہیں رہ سکتے بلکہ وہ بالعین بھی کچھ مشاہدہ چاہتے ہیں کیونکہ اللہ تو سامنے نہیں آتا، آتو سکتا ہے لیکن ہماری رعایت سے نہیں آتا کہ ہم تباہ ہوجائیں گے، ہم تحمل نہیں کرسکیں گے۔اس لئے حق تعالیٰ کا بالعین، بلا واسطہ مشاہدہ تو اس دنیا میں ممکن نہیں لیکن انبیاء اور اولیاء کے جسدِ خاکی کے اندر کیونکہ حق تعالیٰ کی تجلیات ہوتی ہیں، اس لئے عاشقین کو ان کی

صحبت سے سکون وچین ملتا ہے اور عاشقین بواسطہ جسدِ خاکی، اللہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس دنیا میں اسی حد تک بواسطہ جسدِ خاکی ہی یہ مشاہدہ بالعین ممکن ہے ورنہ حق تعالیٰ کو دیکھنا تو کجا اگر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء کی ارواح سے جسدِ خاکی کو اُتار دے تو ان کی ارواحِ مبارکہ کے انوار کا تحمل بھی ہمارے لئے محال ہے۔

دورِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عاشقانہ تذکرہ

۱۳؍رجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۵؍ستمبر ۱۹۷۱ء بروز اتوار بوقت صبح ۱۱ بجے
(نگینہ کے فرقان صاحب اور ان کے بھائی موجود تھے)

ارشاد فرمایا کہ وہ بھی کیا زمانہ رہا ہوگا کہ جس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمِ مبارک زمین کے اوپر موجود ہے، قرآنِ پاک نازل ہو رہا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم فرشتوں کو دیکھ رہے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ مسجدِ نبوی میں اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ کہہ رہے ہیں اس حال میں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی موجود ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ اذان میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں تو گوشۂ چشم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھتے بھی جاتے ہیں، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُس جانِ پاکِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ رہے ہیں۔ صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو بعض اوقات مجلسِ صحابہ میں انسانی شکل میں موجود ہوتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ راوی ہیں کہ ایک بار ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا، جس کے کپڑے بہت صاف اور اُجلے تھے اور جس کو ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ مدینہ چھوٹی سی بستی تھی، یہ بھی نہیں کہ اتنا بڑا شہر ہو جہاں کثرتِ آبادی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں۔ چھوٹی بستیوں میں تو گنے چنے آدمی ہوتے ہیں، ہر شخص دوسرے کو جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب تھا کہ یہ کون شخص ہے؟ جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ

اے عمر! جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟ عرض کیا کہ اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی جبرئیل علیہ السلام تھے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ مبارک میری ران پر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک پر وحی کا نزول شروع ہوگیا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے اپنی ران پر اتنا بوجھ محسوس ہورہا تھا کہ میری ران درد سے پھٹی جارہی تھی۔

پس جن آنکھوں نے خود نبی کو دیکھا، فرشتوں کو دیکھا، نزولِ قرآن کو دیکھا، ان کے یقین و ایمان کو کون پاسکتا ہے؟ اسی وجہ سے قیامت تک کوئی ولی کسی ادنیٰ صحابی کے بھی ایمان کی برابری وہمسری نہیں کرسکتا۔ صحابہ گویا اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھتے تھے، یہ فیضانِ نبوت تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب میں جنت اور دوزخ کو دیکھوں گا تو میرے یقین میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوگا، کیونکہ اتنا یقین تو مجھے دنیا ہی میں حاصل ہے۔

وساوس سے بچاؤ کا طریقہ

۱۰ر فروری ۱۹۷۲ء

ارشاد فرمایا کہ وساوس شیطان کی فوج ہیں، دشمن جب کسی علاقہ پر حملہ کا ارادہ کرتا ہے تو حکومت کیا کرتی ہے؟ اپنی فوج کو فوراً مسلح کردیتی ہے، صرف مسلح ہوجانے ہی سے دشمن کے قلب پر رعب وہیبت طاری ہوجاتی ہے، پس جب شیطان قلب پر وساوس کا ہجوم کرے تو تم بھی مسلح ہوجاؤ، یعنی دعا کا سہارا لو کیونکہ روایت ہے:

((اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۲ ص ۶۸، رقم ۳۱۱۴)

دعا مومن کا ہتھیار ہے، شیطان پر ایک رعب تو اسی وقت پڑ جائے گا، اس کے بعد اَور ذکر وغیرہ میں مشغول ہوجاؤ، کیونکہ ذکر شیطان پر ضربِ کاری ہے، جیسے ہی مومن کا قلب اللہ کی یاد میں مصروف ہوتا ہے شیطان اس قلب سے دور

بھاگ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وساوس کا علاج دو جز میں بیان کیا گیا ہے:
((وَلِذَا قِيلَ يُسَنُّ لَهُ أَنْ يَّسْتَعِيذَ ثُمَّ يَقُولَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ))
(مرقاة المفاتيح: (رشيديه)، باب في الوسوسة، ج۱ ص۲۲۸، رقم ۶۶)

ایک تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا، دوسرے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پڑھنا۔ وساوس خواہ کفر کے ہوں یا گناہ کے ہوں، اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پڑھنے سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے ڈی ڈی ٹی چھڑکنے سے مکھی، کھٹمل اور جراثیم بھاگتے ہیں۔ متعدد دوستوں نے بتایا کہ جب بدنگاہی کا تقاضا شیطان ڈالتا ہے تو ہم اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پڑھ لیتے ہیں اور فوراً اللہ تعالیٰ کی بڑائی سامنے آجاتی ہے اور وسوسہ ختم ہوجاتا ہے۔ پھر یہ کہ وساوس ان ہی لوگوں کو زیادہ آتے ہیں جو گناہ کر کے نفس کو غذا پہنچاتے رہتے ہیں جبکہ نفس سب سے بڑا دشمن ہے جو ہمارے پہلو میں ہے، اِنَّ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ فِيْ جَنْبَيْكَ۔ جب دشمن سے جنگ ہوتی ہے تو ہر سرحد پر اس کی ناکہ بندی کر دی جاتی ہے تاکہ اس کو رسد نہ پہنچ سکے اور جب رسد نہیں پہنچتی تو آخر دشمن ہتھیار ڈال دیتا ہے لہٰذا گناہوں سے اس کو مدد نہ پہنچاؤ تو یہ ویسے ہی کمزور رہے گا۔

نصیحت کرتے رہو، نصیحت نفع دیتی ہے

ارشاد فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کی باتیں کون سنتا ہے؟ کسے سنائیں اور اگر سنا بھی دو تو اثر کون لیتا ہے؟ لیکن حق تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں: وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ اے ہمارے نبی آپ نصیحت کیجئے، نصیحت اہلِ ایمان کو نفع پہنچاتی ہے۔ تَنْفَعُ مضارع کا صیغہ ہے جو حال و استقبال دونوں پر حاوی ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے صیغہ مضارع استعمال فرما کر یہ بتادیا کہ یہ نصیحت قیامت تک لوگوں کو نفع پہنچاتی رہے گی، زمانۂ حال میں یہ آپ کے صحابہ کو نفع پہنچائے گی اور زمانۂ استقبال میں قیامت تک آنے والی امت کو نفع پہنچائے گی،

پس! جب اللہ تعالیٰ امید دلا رہے ہیں تو ہم کیسے ناامید ہوجائیں کہ اب نصیحت سے نفع نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ ہم نے ہی اللہ ورسول کی داستان سنانا چھوڑ دی ورنہ زمانہ تو آج بھی شوق سے سنتا ہے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں تھک گئے داستاں کہتے کہتے

وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل

ارشاد فرمایا کہ آپ جو چیز دیکھتے ہیں تو دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا کون ہے مثلاً ایک گھڑی کو دیکھ کر دل میں خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو کس نے بنایا ہے؟ معلوم ہوا کہ ہر مصنوع کو دیکھ کر دل میں سوال پیدا ہونا کہ اس کا صانع کون ہے، یہ ایک فطری امر ہے۔ پھر معمولی روزمرہ کی چیزوں کو دیکھ کر آدمی نظر انداز بھی کردے لیکن انسان جس کی زمین پر چلتا ہے، جس کی سورج کی گرمی سے استفادہ کرتا ہے، جن ہواؤں کو پھیپھڑوں میں کھینچ کر سانس لیتا ہے، غرض شمس وقمر، بحروبر، شجروحجر جن سے ہمہ وقت انسان کام لے رہا ہے، ان کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہونا کہ ان کا خالق کون ہے؟ یہ بشریت کا فطری تقاضا ہے۔ اگر کسی کے دل میں کارخانۂ عالم کو دیکھ کر یہ سوال اور جستجو پیدا نہیں ہوتی تو اس کی عقل میں فتور ہے ورنہ کوئی صحیح العقل اس سے بے حس وبے پرواہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اگر زمین پر ہے تو ہوا چوس رہا ہے، اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا چاہیے کہ یہ ہوا کس نے پیدا کی ہے؟ اور چاند پر پہنچتا ہے تو وہاں ہوا نہیں، وہاں یہ سوال دل میں آنا چاہیے کہ وہ کون ذات ہے جس نے یہاں ہوا نہیں رکھی؟

ایک مثال یہ ہے کہ ایک آدمی بھوکا اور ننگا جا رہا ہو، پیٹ میں روٹی اور تن پر کپڑے کی سخت حاجت ہو کہ اچانک ایک ایسے مکان میں داخل ہوجاوے جہاں عمدہ عمدہ کھانے ہر شخص کو کھلائے جارہے ہوں اور کپڑے پہنائے جارہے ہوں،

ملازمین لوگوں کی خدمت پر مامور ہوں، اس کو بھی کھانا کھلایا جانے لگا اور کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اس وقت جانور ہی ہوسکتا ہے جس کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ یہ نعمتیں کس نے دی ہیں؟ جو شریف اور سلیم العقل بندے ہیں وہ پوچھیں گے کہ ہمارے اوپر یہ احسان کس نے کیا ہے اور اس احسان کرنے والے کے شکر گذار ہوں گے، اور جو شخص تمام نعمتیں کھا کر اور نرم نرم بستروں پر سو کر صبح کو اُٹھ کر چلا جائے، اسے یہ جستجو بھی نہ ہو کہ معلوم کرے کہ یہ عمدہ عمدہ کھانے کس نے کھلائے؟ یہ کپڑے کس نے پہنائے؟ انسانوں کی خدمت پر دوسروں کو کس نے مامور کیا؟ بلکہ کہتا ہے کہ خود بخود یہ چیزیں پیدا ہوگئیں، سارا عالم اور انسان خود بخود پیدا ہوگئے تو یہ شخص احمق، سرکش ہے، اور اس کی عقل میں فتور ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ** (سورۃ الطور: آیۃ ۳۵) کیا یہ لوگ بغیر کسی کے خود بخود پیدا ہوگئے یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ میرے حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گھیر لیا ہے، جس میں ان کے پاس نکلنے کا کوئی راستہ نہیں کیونکہ تَقَدُّمُ الشَّیۡءِ عَلٰی نَفۡسِہٖ محال ہے۔

جسمانی علاج سے روحانی طبیب کی مثال

۵؍رجب المرجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۵؍اگست ۱۹۷۳ء بروز اتوار

ارشاد فرمایا کہ اگر جسمانی صحت خراب ہوجاتی ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہو اور کہتے ہو کہ کوئی ایسا طاقت کا انجکشن لگا دو یا گلوکوز چڑھا دو کہ میں اچھا ہوجاؤں، میرے دفتر کا کام چھوٹ رہا ہے، کہاں سے کھاؤں گا، پیچھے بیوی بچے ہیں، ان کو فاقے ہوجائیں گے۔ تو اگر آخرت پر ایسا یقین نہیں آرہا ہے جیسا آنا چاہیے، نماز باجماعت کی توفیق نہیں ہورہی ہے، دین کے کاموں میں سستی محسوس ہورہی ہے یعنی خدائی دفتر کے کام چھوٹ رہے ہیں تو کسی روحانی طبیب اللہ والے کے پاس جاؤ

اور اس سے درخواست کرو کہ میری روح بیمار ہے، علاج کر دیجئے ورنہ سخت خسارے میں پڑ جاؤں گا۔ اگر بیوی بچوں پر فاقہ سے رحم آتا ہے تو اپنی جانوں پر بھی رحم آنا چاہیے کہ نہ جانے کس وقت موت آجائے، اور اگر اس مجرمانہ حالت میں اللہ کے پاس گئے تو اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ بتاؤ! کیسا عنوان ہے یہ!

اللہ کے راستہ میں چلنا شروع کردو تو اللہ کی مدد بھی آجائے گی

اگر ڈاکٹر کے پاس پاؤں سے جانے کی طاقت نہیں ہوتی تو کسی کی خوشامد کرتے ہو کہ بھائی! مجھے کندھے پر اٹھا کر ڈاکٹر کے یہاں لے جا کر ڈال دے، اسی طرح اگر کسی اللہ والے کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوتی تو کسی کو اپنے اوپر مقرر کرلو کہ میں فلاں دن فلاں بزرگ کے یہاں جانا چاہتا ہوں، تم آجایا کرو اور مجھے زبردستی لے جایا کرو۔ پہلے تو مریض ڈاکٹر سے گھبراتا ہے لیکن جب گلوکوز سے طاقت آنے لگتی ہے پھر خود ہی شوق سے بھاگا ہوا جائے گا۔ اسی طرح اللہ والے کی صحبت کے فیض اور ذکر و معمولات کے گلوکوز سے روح میں طاقت آجائے گی، اللہ کی محبت پیدا ہونے لگے گی، پھر خود ہی بھاگے ہوئے جاؤ گے۔ پہلے مجاہدہ ہوتا ہے، پھر اسی مجاہدے کو لذیذ کر دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ جس کی طرف رجوع کرو، وہ عالم عاشق ہو، اللہ والا ہو، محض کتابی عالم نہ ہو، اور عشق کا پتا عمل سے چلتا ہے۔

کس عالم کی صحبت نافع ہوتی ہے؟

یوں تو ہر عالم دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں اللہ کا عاشق ہوں لیکن اس کا عمل بتائے گا کہ وہ عاشق ہے یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

((مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۱ ص ۲۱۷، رقم ۱۸۲۵)

جس عالم کو دیکھو کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کر رہا ہے، اٹھتے بیٹھتے سوتے

جاگتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کر رہا ہے، ذکرِ مثبت کے ساتھ ذکرِ منفی پر بھی اسے مواظبت ہے یعنی کسی گناہ کے پاس بھی نہیں جاتا تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کا عاشق ہے۔ ان عاشقین کے قلوب کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تقویٰ کا معدن فرمایا ہے، ان ہی سے تقویٰ ملے گا:

((لِکُلِّ شَیْءٍ مَّعْدِنٌ وَّمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ))

(کنز العمال:(دار الکتب العلمیۃ)، ج ۳ ص ۱۴۱، رقم ۵۶۳۵)

اللہ کی یاد کے بغیر روح کی بے چینی کا حال

غرض اللہ تعالیٰ کی محبت اتنی حاصل کرنا فرض ہے کہ دل اللہ کی یاد کے لئے بے چین ہو جائے، جب تک اشراق و اوابین و تہجد و چاشت نہ پڑھ لیں، جب تک ان کا نام نہ لے لیں، ہمیں ناشتہ اچھا نہ لگے۔ ثواب کی لالچ میں کب تک گاڑی چلے گی؟ فضائل دیکھ دیکھ کر اور سُن سُن کر کب تک عمل کرو گے؟ یہ گاڑی زیادہ دن نہیں چلتی۔ اس لئے اتنی محبت حاصل کرلو کہ بغیر ان کا نام لئے چین ہی نہ آئے، جس دن ہم ناشتہ نہ کریں تو معدہ بتا دیتا ہے کہ مجھے غذا چاہیے، معدہ بھوکا ہو تو ناشتہ کا تقاضا پیدا ہو جاتا ہے، کیا اس وقت روٹی کھلانے کے لئے کیا معدہ کو ثواب کی لالچ دیتے ہو؟ کیا کسی حکیم کی تقریر کا انتظار کرتے ہو کہ جب تک کوئی حکیم مجھ سے آکر روٹی کے فوائد نہ بیان کرے گا، اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا کہ روٹی سے جسم میں خون پیدا ہوگا، آنکھوں میں روشنی آئے گی، بدن میں طاقت آئے گی۔ بتاؤ! اس تقریر کی ضرورت ہوتی ہے یا قدم روٹی کی طرف بے تابانہ اٹھتے ہیں؟ اس وقت تو کہتے ہو کہ روٹی نہ کھاؤں گا تو بے ہوش ہو جاؤں گا، یہاں تو جان نکلی جارہی ہے، تقریر کی کیا ضرورت ہے؟ بھوک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّہٗ بِئْسَ الضَّجِیْعِ (کنز العمال:(دار الکتب العلمیۃ)، ج ۲ ص ۸۳، رقم ۳۶۸۶) اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں بھوک سے کہ یہ برا ہمخواب ہے۔

پس! روح میں اللہ سے ایسی ہی محبت پیدا ہو جائے کہ اگر کسی دن تلاوت چھوڑ دو، ذکر چھوڑ دو، اشراق واوابین نہ پڑھو تو روح میں ایسی بے چینی پیدا ہو جائے جیسی روٹی نہ کھانے سے ہوتی ہے۔ جب ایسی محبت پیدا ہو جائے گی تو پھر تقریر کا انتظار نہ کروگے کہ نماز کے فضائل معلوم ہوں تو نماز پڑھوں، دعا کے فضائل کوئی سنائے تو اللہ سے مانگوں، اس وقت مجبورِ محبت ہوگے، کوئی فضائل نہ سنوگے اور ہاتھ باندھے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوگے، اس کے بغیر چین ہی نہ آئے گا۔ جب ذکر کا، تلاوت کا، تہجد کا وقت آئے گا تو روح کہے گی مجھے میری غذا دو۔ جنہیں تہجد کا مزہ مل جاتا ہے تو اُن کی روح کہتی ہے کہ اپنے رب کے سامنے حاضری کے لئے بے چینی ہو رہی ہے، اٹھو! تہجد کا وقت ہو گیا۔ اور اگر کسی کو بھوک نہ ہو تو علاج کے لئے حکیم کے پاس جاتے ہو، اسی طرح اگر کسی کی روح میں اللہ محبت کی بھوک نہیں ہے تو اللہ والوں کے پاس جاؤ، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا

تا طلب یابی ازیں یار وفا

اے مخاطَب! اگر تیری روح میں اللہ کی محبت کی پیاس نہیں ہے تو بھی آ، تاکہ تُو اُس یارِ وفا سے اللہ کی طلب اور پیاس پالے۔ یہ اللہ والے ایسے ہیں کہ پانی بھی پلاتے ہیں اور پیاس بھی دیتے ہیں، ذکر بھی بتاتے ہیں اور ذکر کے لئے جس شدید محبت مع اللہ کی پیاس کی ضرورت ہے وہ پیاس بھی دیتے ہیں۔ اور تجربہ ہے کہ اللہ کی محبت روح میں سوئی ہوئی ہوتی ہے، اللہ والوں کی صحبت سے جاگ جاتی ہے۔

پان کھانے پر احقر کے لئے تنبیہ

۱۶/صفر المظفر ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۱۲/مارچ ۱۹۷۴؁ء بروز پیر بعد ظہر

احقر حضرت والا کے سر میں مالش کر رہا تھا تو فرمایا کہ آج کل چوری چھپے

پان تو نہیں کھا رہے؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت ایک ہفتہ پہلے رات کو ایک پان کھالیا تھا، بس جب سے روزانہ لت لگ گئی، ایک پان کھالیتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا کروں، جی چاہتا ہے کہ آپ کو اپنے یہاں نہ رہنے دوں ؎

مقرباں را بیش بود حیرانی

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نفس کی مقاومت نہیں کر سکتے اور آپ میں عَود (واپس لوٹنا) کا مادہ موجود ہے، جبکہ آپ دین کے لئے اصحابِ صفہ کی طرح دن رات یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ آپ سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کوئی حسین پاجاویں گے تو وہاں بھی آپ نفس کی مقاومت نہیں کر سکیں گے۔ پہلے نفس چھوٹی چھوٹی چیزوں میں عَود کرتا ہے، پھر بڑی چیزوں یعنی گناہ میں عَود کرنے لگتا ہے۔ جب دو دو ماہ کے لئے پان چھوڑ دیتے ہو تو پھر کیوں کھاتے ہو؟ حالانکہ اتنے دنوں تک نہ کھانے سے تقاضا کمزور ہوجاتا ہے، کمزور تقاضے کو مخالفت کر کے اور کمزور کرتے چلے جاؤ، یہاں تک کہ پھر تقاضا ہی نہ ہوگا۔ الحمد للہ! اب مجھے پان کا تقاضا ہی نہیں ہوتا، حالانکہ میں آپ سے زیادہ پان تمبا کو کھاتا تھا۔

(اس سے مراد حضرت والا کی یہ تھی کہ جب میری تجویز پر عمل نہیں کر رہے تو پھر میرے پاس رہنے سے تمہیں کیا فائدہ، شیخ کی صحبت سے تو مقصود اصلاح ہے جو موقوف ہے اس کی اتباع پر۔ جامع)

احقر پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا لطف وکرم اور درسِ فنا و بقا

۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳/ اگست ۱۹۷۱ء بروز اتوار، بعد عشاء

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے راستہ میں پہلے تو کلیجہ منہ تک لے آتے ہیں، پھر کلیجہ کو واپس کرتے ہیں اور ایک کلیجہ کو ہزاروں کلیجوں کا راہبر بنا دیتے ہیں، اور اس کی پرورش اور راحت اور دل بہلانے کا بھی سامان مہیا کرتے ہیں۔

میں ایک عمر تو اپنے شیخ کے ساتھ رہا، پھر چھ سال کا وقفہ رہا، وہ میری تنہائی کا زمانہ تھا، کوئی میری آہ کا سمجھنے والا نہ تھا۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا سوختہ جان ہو جس کے ساتھ میرے شب و روز گذریں کہ اللہ نے عشرت کو منتخب فرما کر میرے لئے بھیجا۔ میری آہ کی جیسی عشرت نے قدر کی ہے ایسی قدر کسی نے نہیں کی تھی۔ شمس بازغہ اور منطق والے بھی میری بات کو ایسا نہیں سمجھ سکتے جو ایک ٹوٹا ہوا دل سمجھ سکتا ہے، جس کے دل پر مصیبت وغم کے آرے نہ چلے ہوں وہ آہ کو اور آہ کی باتوں کو کیا سمجھے گا۔ (احقر کے لئے فرمایا کہ) یہ خود کیا آتے، انہیں تو بھیجا گیا ہے، علوم کی حفاظت کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے، دیکھنا! جب میری یہ کتاب چھپے گی تو علماء روئیں گے اور سر دُھنیں گے کہ ہائے یہ کون چھپا ہوا تھا جو بے نام ونشان چلا گیا۔

بعد میں احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اللہ نے آپ کے اوپر فضل فرمایا ہے، آپ کا کوئی کمال نہیں ہے، اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے۔ اگر اللہ آپ کو میرے علوم کی حفاظت کے لئے منتخب نہ فرماتا، کسی اور کو منتخب فرمالیتا تو آپ یہاں نہ ہوتے۔ اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ بدوں کسی خوبی اور اچھائی کے اللہ نے محض اپنے فضل سے منتخب فرمالیا اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انتخاب ہوا ہے، ورنہ کوئی یقینی تو ہے نہیں۔ نہ معلوم اللہ کے علم میں کون ہے؟ احقر نے عرض کیا کہ احقر کے لئے دعا فرمادیجئے کہ اللہ نے احقر کو منتخب فرمایا ہو، فرمایا کہ ہاں! میں بھی دعا کرتا ہوں لیکن اس کی دعا تو آپ کو خود کرنی چاہیے۔

ترقی فی الذکر سے مراد ترقی فی کیفیۃ الذکر ہے

ارشاد فرمایا کہ ذکر میں ترقی سے مراد یہ ہے کہ ذکر کی کمیت تو وہی رہے لیکن کیفیت میں ترقی ہوتی جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دن بدن اللہ کی محبت و خشیت دل میں بڑھتی جاتی ہے اور مخلوق کا خوف دل سے نکلتا جاتا ہے، پھر سالک کو

ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ میرا اللہ کس بات سے راضی ہوتا ہے، مخلوق کی رضا اور ناراضگی سے نظر اُٹھتی چلی جاتی ہے۔ یہ بات ایک روز میں حاصل نہیں ہو پاتی، رفتہ رفتہ ہوتی ہے لیکن اس ہمت کے پیدا ہونے کے لئے صحبتِ اہل اللہ شرط ہے۔ آج مخلوق کے خوف سے کسی منکر کو چھوڑنے کی ہمت نہیں ہو رہی لیکن صحبتِ اہل اللہ اور ذکر کی برکت سے چند روز میں ہمت پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ اس منکر کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح روز بروز ہمت پیدا ہوتی جاتی ہے اور جن سیئات کو چھوڑنے کی یا جن حسنات کو اپنانے کی ہمت نہ تھی وہ ہمت رفتہ رفتہ پیدا ہوتی جاتی ہے اور مخلوق سے نظر اُٹھتی جاتی ہے۔ اصل ترقی فی السلوک یہی ہے۔ اگر باوجود ذکر اور وظیفہ کے کسی میں یہ ہمت پیدا نہیں ہو رہی تو کوئی ترقی نہیں، چاہے ایک لاکھ وظیفہ روزانہ پڑھتا رہے کیونکہ اصل مقصود تو گناہوں سے بچنا ہے، جب وہی حاصل نہیں ہو رہا تو ذکر سے کیا فائدہ؟

جاہل صوفیا کے یہاں وظیفوں کی مقدار بڑھ جانا ترقی ہے، اگر آج ایک ہزار پڑھ رہے ہیں اور کل دس ہزار پڑھ لیں تو جاہل کہتا ہے کہ فلاں نے بڑی ترقی حاصل کی، دس ہزار ضربیں لگائیں لیکن اصل ترقی یہ نہیں ہے، اصل ترقی تو یہ ہے کہ سب گناہ چھوٹ جائیں اور بندہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کو ناراض نہ کرے، اگر کبھی خطا ہو جائے تو رو رو کر اُن کو منا لے لیکن یہ تو جب ہوگا کہ جب گناہوں سے بچنے کا عزم و ارادہ ہو اور سچے اللہ والوں کی صحبت ہو۔ یہ دونوں چیزیں ان میں نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جاہل صوفیوں کے یہاں وظیفوں کی کثرت کے باوجود مقصود سے محرومی رہتی ہے اور ذرا قرب نصیب نہیں ہوتا، کیونکہ وہ گناہوں سے بچنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے اور گمراہوں کی صحبت میں رہتے ہیں، لہٰذا ہمت پیدا نہیں ہوتی۔

اہلِ دنیا کی شان و شوکت سے عارف مرعوب نہیں ہوتا

جس قلب کو تعلق مع اللہ نصیب ہو جاتا ہے اس کے انداز شاہانہ ہو جاتے ہیں،

اس کے حرکات وسکنات سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس کے قلب کو کیا دولت حاصل ہے، وہ دنیاداروں کی شان وشوکت سے مرعوب نہیں ہوتا، جب مخلوق کی رضا میں اور اللہ کی رضا میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس کے تیور بدل جاتے ہیں۔ پھر اس کے تیوروں کو دیکھ کر دنیاداروں کو بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ کوئی ایسی دولت اس کے پاس ہے جس نے ساری دولتوں سے اس کو بے نیاز کردیا ہے، آخر کیا بات ہے کہ یہ ہماری طرف ذرا متوجہ نہیں اور اللہ کی رضا کے آگے ہماری رضاوخوشی کی کچھ پرواہ نہیں۔ عارف کو اس وقت کسی کے دل کے ٹوٹنے کی پرواہ نہیں ہوتی، اس کی نظر اللہ کی رضا پر ہوتی ہے۔

عارف کو اپنی حقارت ہر حال میں مستحضر رہتی ہے

لیکن اس کے باوجود عارف اس وقت بھی خود کو حقیر سمجھتا ہے، تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، غیرِ عارف (یعنی جس نے کسی اللہ والے کی صحبت نہیں اٹھائی) کو اگر مخلوق سے اذیت پہنچے یا دین کی کسی بات پر اس کی مخالفت کی جائے تو اس وقت وہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ لیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اچھا مجھے اذیت پہنچاتے ہو، ابھی بددعا کردوں گا، جلا ڈالوں گا۔ اور عارف اس وقت بھی اپنے کو عاجز اور حقیر سمجھتا ہے اور مخاطب کو یا کسی منکر میں مبتلا شخص کو بھی اپنے سے افضل سمجھتا ہے، اس کی نظر اس وقت بھی اللہ پر ہوتی ہے کہ نہ جانے اللہ کے علم میں کس کا خاتمہ کیسا ہونا لکھا ہوا ہے۔ یہ شخص جو آج بدعملی میں مبتلا ہے ممکن ہے کل توبہ کرکے اور ولی ہوکر مرے اور میری حالت اگرچہ آج اچھی ہے لیکن نہ معلوم خاتمہ کس حال پر ہو؟ اس لئے وہ کبھی عجب وتکبر میں مبتلا نہیں ہوتا۔ نکیر بھی کرتا ہے تو اپنی حقارت اس کے پیشِ نظر رہتی ہے، اور اگر کسی کو کچھ کہتا بھی ہے تو اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے اور اللہ کا حکم سمجھ کر کہتا ہے، نہ کہ اپنے کو اس سے برتر سمجھ کر۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ساتھ جارہے تھے، ایک

بڑھیا نے کہا کہ دیکھو مکار جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جنید کو شہرِ بغداد میں صرف اس بڑھیا نے پہچانا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اچھا مجھے ایسا کہتی ہے، میں تجھے برباد کردوں گا۔ عارفین تو اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر سمجھتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو مکار ہی جانا کہ کیا معلوم کہ میری عبادات میں میرے نفس کے کیسے کیسے مکر شامل ہوں؟ باطن کا علم تو اللہ کو ہے، ظاہر کو تو ہم دیکھ رہے ہیں، باطن کو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، نہ معلوم ان کو کیا بات ناپسند ہو؟ عاشق کو ہر وقت اپنے محبوبِ حقیقی کی رضا مقصود ہوتی ہے، اللہ کے علاوہ اس کے دل میں کوئی نہیں ہوتا۔

در دلِ عاشق بجز معشوق نیست
درمیانِ شاں فارق و مفروق نیست

عاشق کے دل میں معشوق کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا یعنی سالک کے دل میں بجز محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کے کوئی نہیں ہوتا اور بندے کو اللہ سے اور اللہ کو اپنے خاص بندے سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی ان کو علیحدہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ اس تعلقِ خاص کی کسی اور کو خبر بھی نہیں ہوتی، جس کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

توجہ الی الغیر، اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہے

ارشاد فرمایا کہ جس لوہے میں مقناطیس ہوتا ہے وہ دوسرے لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے لیکن اگر ان دونوں کے درمیان میں حجاب ہو جاوے تو پھر مقناطیس اس کو اپنی طرف نہیں کھینچتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں جو بغیر حجابات کے ملتا ہے اور حجاب کیا ہے؟ غیر اللہ حجاب ہے۔ اگر غیر اللہ کی طرف قلب متوجہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب حائل ہو گیا۔

بیماری ''لوگ کیا کہیں گے؟'' کا علاج

۵ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۱۹۶۹ء
(نقل رسالہ تبلیغ مع تشریح حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ)

ارشاد فرمایا کہ ایک بہت اہم بیماری کا علاج بتاتا ہوں، اس خطرناک بیماری کا نام ہے ''لوگ کیا کہیں گے؟'' یہ بیماری ایسی بلا ہے کہ انسان کو تباہ کردیتی ہے۔ اسی بیماری کی وجہ سے ابوطالب مقصود سے رہ گئے حالانکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عاشق اور جاں نثار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مرتے وقت ان سے فرمایا کہ ایک دفعہ کلمہ کہہ دو أُحَاجُّ بِهَا لَكَ عِنْدَ اللهِ اسے اپنے رب کے سامنے حجت میں پیش کروں گا، اس وقت ابوجہل بھی پاس بیٹھا تھا کہنے لگا أَتَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یعنی کیا اعراض کرتے ہو قریش کی ملت سے؟ تو ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہنے لگے میرے بھتیجے! لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِيْ قُرَيْشٌ يَقُوْلُوْنَ مَا حَمَلَهُ عَلَيْهِ إِلَّا جَزَعُ الْمَوْتِ لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کردیتا مگر لوگ کہیں گے کہ ابوطالب نے عذاب کے ڈر سے اپنا دین چھوڑ دیا (فتح الباری: (دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت)؛ ج ۸ ص ۱۶۶)۔ غرض آخری کلمہ ان کی زبان سے یہ نکلا عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

غرض یہ عار کی بیماری وہ بلا ہے جس کی وجہ سے ابوطالب ایمان نہ لاسکے۔ پس اس کا علاج کرو، اور اس کا علاج وظیفوں کا پڑھنا نہیں ہے بلکہ عشق پیدا کرلو۔ یہ مرض اللہ تعالیٰ کے عشق سے ضرور جاتا رہے گا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص و عیب کلّی پاک شد

یعنی جس کو محبوبِ حقیقی کا عشق ہوجائے وہ حرص اور تمام نقائص اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک ہوجاتا ہے۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اے عشقِ حقیقی! خوش رہ، تُو میری ایسی اچھی بیماری ہے کہ تجھ سے تمام بیماریوں کا علاج ہوجاتا ہے یعنی اے عشق! تُو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اے عشق! تُو ہمارے لئے نخوت و ناموس کی دوا ہے، تو ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے۔اور فرماتے ہیں۔

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو وہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کردیتا ہے۔

تو ''لوگ کیا کہیں گے؟'' اس بیماری کا واحد علاج عشق ہے، مولیٰ سے عشق پیدا کرلو، جب دل میں عشق کا شعلہ روشن ہوگا تو صرف اللہ دل میں رہ جائے گا اور باقی سب بتوں کو جلا کر خاک کردے گا۔اپنی نخوت و ناموس کی بھی پرواہ نہ رہے گی، لوگوں کے طعن و تشنیع کی بھی پرواہ نہ ہوگی، پھر تو آدمی یہ سوچے گا کہ میرا مولیٰ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے، پھر یہ نہیں سوچے گا کہ مخلوق کس بات سے خوش اور ناراض ہوتی ہے۔

اللہ کا راستہ قیل وقال سے نہیں اتباعِ رہبر سے طے ہوتا ہے

۹؍رجب ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۲۱؍ستمبر ۱۹۶۹؁ء

(ایک صاحب جو قیل وقال، فلسفہ و منطق کی بحث و مباحثہ کے عادی ہیں،

ان سے فرمایا کہ) آپ نے اگر مٹھائیوں کی معلومات کر بھی لی لیکن مٹھائی کا مزہ جب آئے گا جب معلومات کو ماکولات بنالو گے (یعنی مٹھائی کھالو گے)۔ معلوم ہوا کہ معلومات مقصود نہیں معمولات مقصود ہیں یعنی عمل مقصود ہے۔ اور یہ عقل کے بھی خلاف ہے کہ مٹھائی تو سامنے رکھی ہے لیکن آپ اس کے اجزاء معلوم کر رہے ہوں کہ اس مٹھائی کو میں جب کھاؤں گا جب اس کے اجزاء کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں۔ ارے! مٹھائی کھانے میں اتنی دیر بھی کیوں کی؟ مٹھائی زبان پر رکھ کر دیکھتے تو فوراً مزہ آتا اور اس کے اجزاء بھی خود بخود معلوم ہوجاتے۔ معلومات میں وہ مزہ کہاں جو مٹھائی کے کھانے میں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو قیل و قال چھوڑ دو، عمل شروع کر دو، ذکر میں لگ جاؤ، کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرو اور اس کی تجویزات پر عمل کر کے دیکھو، پھر یہ سارے وساوس اور قیل و قال خود ختم ہوجائیں گے۔ ایسی لذتِ قرب حاصل ہوگی کہ پھر فلسفہ و منطق کا خیال بھی نہ آئے گا، پھر اختلافی مسائل بھی نظر نہ آئیں گے، پھر یہ وسوسہ بھی نہ آئے گا کہ نہ معلوم یہ راستہ اللہ تک پہنچتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ اس راستے کی لذت خود دلیل ہوگی کہ یہی اللہ کا راستہ ہے۔

مثال کے طور پر تم ایک سرسبز وشاداب باغ کی طرف بڑھ رہے ہو تو اگرچہ ابھی باغ سے دور ہو لیکن کیونکہ سمت صحیح ہے اس لئے اُدھر سے جو ہوائیں آئیں گی، وہ خوشبوئیں ساتھ لائیں گی، اور جتنا جتنا راستہ طے ہوتا جائے گا اور باغ کا قرب بڑھتا جائے گا اتنا ہی ہوائیں زیادہ مشکبار ہوتی جائیں گی۔ اس وقت دل خود گواہی دے گا کہ ہاں بھئی! ہم مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کیا اس وقت کسی فلسفی اور منطقی کو ڈھونڈو گے کہ فلسفہ و منطق کی رو سے باغ کا وجود ثابت کر دے تو مانوں گا؟ ارے میاں! اس وقت یہ قیل و قال یاد بھی نہیں آئیں گے۔ اس وقت روح پر ایسی مستی ہوگی جس کی لذتِ قرب کے آگے سارے فلسفے ہیچ ہوں گے، وہ لذتِ قرب

باغ کے وجود پر خود دلیل ہوگی۔ اسی طرح اللہ کا راستہ جوں جوں قطع ہوتا جاتا ہے لذتِ قرب بڑھتی جاتی ہے، پھر فلسفہ و منطق، دلائل و شواہد کی حاجت نہیں رہتی بلکہ یاد بھی نہیں آتے، پھر تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید از وے رو متاب

سورج کا طلوع ہونا خود سورج کے وجود کی دلیل ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے آفتاب کی دلیل پیش کرو کہ کہاں ہے؟ دوسرے نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منہ سورج کے سامنے کر دیا، آنکھیں سورج کی روشنی سے خیرہ ہوئیں تو منہ پھیرنے لگا، اس شخص نے کہا کہ اگر آفتاب نہیں ہے تو تُو منہ کیوں پھیر رہا ہے؟ یہ تیرا منہ پھیرنا یہی دلیلِ آفتاب ہے۔ اس لئے قیل وقال اور بحث ومباحثہ سے اللہ کا راستہ طے نہیں ہوتا، عمل سے طے ہوتا ہے۔ یہاں معلومات مقصود نہیں ہیں، معمولات مقصود ہیں۔ عمل شروع کر دو تو اللہ سے قریب ہوتے جاؤ گے ورنہ جہاں ہو وہیں کے وہیں رہو گے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آپ کو یہاں سے نارتھ ناظم آباد جانا ہو تو اگر آپ نے یہاں سے نارتھ ناظم آباد تک کا نقشہ بنوا کر سامنے رکھ لیا اور بحث ومباحثہ شروع کر دیا کہ فلاں سڑک سیدھی نارتھ ناظم آباد کو جاتی ہے اور فلاں سڑک کے وہاں تک پہنچنے میں اختلاف ہے اور یہاں سے وہاں تک کا فاصلہ کتنا ہے؟ اور کون سا راستہ مختصر ہے؟ تو کیا اس قیل وقال سے راستہ طے ہو جائے گا؟ جہاں بیٹھے ہو وہیں کے وہیں رہو گے۔ اگر وہاں تک پہنچنا تھا تو اس قیل وقال میں کیوں بے کار وقت ضائع کیا، فوراً کسی رہبر کے ساتھ راستہ چلنا شروع کر دیتے تو پہنچ جاتے۔ اسی طرح اللہ کا راستہ ہے جو شخص قیل وقال اور بحث ومباحثہ میں پڑے گا مقصود سے محروم رہے گا اور جو عمل شروع کر دے گا کامیاب ہو جائے گا، اور قیل وقال وہی کرتا ہے جو

دراصل عمل نہیں کرنا چاہتا۔ دوسری مثال: بعض دفعہ آسمان و زمین ملتے ہوئے نظر آتے ہیں اور آدمی سوچتا ہے کہ ایک حد ایسی ہے جہاں راستہ بند ہے تو یہ ایک وہمی چیز ہے، راستہ پر چلنا شروع کردو تو معلوم ہو جائے گا کہ زمین و آسمان میں کتنا فاصلہ ہے، اس وقت راستہ کھلا ہوا معلوم ہوگا اور سارے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

ایمانِ استدلالی اور ایمانِ تحقیقی کا فرق

ارشاد فرمایا کہ استدلالی ایمان نہایت بُودا ہوتا ہے۔ ایمانِ تحقیقی اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے، جس پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و منطق کے امام تھے، جب موت کا وقت آیا تو شیطان ان کے پاس پہنچ گیا کہ اللہ کے وجود پر تمہاری کیا دلیل ہے؟ جب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل پیش کی تو شیطان نے اسے توڑ دیا، دوسری دلیل پیش کی تو اسے بھی توڑ دیا، یہاں تک کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام دلیلوں کو شیطان نے توڑ دیا اور ان کا ایمان متزلزل ہونے لگا۔ ان کے شیخ جو وہاں موجود بھی نہیں تھے، بہت دور فاصلہ پر تھے، اُن کو اِن کی اس حالت کا کشف ہوگیا۔ انہوں نے اپنا لوٹا زمین پر پٹخا اور جوش میں فرمایا کہ اے فخر الدین رازی! یہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ کو بلا دلیل مانتا ہوں۔ شیخ کی کرامت سے امام رازی کو یہ آواز پہنچ گئی، انہوں نے شیطان کو یہی جواب دیا اور شیطان ان سے شکست کھا کر بھاگ گیا، اس طرح وہ بُرے خاتمے سے بچ گئے۔

اسی پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بدے
فخر رازی رازدارِ دیں بدے

اگر استدلال سے دین کا کام چلتا تو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ دین کے رازدار ہوتے۔

ماں کے کہنے سے باپ پر ایمان لے آتے ہو جو جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔ باپ کو بلا دلیل مان لیا اور اللہ کے وجود پر فلسفہ اور منطق کی دلیل تلاش کرتے ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانے پر اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ماں نے کہا کہ وہ تمہارے ابّا ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے ربّا ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدق و امانت کیا ماں کے صدق و امانت سے بھی کم تر ہے؟ تمہاری ماؤں کے ہزار صدق و امانت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدق و امانت پر قربان ہوں۔ رسول کی عظمت پر اللہ شاہد ہے، وہ معصوم ہوتا ہے۔

ارے! یہ فلسفہ و منطق محبت نہ دیں گے، یہ تو محض باتیں ہیں۔ عشق ہو تو عقلی دلیل کی ضرورت ہی نہ رہے۔ عقلِ کامل کا نام عشق ہے ؎

عقل از ابلیس و عشق از آدم است

جس کے اندر عشق نہیں ہے، اس کی عقل ناقص ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے عقل مند ہیں، دراصل ان کی عقل ہی ناقص ہے کیونکہ عقل کامل ہوتی ہے عشق سے۔ ابلیس کے پاس عقلِ کامل یعنی عشق نہیں تھا، اسی لئے اعتراض پیدا ہوا کہ:

﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ۱۲)

کہا میں کیوں سجدہ کروں؟ اور سجدہ کے حکم پر عقلی دلیل لایا کہ میں آگ کا ہوں اور یہ مٹی کا ہے، آگ مٹی سے افضل ہے۔ یہ عقل ہی تو راندۂ درگاہ کرتی ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے جب بھول ہوئی اور اس پر گرفت کی گئی تو فوراً اقرار کرلیا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ...الخ﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ۲۳)

عشق تو فوراً اقرارِ خطا کر لیتا ہے، وہ مَیں مَیں نہیں کرتا۔ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے وجود کو عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں دراصل ناقص العقل ہیں، ان کا

مقصد سمجھنا نہیں ہے بلکہ محض اعتراض کرنا ہے اور ایمان داروں کے ایمان کو تباہ کرنا ان کا مقصود ہے کہ ہماری ایسی باتیں سن کر وہ شبہ میں پڑ جائیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کی صحبت دین کو تباہ کرنے والی ہے۔ یہ آخر اپنی ماؤں سے کیوں نہیں کہتے کہ ثبوت پیش کرو کہ ہم اسی باپ کی اولاد ہیں جس کو تم بتاتی ہو۔ اس کے صدق وامانت پر تو ایسا یقینِ کامل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدق وامانت پر اتنا بھی یقین نہ ہو، یہ زوالِ ایمان نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ حالانکہ اگر عشق ہو تو کیا آدمی حقیقت سے آنکھ پھیر سکتا ہے؟ ہم تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سب سے بڑی دلیل اللہ کے وجود کی یہ ہمارے آنسو ہیں، یہ آنسو خود شہادت دیتے ہیں کہ ہم اس محبوبِ حقیقی کے فراق میں رو رہے ہیں۔ اگر یہ خیالی ہیں تو تم کسی خیالی محبوب کی یاد میں رو کر دِکھا دو اور اسی طرح بے چین رہ کر دِکھا دو جس طرح ہم اللہ کی تلاش میں بے چین رہتے ہیں؟ ہمارا ایمان استدلالی نہیں ہے کہ چونکہ اتنے بہت سے لوگ مسلمان ہیں اس لئے ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہ ''چونکہ'' اور ''اس لئے'' میرے ایمان کی بنیاد نہیں ہیں بلکہ میرے دل نے گواہی دی ہے کہ کوئی میرا خالق ہے۔ یہ زمین، آسمان، شمس، قمر، تارے، کس نے بنائے ہیں؟ کس کا ہاتھ وہاں گیا تھا؟ چمگادڑ کی طرح اندھیرے میں لٹکے ہوئے ہو اور پوچھتے ہو کہ آفتاب کہاں ہے؟ ارے! اس اندھیرے سے نکل کر آؤ، پھر آفتاب نظر آئے گا۔ ابھی تمہارے دل میں اندھیرا ہے، پہلے دل کو اللہ کے نور سے نورانی کرلو۔ کسی اللہ والے کے مشورے سے ۵۰۰ بار اللہ اللہ کرلیا کرو یا جتنی تعداد وہ تجویز کرے۔ اللہ کے نام کی برکت سے اور اللہ والے کی صحبت سے دل میں نور آجائے گا۔ پھر یہ اعتراضات کی پُڑیا تلاش کرتے پھروگے کہ کہاں گئی؟ دل کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھوگے ؎

چو سلطانِ عزت علم برکشد
جہاں سر بجیبِ عدم درکشد

جب اللہ کا نور دل میں آجائے گا تو خود ہی حقیقت روشن ہو جائے گی، پھر دلیل اور فلسفہ اور منطق تلاش نہیں کرو گے۔ پھر ایسا یقین پیدا ہوگا کہ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے اور میں اکیلا ہوں تو یہی کہوں گا کہ اے اللہ! اگرچہ دنیا کے سارے انسان آپ کا انکار کر رہے ہیں لیکن آپ کی رحمت کے بھروسہ پر، اپنے کمال سے نہیں، میں آپ کے کلمہ پر جان تو دے دوں گا مگر میرا دل آپ کے وجود پر گواہ ہی رہے گا، میں اس گواہی کا کبھی انکار نہ کروں گا۔

تین اشعار کی انوکھی تشریح

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تیغِ لَا در قتلِ غیرِ حق براند
در نگر آخر کہ بعدِ لَا چہ ماند
ماند اِلَّا اللہ باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

یعنی لا الٰہ کی تیغ، غیر اللہ کے ہلاک کرنے میں چلاؤ، لا الٰہ کے بعد دیکھو کہ کیا رہ گیا، الا اللہ باقی رہ گیا، باقی تمام فنا ہو گئے۔ اے عشقِ شرکت سوز! تجھ پر مرحبا کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیا۔ اور خود یہ عشق بھی وظیفوں سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ صحبتِ اہل اللہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دمادم شرابِ الم درکشند
وگر تلخ بینند دم برکشند

اللہ کے طالب ہر دم شرابِ غم پیئے جاتے ہیں اور اگر کڑوی لگ رہی ہو تو سانس روک کر پیئے جاتے ہیں۔ شرابِ غم اس لئے کہا کہ اللہ کے راستہ میں نفس سے مجاہدات کرانے پڑتے ہیں، آنکھوں کو نامحرموں کو دیکھنے سے روک رہا ہے،

دل، زبان اور کان کو روک رہا ہے، غلط جگہوں پر استعمال نہیں ہونے دیتا، اس کشمکش میں دل کو تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے اس کو شرابِ الم کہا ہے، اگر گھونٹ تلخ بھی محسوس ہوتا ہے تو بھی یہ اللہ کے طالب سانس روک کر اس گھونٹ کو پی جاتے ہیں۔

بندوں کی ارواح پر اللہ کی محبت کا فیضان

۱۹؍رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۲؍اکتوبر ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾

(سورۃ المآئدۃ: آیۃ ۵۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے اللہ بندے سے محبت کرتا ہے پھر بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ قرآنِ پاک کے الفاظ دیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو مقدم فرمایا کہ پہلے میں محبت کرتا ہوں پھر بندہ محبت کرتا ہے، بندوں کی محبت میری محبت کا پرتو ہے ورنہ بندے مجھ سے کیا محبت کریں گے اگر میری نظرِ عنایت ان کی روح پر نہ ہو۔ اللہ کی محبت کی مقناطیسی کشش ہر انسان کی روح میں ہے حتیٰ کہ کافر کی روح میں بھی ہے لیکن بس اس پر حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت نہیں ہے جو اس کی روح اللہ کی طرف نہیں کھینچتی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ دو پتھر ہوں جن میں مقناطیسی کشش تو ہو لیکن ایک دوسرے کے قریب نہ آئیں تو کروڑوں سال بھی اگر الگ پڑے رہیں تو ایک دوسرے سے نہیں لپٹ سکتے، اس کے برعکس اگر اپنی مقناطیسی قوت کا ادراک نہ بھی ہو لیکن جب قریب آجاتے ہیں تو زیادہ قوت والا مقناطیس کم قوت والے مقناطیس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اسی طرح روح کا معاملہ ہے، جس روح پر اللہ کا کرم خاص ہوتا ہے، اس کے سامنے اپنی محبت کا مقناطیس کر دیتے ہیں، جس سے وہ روح ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، اسے اپنا قرب نصیب فرما دیتے ہیں، اپنی نظرِ عنایت

اس پر ڈال دیتے ہیں، اپنی محبت کے مقناطیس سے اس کی روح کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، اگر اس مقناطیس کا قرب روحِ انسانی کو نصیب نہ ہو تو عمر گذر جائے اور قرب ومعیتِ الٰہیہ نصیب نہ ہو۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾

(سورۃ القصص: آیۃ ۵۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے (بیان القرآن) یعنی ہدایت مشیتِ الٰہیہ پر موقوف ہے، یہی حق تعالیٰ کی شانِ اجتباء ہے، فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

(سورۃ الشوریٰ: آیۃ ۱۳)

اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ سے اجتباء کا اپنی مشیت پر موقوف ہونا ظاہر فرما دیا کہ جس کو وہ چاہتے ہیں اسے اپنی طرف کھینچتے ہیں، پہلے وہ کھینچتے ہیں، پھر بندہ کھنچتا ہے۔ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ پہلے وہ بندے سے محبت کرتے ہیں، پھر بندہ ان سے محبت کرتا ہے۔ بس سارا معاملہ ان کی نظرِ عنایت پر موقوف ہے، ان کی عنایت وکرم پر نظر رکھنی چاہیے، اپنی کسی حالت پر ناز نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ حالت اور دل میں ان کی محبت انہی کی تو پیدا کردہ ہے۔ اگر وہ نہ چاہتے تو کس کی قوت تھی کہ ان کی طرف متوجہ ہوجاتا؟ پھر ناز کس بات پر کرے؟ یہ راستہ عجز ونیاز کا ہے، غرور وناز کا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ زندگی حاصل کرنے کا طریقہ

۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۳۱/ اگست ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ اگر گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت نہیں ہو رہی تو یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! میرے ظاہر وباطن کو ایسا بنا دیجئے کہ کل جب قیامت کے دن آپ کے

سامنے پیش ہوں تو آپ مجھ سے خوش ملیں اور اپنا چہرہ میری طرف سے نہ پھیریں:

((اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ (وفی روایۃ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ) اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْهَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۷ ص ۱۷۷، رقم ۱۹۶۳۹)

بہت سی جوانیاں ایسی ہیں جنہوں نے بڑھاپا نہیں دیکھا، پہلے ہی وفات پا گئے لہٰذا گناہوں کو چھوڑنے میں دیر نہ کرو، یہ نہ سوچو کہ ابھی بال کالے ہیں، ابھی موت نہیں آسکتی، ہر وقت موت کی تیاری میں لگے رہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط﴾

(سورۃ الملک: آیۃ ۲)

یہاں موت کو پہلے کیوں بیان کیا؟ جب کہ موت تو بعد میں آتی ہے۔ اس لئے کہ تمہاری زندگی، زندگی اسی وقت بنے گی کہ جب ہر وقت موت کو اپنے سر پر سوار رکھو، ہر سانس کو آخری سانس سمجھو۔ زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ۔ رواہ مسلم))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب الانذار والتحذیر، ص ۴۶۰)

اے فاطمہ! اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ دنیا کے امتحان میں تو وقت مقرر ہوتا ہے لیکن دینی امتحان کا وقت مقرر نہیں، جب تک زندگی ہے امتحان ہے، ہم ہر وقت امتحان میں ہیں، لہٰذا ہر وقت موت کے لئے تیار رہو۔ کسی کی کوئی امانت ہاتھ میں ہے تو بزرگوں نے سکھایا ہے کہ لکھ لو، لہٰذا لکھ کر رکھ لیا کہ فلاں کی امانت ہے۔ اسی طرح اگر قضا نمازیں باقی ہیں تو ادا کرنا شروع کر دیں، اس طرح نیت کی جائے گی کہ جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں ان میں سے آخری نماز ادا کرتا ہوں، اگر درمیان میں موت آگئی تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ فضل فرما کر بقیہ کو معاف فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی پسند کی زندگی کے لئے دعا

ارشاد فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو کہ یا اللہ! آپ کے نزدیک جو زندگی پسندیدہ ہے میری زندگی ویسی ہی بنا دیجئے۔ مسلمان کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ﴾

(سورۃ المؤمن: آیۃ ٦٠)

تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا (بیان القرآن)۔ اگر دل میں وسوسہ آئے کہ نامعلوم کیا حق ہے کیا نہیں؟ تو یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! جو زندگی آپ کو پسند ہو ویسی زندگی بنا دیجئے۔ ان شاء اللہ! وہی زندگی عطا ہوگی جس سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ راضی ملیں گے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

(شادی بیاہ کی رسموں اور فضول خرچی کے تذکرہ میں)

ارشاد فرمایا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے علماء کرام! اے مولوی حضرات! چار پیسے بچا کر رکھو تب ایمان سلامت رہے گا ورنہ امیر لوگ تمہیں ناک کا رومال بنالیں گے۔

غیر مقبول محبت

ارشاد فرمایا کہ اہلِ رسوم اور اہلِ ھویٰ کہتے ہیں کہ گانے بجانے سے عشق بڑھتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کوئی عشق اللہ کے یہاں مقبول نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں گانے بجانے کے آلات (جن کو آج کل ساز و موسیقی کے آلات کہا جاتا ہے) کو مٹانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ تو جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹانے کے لئے تشریف لائے وہ ذریعۂ قرب کیسے ہو سکتی ہے؟

مقامِ گریہ وزاری

ارشاد فرمایا کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند
میل ما را جانبِ زاری کند

اللہ تعالیٰ جس کی مدد کرنا چاہتے ہیں اور جس کو اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کا رُخ گریہ وزاری کی طرف پھیر دیتے ہیں کیونکہ یہ راستہ سوائے گڑگڑانے کے اور بغیر ہمت کے طے نہیں ہوتا اور اصل گریہ وزاری یہ ہے کہ دل روئے، دل کا رونا علامتِ عشقِ حقیقی ہے ؎

عاشقی پیداست از زاریٔ دل
نیست بیماری چو بیماریٔ دل

ان آنکھوں کے رونے سے عشق ظاہر نہیں ہوتا، عشقِ حقیقی تو دل کے رونے سے ظاہر ہوتا ہے۔ آنکھیں تو بہت رو رہی ہیں، دل روئے تو پتا چلے کہ عشق حاصل ہوگیا ہے، اور اس عشقِ حقیقی کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں کہ حیاتِ جاوداں اس سے حاصل ہوتی ہے۔

مجلسِ ذکر کی فضیلت

ارشاد فرمایا کہ جب بندے اللہ کی محبت میں اللہ کے ذکر کے لئے آپس میں ملتے ہیں تو چار نعمتیں عطا ہوتی ہیں:

(۱)......لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ اس ذکر کی مجلس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں۔

(۲)......وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

(۳)......وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ اطمینان وسکینہ ان پر نازل ہوتا ہے۔

(۴)......وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ اللہ اپنے مقرب فرشتوں سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔ (مشکوٰۃ: (قدیمی)؛ص۱۹۶)

محبت کی باتیں اہلِ محبت ہی سمجھ سکتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ سورۂ بینہ تم کو سناؤں۔ یہ سن کر ان کو وجد آ گیا اور جوشِ محبت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟

((اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَأَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ اٰللّٰہُ سَمَّانِیْ لَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؟ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَیْنَاهُ (وَفِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی) اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَأَ عَلَیْكَ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَ سَمَّانِیْ ؟ قَالَ اللّٰہُ سَمَّاكَ فَجَعَلَ اُبَیٌّ یَبْكِیْ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، کتاب فضائل القراٰن، ص ۱۹۰)

تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰہُ سَمَّاكَ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا ہے تو وہ فرطِ محبت سے رونے لگے۔ یہ محبت کی باتیں ہیں، اہلِ محبت ہی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

صحبتِ اہل اللہ سے فائدہ حاصل کرنے کی شرط

ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی اللہ والے کے پاس جائے گا ضرور فیضیاب ہوگا:

((هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، ج ۲ ص ۹۴۸)

لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ ہی کو حاصل کرنے کے لئے جائے اور اگر بالفرض اللہ کو حاصل کرنے کی نیت نہ ہو لیکن یہ نیت بھی نہ ہو کہ مجھے اللہ کو حاصل نہیں کرنا ہے یعنی خالی الذہن ہو تو وہ بھی شقی اور محروم نہیں رہ سکتا۔ ابو طالب کو اسی وجہ سے ہدایت نہیں ہوئی کہ اللہ انہیں مطلوب ہی نہیں تھا، اپنے خون کے رشتہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کر رہے تھے۔

دین کی روح ترکِ گناہ ہے

ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑی فقیری، سب سے بڑا دین، سب سے بڑا وظیفہ گناہوں کو چھوڑنا ہے، اللہ کو حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے، کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

(سورۃ الانفال: آیۃ ۳۴)

اللہ کے ولی صرف وہ بندے ہیں جو گناہوں سے بچتے ہیں، اور ذکر اللہ اس میں معین ہے۔ مجدد الملت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی میں ایک بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت! اللہ کی محبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ فرمایا کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر رگڑو۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ کیا ہوا؟ عرض کیا کہ ہتھیلیاں گرم ہوگئیں۔ فرمایا اَور رگڑو، تھوڑی دیر بعد حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت! ہتھیلیاں سخت گرم ہوگئیں، اب اَور رگڑا نہیں جاتا۔ ان بزرگ نے فرمایا اسی طرح اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ جب بندہ اللہ اللہ کرتا ہے تو دل پر رگڑ لگتی ہے یہاں تک کہ دل محبت سے بھر جاتا ہے اور جب محبت پیدا ہوگئی تو پھر گناہوں کو چھوڑنا آسان ہوجاتا ہے۔

تکثیرِ ذکر، تکمیلِ محبت کے لئے وسیلۂ کاملہ ہے

((مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، کتاب الفضائل والشمائل، ج۱۰ص ۴۹۸، رقم ۵۸۳۳)

تکثیرِ ذکر جس طرح محبتِ کاملہ کے لئے علامتِ لازمہ ہے، اسی طرح تکمیلِ محبت کے لئے تکثیرِ ذکر ہی وسیلۂ کاملہ ہے۔ تکرارِ ذکرِ بسیط کا اوقع فی النفس ہونا اور اِذَا تَکَرَّرَ تَقَرَّرَ سے رسوخِ نسبت کا حصول اولیائے امت سے علیٰ سبیلِ تواتر ثابت ہے۔

عجب وفخر سے بچنے کی ترغیب

ارشاد فرمایا کہ کسی چیز پر ناز نہ کرو، نہ اپنے علم پر، نہ اپنی عبادت پر، نہ اپنے آپ پر، حتیٰ کہ اپنے پیر پر بھی ناز مت کرو، بس اللہ پر بھروسہ رکھو ؎

تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر
یہ ترا رہرو خیالِ خام ہے

مضمونِ مفیدہ برائے حصولِ عبدیت وفنائیت

(مندرجہ ذیل مضمون احقر کے رجسٹر میں حضرت مرشدی دامت برکاتہم نے خود اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا۔ جامع)

جس بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے پورے درخت کا وہی نام ہوتا ہے، مثلاً ببول (مغیلاں) کے بیج کا درخت ببول کا درخت کہلائے گا اور خار ہائے مغیلاں کے اوصافِ لازمہ اس سے منفک (جدا) نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح انسانیت کا بیج مَآءٍ مَّھِیۡنٍ ہے۔ پس چھ فٹ کا مکمل انسان مَآءٍ مَّھِیۡنٍ کے اوصافِ لازمہ رذیلہ کا مجموعہ ہے۔ ذلیل پانی سے اچھے کام ہونا تو مستبعد تھا مگر حق تعالیٰ شانہ کی قدرتِ غالبہ کاملہ اپنی عطائے خصوصی سے خار سے گل اور معدنِ سیئات سے حسنات پیدا فرماتی ہے۔ پس حسنات کو فَمِنَ اللّٰہِ اور سیئات کو فَمِنۡ نَّفۡسِکَ سمجھنا اس مثال سے بہت ہی واضح ہو گیا۔ وَلَنِعۡمَ مَا قَالَ الۡعَارِفُ الرُّوۡمِیُّ:

از منی بودی منی را واگذار
اے ایاز! آں پوستیں را یاد دار

ترجمہ: اے سالک تو منی سے ہے پس توفیقاتِ الٰہیہ پر بجز شکر کے عجب و کبر کی انانیت کا تصور اور وہم بھی نہ کر۔ اے روحِ سالک! تُو مثل ایاز کے اپنی گدڑی کو جو روزِ اول ساتھ لایا تھا، یاد رکھ تا کہ عطائے شاہی تجھے فریبِ استحقاق نہ دے۔

اللہ کے خاص بندوں پر مصائب آنے کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ ؎

زر خالص در دل آتش خوش است

خالص سونا آگ میں اَور زیادہ نکھر جاتا ہے، جتنی آگ تیز ہوتی ہے اتنا ہی خالص سونا زیادہ نکھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو سب سے زیادہ تکلیفیں دی جاتی ہیں، یہاں تک کہ ان کے کلیجے منہ کو آجاتے ہیں حَتّٰی بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ کیوں؟ اس لئے کہ یہ سونا خالص ہے، آگ اس کو اَور نکھارے گی، اَور زیادہ قیمتی بنادے گی۔ آلام ومصیبت سے آرزوؤں کا خون ہوتا ہے اور آرزوؤں کے خون سے دل ٹوٹ جاتا ہے، اور حق تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں کہ ہم ٹوٹے ہوئے دلوں میں آجاتے ہیں۔ آرزوؤں اور تمناؤں کے خون سے دل تو تباہ ہوتا ہے لیکن اس دل میں کون مکین ہوتا ہے؟ میرا شعر ہے ؎

ہزار خونِ تمنا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

لہٰذا دل کو غم پہنچے تو غم نہ کرو بلکہ خوش ہوجاؤ کہ کوئی اس دل میں آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا غم اپنوں ہی کو دیتے ہیں، غیروں کو یہ نعمت نہیں دی جاتی۔ جیسے کوئی ماں باپ عقلمند تھے، انہوں نے سوچا کہ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی خوبصورت، ماہ پارہ سے کردیں گے تو ہمارا بچہ چوبیس گھنٹے اپنی بیوی ہی میں لگا رہے گا، ہمیں یاد بھی نہیں کرے گا، اس لئے اس کی شادی کسی درمیانی شکل وصورت والی سے کردو، جب اس کا دل اس میں زیادہ نہ لگے گا تو یہ ہمیں بھولے گا نہیں، ہمارے حقوق کا خیال رکھے گا۔ اسی طرح اللہ میاں اپنے خاص بندے کو دنیا کا رنگ وروپ زیادہ نہیں دیتے کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر ہم نے اس کو دنیا کا رنگ وروپ دے دیا اور اس کی آرزو کو پورا کردیا تو یہ نالائق ہمیں بھول جائے گا، سڑنے والی لاش میں

چوبیس گھنٹے لگا رہے گا۔ لہٰذا اس کو ایسی دنیا نہیں دیں گے کہ یہ ہمیں بھول جائے بلکہ دنیا میں اس کی آرزوؤں کا خون کریں گے، جب دل ٹوٹے گا تو یہ دوڑا ہوا ہمارے پاس آئے گا اور ہمارے ہی پاس رہے گا۔ دنیا میں رہے گا لیکن ہمارا ہو کے رہے گا۔ جب دنیا سے اس کا دل اُچاٹ ہوگا تو ہمارے بغیر اس کا دل کہیں نہ لگے گا۔ تو جس دل کو وہ اپنا بناتے ہیں اس کے ساتھ معاملہ کچھ اَور ہی ہوتا ہے۔

اللہ کی ولایت، وظائف وعبادات پر نہیں، تقویٰ پر موقوف ہے

۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۳۱؍ اگست ۱۹۶۹ء

(ایک صاحب نے تہجد کے متعلق دریافت کیا، اس پر فرمایا)

ارشاد فرمایا کہ تہجد سے تو انعامِ قرب ملتا ہے اور تہجد پڑھنا اچھی بات ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ہے نافرمانیوں سے بچنا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ فرمایا ہے یعنی ہماری ولایت تقویٰ پر موقوف ہے، تقویٰ ہی شرطِ ولایت ہے۔ تہجد، ذکر ونوافل تقویٰ کے حصول کے لئے معین ہیں، مقصود نہیں۔ یہ نہیں فرمایا اِنۡ اَوۡلِیَآئُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَہَجِّدُوۡنَ یا اِلَّا الۡمُتَنَفِّلُوۡنَ یا اِلَّا الذَّاکِرُوۡنَ وغیرہ۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ ایک شخص تہجد پڑھتا ہے، اشراق پڑھتا ہے، ذکر ونوافل کثرت سے کرتا ہے لیکن اس کی آنکھیں محفوظ نہیں ہیں، دل محفوظ نہیں ہے، کان محفوظ نہیں ہیں، زبان محفوظ نہیں ہے، یعنی قلب وجوارح سے گناہ صادر ہوجاتے ہیں، یہ شخص فاسق ہے اور ایک شخص ہے کہ تہجد، اشراق ووظیفہ کچھ نہیں پڑھتا لیکن اس نے اپنی آنکھوں کو، دل کو، زبان کو، کان کو اور ہاتھ پاؤں کو ایسا پابند بنالیا ہے کہ اس سے کوئی گناہ صادر ہی نہیں ہوتا، یہ شخص ولی ہے، کیونکہ ذکر وتہجد ونوافل وغیرہ تو انعام پانے کا ذریعہ ہیں اور انعام اس غلام کو ملتا ہے جو جوتے کھانے کے کام نہ کرے۔ غلام کو تو پہلے جوتا کھانے سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔ کوئی جوتے کھانے سے بچنے کا اہتمام تو نہ کرے لیکن انعام پانے کی فکر کرے تو

ایسا شخص بے وقوف ہے، کیا آقا ایسے غلام سے راضی ہوجائے گا؟ مثلاً ایک آقا اپنے غلام کے سپرد یہ کام کرے کہ فلاں کام کرنا اور فلاں کام کے قریب بھی نہ جانا۔ اس کی خاص ڈیوٹی تو یہی ہے لیکن وہ غلام اس ڈیوٹی کی تو فکر نہ کرے اور دوسرے نفل کام کرنے لگے، مثلاً سودا، ترکاری وغیرہ لائے، سر میں مالش کردے لیکن جو اصل کام سپرد کیا تھا اس سے غافل ہوجائے تو کیا ایسا غلام مقرب ہوجائے گا؟ اس غلام کو تو مالک جوتے مار کر نکال دے گا کہ تُو اصل ڈیوٹی کو چھوڑ کر ہمارا مقرب ہونا چاہتا ہے۔

تو گناہ سے بچنا قرآنِ پاک کی رو سے اللہ کی دوستی کے لئے شرط ہے۔ جو گناہوں سے نہیں بچتا وہ گویا جوتوں کا مستحق ہے۔ لہٰذا جوتوں سے بچنے کی فکر کرنا چاہیے، انعام پانا تو بڑے لوگوں کا کام ہے جو اللہ کی ناراضگی کے کام نہیں کرتے۔ تہجد و نوافل سے انعام ملتا ہے لیکن گناہوں کے صادر ہوتے ہوئے یہ سمجھنا کہ انعام مل جائے گا، یہ حماقت ہے۔ اگر کوئی تہجد و نوافل و ذکر تو کر رہا ہے لیکن جب تک ایک گناہِ کبیرہ بھی سرزد ہو رہا ہے تب تک یہ شخص اللہ کی ولایت سے محروم ہے۔ ہاں! ذکر و نوافل گناہوں سے بچنے کی ہمت پیدا کرتے ہیں، معین ہیں، مقصود نہیں ہیں۔ بہت سے پیر ہیں کہ خوب 'ھوحق' کراتے ہیں اور ضربیں لگاتے ہیں اور تہجد بھی پڑھ رہے ہیں لیکن آنکھوں کی حفاظت نہیں کرتے، غیبت کر لیتے ہیں، کینہ و بغض و حسد میں مبتلا ہیں، ایسا شخص تو فاسق ہے، ایسے کو ولی نہیں کہتے، متقی کو ولی کہتے ہیں۔ جس دن تمام کبیرہ گناہوں سے مکمل توبہ نصیب ہوجائے اور اس توبہ میں استقامت نصیب ہوجائے، اس دن سمجھنا کہ آج ولایت کی بنیاد پڑ گئی اور اس دن سے پہلے پہلے کمالِ ولایت حاصل نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ﴾

(سورۃ النجم: آیۃ ٣٢)

جولوگ بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں، ہاں کبھی کبھی چھوٹے گناہ صادر ہوجاتے ہیں، تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں لیکن محرمات یعنی کبیرہ گناہ تو بڑی چیز ہیں، ان کے شبہ سے بھی بچتے ہیں، اَلْمُتَّقِیُ مَنْ یَّتَّقِ الشُّبُهَاتِ یعنی متقی وہ ہے جو شبہُ گناہ سے بھی بچے، یہ ہے کمالِ تقویٰ۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب ریل میں سفر کرتا ہوں اور برابر سے کوئی دوسری ریل گذرتی ہے تو اس کی طرف نہیں دیکھتا، اس ڈر سے کہ کہیں کسی ڈبہ میں کوئی بے پردہ عورت بیٹھی ہو اور اس پر نظر پڑ جائے۔ بس نافرمانیوں سے بچنا چاہیے۔ اگر نافرمانیوں سے نہیں بچتے تو تہجد ذکر و نوافل سے مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

حقیقی ولایت کے لئے صورتِ اولیاء بنانا ضروری ہے

۳؍رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵؍ستمبر ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

بھیس بنانے کی ضرورت ہے تا کہ گدائے کوئے محبوبِ حقیقی ہو جائے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کرم کا تماشا یہ بھیس بنانے ہی سے نصیب ہوگا۔ اگرچہ ولی نہیں ہے لیکن ولیوں کا بھیس بنا کر اس گروہ میں شامل ہوگیا، اس پر بھی تماشائے اہلِ کرم نصیب ہوجانے کی امید ہے، ولایت سے نوازے جانے کی امید ہے۔ پھر گدائی کی حقیقت نصیب ہونے کے بعد یہ حال ہوگا۔

گدایان از بادشاہی نفور
بامیدش اندر گدائی صبور

ترجمہ: یہ گدا بادشاہی سے نفرت کرنے والے ہیں، اُس محبوبِ حقیقی کی امید میں یہ لوگ گدائی پر صبر کر کے بادشاہوں سے زیادہ مسرور ہیں۔

متبرک مقامات پر کفار کے تسلط کی اصل وجہ

۵/رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۷/ستمبر ۱۹۶۹ء

(مسجدِ اقصیٰ کی آتش زنی پر ایک صاحب کے سوال کے جواب میں)

ارشاد فرمایا کہ سینہ میں بھی ایک مسجد ہے یعنی دل جو اللہ کا گھر ہے، پہلے ہم نے اس مسجد پر یہودیوں یعنی نفس کی خواہشات کو قبضہ دیا ہے، پہلے ہم نے مسجدِ اقصائے دل کو آگ لگائی ہے، تب زمین کی مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگی ہے۔ اگر ہم پہلے ہی سے اس مسجدِ اقصائے دل کی حفاظت کرتے تو کس کی مجال تھی کہ زمین کی مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگا سکتا؟ اللہ کے لئے حفاظت کرنا کیا مشکل تھا لیکن کیونکہ ہمیں آزمانے کے لئے اپنے گھر کی حفاظت ظاہراً ہمارے ذمہ کی اور ہم نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی، اس وجہ سے ہماری پکڑ ہوگی۔

اب بعض مسلمانوں کے ایمان متزلزل ہو رہے ہیں کہ مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگ گئی اور اللہ پاک نے اپنے گھر کی حفاظت نہ کی، اس نے یہودیوں کو کیوں نہ جلا دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کعبہ بھی تو اللہ کا گھر ہے لیکن پھر بھی تین سو ساٹھ بت کعبہ میں تھے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزمانے کے لئے اپنے گھر کی حفاظت ہمارے ذمہ کی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، وہ اپنے گھر کی حفاظت کے لئے کافی ہے لیکن وہ ہمیں آزماتا ہے کہ میرے گھر کا انہیں کتنا خیال رہتا ہے اور میری عظمت کے حقوق یہ کتنے ادا کرتے ہیں؟ جب اللہ کے حقوق ہم اپنی غفلت اور سرکشی سے ادا نہیں کرتے اور ظاہری اور باطنی نافرمانیوں میں حد سے گذر جاتے ہیں، تو سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت ہٹا لیتے ہیں ورنہ دشمن کی کیا مجال تھی کہ وہ مسجد پر قبضہ کر سکتا۔

حزنِ مفرط (حد سے زیادہ غم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا

۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۴؍اگست ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو حزنِ مفرط نہیں دیتے، یعنی حد سے زیادہ غم نہیں دیتے، حزنِ مفرط ہم اپنی نادانی اور نالائقی سے بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُتنا ہی غم دیتے ہیں جو اس کے لئے مفید ہو اور اس کے تعلق مع اللہ کے اضافہ میں معین ہو لیکن اپنی نادانی سے ہم اس زخم کو بڑھا لیتے ہیں۔ زخم پر گدھا جتنی دولتّی چلاتا ہے زخم اَور بڑھ جاتا ہے، اور اگر دولتّی نہ چلاتا تو زخم بھر جاتا۔ اسی طرح ہم غم کی بات کو بار بار یاد کر کے اس غم کو اَور بڑھا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت ایسی بنائی ہے کہ تین دن تک غم شدید رہتا ہے، تین دن کے بعد رفتہ رفتہ کم ہونے لگتا ہے۔ اسی لئے کسی کا انتقال ہو جائے تو تین دن تک تعزیت سنت ہے، تین دن کے بعد منع ہے اور یہ حکم اسی لئے ہے تاکہ غم تازہ نہ ہو۔ بے صبری اور ترکِ معمولات وغیرہ سے حزن اَور بڑھ جاتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ غم کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور تعلق بڑھانے کے لئے دی تھی، ہم نے بے صبری سے اس کی ناقدری کر کے اس کو ضائع کر دیا۔

فانی فی اللہ شیخ سے استفادہ کے لئے فانی فی الشیخ ہونا ضروری ہے

ارشاد فرمایا کہ جو شیخ فانی فی اللہ ہوتا ہے اس کا رہن سہن بالکل عام آدمیوں جیسا ہو جاتا ہے، اس کو پہچاننا بڑے عالی ظرف اور سمجھدار آدمی کا کام ہے، ورنہ عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ان میں کوئی خاص بات نہیں، یہ تو ہم جیسے ہی ہیں، حالانکہ وہ سینہ میں نسبت مع اللہ کا خزانہ لئے ہوئے ہوتا ہے، بادشاہ بھی اس کے سامنے کیا بیچتے ہیں۔ بادشاہوں کے پاس رہنا آسان ہے کیونکہ اگر بادشاہ ناراض ہو گیا تو زیادہ سے زیادہ جان لے لے گا لیکن اگر شیخِ کامل کو تکدر ہو گیا تو ایمان کا خطرہ ہے، آخرت کے تباہ

ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس کے ہنسنے بولنے سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ ہمارے دوست ہو گئے، جو فانی فی اللہ ہو اس سے تو اَور زیادہ ڈرنا چاہیے۔ جو شیخ کہ اپنے کو فنا کئے ہوتا ہے وہ سادہ ہوتا ہے، اپنے آپ کو بنائے ٹھنائے نہیں رکھتا، کیونکہ اس کے دل میں صرف اللہ کی عظمت ہوتی ہے، اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اس کے پاس ہر وقت رہنے والے کو اَور ڈرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو شیخ کے تکدر کا باعث ہو جائے، اس سے نفع لینا بڑے عالی ظرف کا کام ہے۔ کم ظرف تو یہ سمجھ لے گا کہ یہ میرا دوست ہو گیا، برابری کا معاملہ کرنے لگے گا، ایسے شخص کو تو سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے بلکہ سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ کم ظرف کا یہاں گذر نہیں، کیونکہ کم ظرف اس کو پہچان نہیں سکتا، وہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس شیخ کی حیلولتِ نفس تجلیاتِ الٰہیہ کے محاذات سے بالکل ہٹ چکی ہے، وہ بدرِ کامل ہے۔ اگر باادب رہو گے تو تمہارے قلب کو بدرِ کامل بنا دے گا لیکن اگر قلب مکدر ہو گیا تو تباہی بھی چھوٹی موٹی نہیں ہو گی بلکہ زبردست ہو گی۔ بس پھر اس کا کہیں ٹھکانہ نہیں، خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ (کا مصداق) ہو جائے گا، کیونکہ اس کا غضب دراصل اللہ کا غضب ہے۔ دراصل اللہ کی نگاہ پھر گئی ہے جب شیخ کی نگاہ پھر گئی۔

اس لئے شیخ کی صحبت میں ہر وقت رہنے والے کو ڈرتے رہنا چاہیے اور اللہ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عالی ظرفی عطا فرما دیں اور اپنے راستے کی سمجھ عطا فرما دیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان شیخ کی عظمت قلب سے نکال دے کہ یہ تو معمولی آدمی ہیں۔ اگر کبھی یہ وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ مانگو کہ اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! آپ کے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متبع، نائبِ رسول شیخ کے برابر دنیا میں کسی شخصیت کی عظمت اور محبت میرے دل میں نہ ہو۔ اور شیخ کی محبت پر عظمت کو غالب رکھنا چاہیے، اگر اٹھانوے ڈگری محبت ہے تو ننانوے ڈگری قلب میں عظمت ہو۔ اگر محبت عظمت پر غالب ہو گئی اور قلب سے عظمت نکل گئی تو

سمجھ لو کہ شیطان نے راستہ مار دیا۔ اب شیخ حکم دے گا کہ بدنگاہی کا جرمانہ چار رکعات نفل ہے لیکن عظمت نہ ہونے کے وجہ سے کم ظرف اور بے وقوف مرید اس کے حکم کی پابندی نہ کرے گا کہ یہ کیا ہے! کوئی شیخ دیکھ تھوڑی رہے ہیں؟ اور جس کے دل میں عظمت ہوگی اگر شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے گا تو کہے گا کہ شیخ نہیں دیکھ رہا، اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے، وہ سمجھے گا کہ میرا شیخ متبع سنت، متبع شریعت ہے، اس کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے نیک بندے کے دل میں میرے امراض کا علاج اِلقاء فرمایا ہے۔ اس لئے وہ اپنے شیخ کی ہر بات پر جان قربان کرے گا۔ اگر شیخ حکم دے گا کہ فلاں سے دوستی مت کرو، فلاں شخص سے دشمنی مت رکھو تو جو عاشق ہوگا وہ کہے گا کہ یہ تو معمولی بات ہے، آپ اگر جان قربان کرنے کے لئے بھی کہیں گے تو ان شاء اللہ جان دے دوں گا۔ اس راستے میں کامیابی اسی شخص کو ملتی ہے جو فنا فی الشیخ ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ عمل عظمت ہی سے ہوتا ہے، صرف محبت سے بھی کام نہیں چلتا، محبت پر عظمت غالب ہو تب کام چلتا ہے، تب اطلاعِ حالات اور اتباعِ تجویزات کی توفیق ہوتی ہے، جو اصلاح کے لئے اصل چیز ہے۔ شیخ کو اپنے حال کی اطلاع کرنا چاہیے اور اس کے حکم کی فوراً اتباع کرنا چاہیے، یہ نہ سوچے کہ یہ کیسے کروں؟ اور اگر اتباع نہ ہو رہی ہو تو بھی اطلاع کرے، اس کی برکت سے عمل کی توفیق ہوجائے گی، اور جس نے اطلاع اور اتباع نہ کی وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

منہ پھلا کر بیٹھنے والوں سے تو مریدین خود ہی ڈر جاتے ہیں لیکن جو اپنے کو اللہ میں فنا کئے ہوتا ہے، ہنستا بولتا بھی ہے، تفریح بھی کرتا ہے اس سے نفع اٹھانا بڑے دل گردے اور بڑے عالی ظرف کا کام ہے۔ جو بادشاہ کا مقرب ہوتا ہے وہ اَور زیادہ ڈرتا ہے کہ کہیں کوئی بات خلافِ مرضئ شاہ نہ ہوجائے اور اگر بادشاہ شفیق بھی ہو، زیادہ رعب داب نہ کرتا ہو اور کوئی نادان یوں سمجھ لے کہ بادشاہ تو اَب

میری برابری کا ہوگیا، دوست ہوگیا، وہ شخص ایک دن راندۂ درگاہ ہوجائے گا۔ شیخ کی عظمت کے سامنے بادشاہ کی عظمت کیا چیز ہے؟ لہٰذا فانی فی اللہ شیخ سے نفع اٹھانا صرف عالی ظرف لوگوں کا کام ہے، کم ظرف تو اس کے پاس تباہ ہوجائے گا۔

یا مکن با پیل باناں دوستی
یا بناکن خانہ بر اندازِ پیل

یا تو ہاتھی بان سے دوستی مت کرو یا اپنے گھر کو ہاتھی کے برابر بناؤ، کیونکہ جب وہ آئے گا تو ہاتھی پر بیٹھ کر آئے گا۔ لہٰذا اگر شیخ سے تعلق کرنا ہے تو اپنے قلب کو وسیع کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ظرف مانگو کہ اے اللہ! جب آپ نے اپنے ایک ایسے (اپنی ذاتِ گرامی میں) فانی بندے سے تعلق کی توفیق بخشی ہے تو ان کی صحبت کا ادب اور عالی ظرفی بھی عطا فرما دیجئے، ایسا نہ ہو کہ شیطان اس کی عظمت میرے قلب سے نکال کر میرا راستہ مار دے۔ بس اللہ سے مانگتے رہو۔

جو عالی ظرف آئے گا اور کچھ دن ساتھ رہ لے گا پھر وہ بھی بدرِ کامل ہوکر جائے گا۔ ایسا عظیم نفع بھی کہیں اَور نہیں ہوگا کیونکہ جس نے اپنے نفس کو بالکل مٹا دیا ہے اور اس کے قلب کا پورا دائرہ اللہ کے نور سے روشن ہے، جیسے زمین جب چاند کے درمیان سے بالکل ہٹ جاتی ہے تو سورج کے نور سے چاند روشن ہوجاتا ہے، ایسے ہی شیخ کے نفس کی زمین تجلیاتِ حق اور اس کے قلب کے درمیان سے بالکل ہٹ گئی ہے جس سے اس کا قلب اللہ کے نور سے بدرِ کامل ہوگیا ہے تو اس بدرِ کامل کا نور طالب کے قلب کو بھی مکمل روشن کردے گا اور طالب کو مقامِ صدیقیت تک پہنچا دے گا۔

سالک کو محروم کرنے کا ایک شیطانی حربہ اور اس کا توڑ

اب اگر کوئی نادان مرید ڈرنے لگے کہ جہاں نفع اتنا عظیم ہے وہاں خطرہ بھی عظیم ہے تو شیخ کے پاس نہ جانا ہی بہتر ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا نبی سے

بڑھ کر کوئی ولی ہوسکتا ہے؟ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی یہی سوچ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ رہتے تو ابوبکر، صدیقِ اکبر کیسے بنتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عظمت جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب میں تھی، اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت نے انہیں صدیقِ اکبر بنادیا حالانکہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہتے تھے، اپنی بیٹی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں دے دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان و مال قربان کرتے تھے لیکن اس کے باوجود لرزہ براندام رہتے تھے کہ کہیں کوئی بات ایسی سرزد نہ ہوجائے جو خلافِ شانِ نبوت ہو۔ اگر وہ یوں سوچتے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت احسانات کئے ہیں، ان کو میرا خیال رکھنا چاہیے، میری عظمت ان کے قلب میں ہوگئی ہوگی، اب تو میرا اور ان کا دوستی کا تعلق ہوگیا ہے، میرے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام نہیں چلے گا تو کیا صدیقِ اکبر بن سکتے تھے؟ بلکہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تباہ ہوجاتے۔

آج کل تو اگر شیخ کسی مرید کے مکان پر دو ایک بار چلا جائے تو مرید کا دماغ خراب ہوجائے۔ نہ جانے کیا کیا سوچ لے کہ اب میں شیخ کی نظر میں چڑھ گیا ہوں، کوئی مرید میرے برابر نہیں ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر صبح شام صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے تھے لیکن صدیقِ اکبر کی فنائیت میں ذرہ برابر کمی نہ آئی۔ وہ تو یہی جانتے تھے کہ حضور اپنی شانِ اعلیٰ سے نزول کر کے ادنیٰ کی طرف آرہے ہیں، حتیٰ کہ جب ہجرت کا حکم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر معمولی طور پر دوپہر کے وقت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ نہ معلوم کیا بات ہے جو آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معمول کے خلاف دوسرے وقت تشریف لائے۔ دیکھو یہ ہے شیخ کی عظمت۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس وقت کیسے تشریف لانا ہوا؟ فرمایا کہ تمہاری آرزو پوری ہوگئی، ہجرت کا حکم آگیا ہے، میرے اور تمہارے لئے حکم ہوا ہے۔ کیا مقام تھا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی نہیں

جائے گا سوائے صدیق کے، اللہ کا رسول ہوگا اور رسول کا صدیق ہوگا۔

پھر غارِ ثور میں جب کافر تلاش کرتے ہوئے پہنچے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اب تو یہ لوگ ہمیں پکڑ لیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ﴾

(سورۃ التوبۃ: آیۃ ٤٠)

تم کچھ غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن قیامت تک کے لئے یہ شہادت دے رہا ہے کہ اس مَعَنَا میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ یہ مقامِ قرب حاصل ہوا حضرت صدیق کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ ''میرے'' ساتھ ہے بلکہ فرمایا اللہ ''ہمارے'' ساتھ ہے یعنی جیسا اللہ رسول کے ساتھ ہے ویسا ہی صدیق کے ساتھ ہے۔ اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم جب دریا کے کنارے تھی اور فرعون کو آتے دیکھا تو کہا کہ فرعون اب ہمیں پکڑ لے گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تھا:

﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ﴾

(سورۃ الشعرآء: آیۃ ٦٢)

کہ اللہ میرے ساتھ ہے، یعنی ان کی قوم اس قابل نہیں تھی کہ اللہ کی معیت کی مصداق ہوسکتی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک امتی کو وہ مقامِ قرب حاصل ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے انہوں نے اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا۔ حکم کیا معنی؟ نظر کا اشارہ دیکھتے تھے کہ کیا ہے؟ پھر دنیا کی کوئی طاقت اس حکم کی تعمیل سے ان کو ہٹا نہ سکتی تھی۔ اس میں تعلیم ہے کہ بس شیخ کی عظمت قلب میں بڑھتی رہے۔ اس کے ہنسنے بولنے سے یہ مت سمجھ لو کہ یہ ہمارے دوست ہو گئے۔ میرے شیخ بعض دفعہ اس قدر ہنساتے تھے

کہ پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے لیکن الحمدللہ! میرے دل میں شیخ کی عظمت میں کبھی ذرہ برابر فرق نہیں آیا بلکہ ہروقت ہوشیار رہتا تھا۔ دماغ کو حاضر رکھتا تھا اور اللہ سے دعا مانگتا رہتا تھا کہ اے اللہ! جب آپ نے توفیق دی ہے تو اپنے راستے کی فہم عطا فرما دیجئے، عالی ظرفی عطا فرما دیجئے اور تکدرِ قلبِ شیخ سے محفوظ فرمائیے۔

اس لئے اس پر نہ جاؤ کہ یہ تو ہنستے بولتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں۔ اپنے شیخ کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اس کی روح جس مقامِ قرب پر ہے اور اس کے قلب میں جو نعمت ہے تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ وہ بے جا شدت کیوں کرے؟ ہاں! اگر خلافِ شریعت کوئی بات کرو گے تو پھر اس کی آنکھوں کے تیور دیکھنا، پھر وہ معاف نہیں کرے گا، کیونکہ پہلے وہ اللہ کا ہے پھر کسی اور کا ہے۔ یہ دنیا دار پیر نہیں جو مریدوں کو کوئی روک ٹوک نہیں کرتے۔ بس کسی نے سو کا نوٹ دے دیا، ساری خطائیں معاف کر دیں۔ جو اللہ والا ہوتا ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں ہوتی، چاہے ایک مرید نہ ہو۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء اور حرصِ دینی

میں تو کہتا ہوں کہ جتنے مرید ہیں مجھے سب چھوڑ دیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، بس میرا اللہ مجھ سے راضی رہے۔ جسے سو دفعہ غرض پڑی ہو وہ آئے اور اپنی اصلاح کرائے۔ ہمیں تم سے پیسہ نہیں چاہیے جو ہم تمہاری خوشامد کریں، نفع تمہارا ہے میرا نہیں ہے۔ ہاں! میرا بالواسطہ نفع ہے کہ کوئی بندہ اگر اللہ والا بن گیا تو قیامت تک کے لئے صدقۂ جاریہ بن جائے گا، اس لئے تو حریص ہوں لیکن الحمدللہ! اور کوئی غرض نہیں۔

پس یہ راستہ بہت لذیذ ہے اور بہت نازک بھی۔ اللہ والوں کو غیرت ہوتی ہے، اگر انہیں ظاہر ہو جائے یا منکشف ہو جائے کہ کسی طالب کے دل میں اب عظمت نہیں رہی تو پہلے ہی اس کو اپنے سے دور کر دیتے ہیں یا اگر کوئی ان سے استغناء

برتتا ہے تو وہ اس سے پہلے مستغنی ہوجاتے ہیں۔ تمہاری خواہش تو وہ کرے جس کے دل میں دنیا ہو اور جس کے دل میں صرف اللہ ہوگا، وہ بھلا کسی اور کی طرف کیوں توجہ کرے گا۔ انہیں لالچ تو ہے نہیں کہ مریدوں کی تعداد بڑھے۔

اس لئے ایک صاحب جنہوں نے شروع میں بڑی محبت کا اظہار کیا کہ مجھے آپ سے بہت مناسبت ہے لیکن بعد میں کسی اور جگہ بھی جانے لگے تو شیخ کو غیرت آتی ہے، اگر اسے احساس ہوجائے کہ طالب میرے علاوہ دُزدیدہ نگاہی سے کسی اور کی طرف بھی دیکھ رہا ہے تو اس کی غیرت جوش میں آجاتی ہے۔ جہاں مناسبت ہے وہاں جاؤ، وہیں نفع ہوگا۔ یہاں کیوں آئے تھے؟ لہٰذا میں نے ان سے تنہائی میں کہہ دیا کہ اب آپ میرے درس میں شرکت نہ کیا کریں۔ کوئی دنیادار ہوتا تو کہتا کہ چلو آتے ہیں تو آنے دو، نہ آنے سے تو بہتر ہے، کبھی کبھی نذرانہ بھی مل ہی جایا کرے گا لیکن جو یہ چاہے گا کہ طالب اللہ والا بن جائے اور رنگ راسخ ہوجائے تو وہ طریق کے خلاف کوئی بات نہیں بتا سکتا۔ جو بزرگوں کا قاعدہ ہے کہ ایک در کو پکڑو اور محکم یعنی مضبوطی سے پکڑو، اس کے خلاف وہی کرے گا جس کے دل میں صرف اللہ نہیں بلکہ دنیا بھی گھس گئی ہے۔

شاتمِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا قطع تعلق

الحمدللہ! میں جس سے تعلق رکھتا ہوں صرف اللہ کے لئے رکھتا ہوں اور اللہ ہی کے لئے تعلق توڑتا ہوں، جہاں ایسا کرنا فرض ہوتا ہے۔ جیسے کل ایک شخص کے آٹھ سال کے تعلقات ختم ہوگئے، میں اسے گذشتہ دو سال سے سمجھا رہا تھا، امید کرتا تھا کہ اصلاح ہوجائے گی۔ وہ علماء کو بُرا کہا کرتے تھے۔ کل بھی انہوں نے یہی کہا کہ علماء فلاں شخصیت کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟ حالانکہ اس کی بہت بڑی سیاسی جماعت بھی ہے جس سے وہ شخص دین کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ اس پر

تنقید کرنے سے بیکار اختلاف پیدا ہوتا ہے، آپس میں نفاق نہ ہونا چاہیے۔ میں نے ان سے کہا اگر کراچی میں کوئی ڈاکٹر سنکی ہو جائے یعنی دماغی توازن صحیح نہ رہے اور مطب کھولے ہوئے ہو اور کراچی کے دوسرے ڈاکٹر متفقہ طور پر ایک پریس نوٹ میں اعلان کریں کہ فلاں ڈاکٹر سے ہوشیار رہیں، تو اس معاملے میں آپ ڈاکٹروں پر اعتراض کیوں نہیں کرتے کہ ڈاکٹروں کی جماعت یہ کیا کر رہی ہے؟ اس سے آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی بلکہ وہاں تعریف کرتے ہیں کہ ڈاکٹروں نے احساسِ ذمہ داری کا بڑا ثبوت دیا اور ہمیں آگاہ کر دیا، جس کی وجہ سے ہم ضرر سے محفوظ ہو گئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل میں بدن کی اہمیت ہے، ہم اپنے جسم کو ضرر سے بچانا چاہتے ہیں، اس لئے ڈاکٹروں کی بات کا اعتبار کرتے ہیں اور روح کی ہمارے دل و دماغ میں کوئی اہمیت نہیں، اس کے نفع و ضرر کا ہمیں کوئی خیال نہیں۔ اس لئے تمام علماء ایک شخص کے خلاف جب اعلان کرتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہتے کہ علماء نے بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا اور ہمیں گمراہی سے بچالیا، ورنہ عذابِ دوزخ میں مبتلا ہو جاتے بلکہ روح کی فکر نہ ہونے اور روح کے ضرر کو ضرر نہ سمجھنے کی وجہ سے علماء کے اعتراض پر ہمیں یہ باتیں سوجھتی ہیں کہ علماء آپس میں پھوٹ ڈال رہے ہیں، حالانکہ وہ شخص عالم بھی نہیں ہے اور لوگ اس کو مولانا کہتے ہیں......میاں! آپ ایک غیر عالم کو عالم کا درجہ دے رہے ہیں بلکہ اسے علماء سے زیادہ سمجھ رہے ہیں۔ کسی نقلی ڈاکٹر کو ڈاکٹر کیوں نہیں سمجھتے؟

پھر میں نے ان سے کہا کہ علماء اس لئے اس شخص کے خلاف ہیں کہ اس نے صحابہ کو ہدفِ ملامت بنایا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار ساتھی ہوں اور قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ جن کی مدح و ستائش بیان فرما رہے ہوں، ان کو ایک شخص گالیاں دینے لگے تو کیا ایسے وقت خاموش رہا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا لیکن میرے دل میں تو اس کی محبت معلوم ہوتی ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ بس تو پھر

آج سے میرے اور آپ کے تعلقات ختم۔ اب آپ مجھے کبھی اپنی صورت نہ دکھائیں اور نہ میرے جنازے میں شریک ہوں۔ میں یہ وصیت کر جاؤں گا کہ اس شخص کو جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دشمنی رکھنے والے کو دوست رکھتا ہے، میرے جنازے میں شریک نہ ہونے دیا جائے۔ اب آپ سے محبت و تعلق رکھنا میرے لئے جائز نہیں، اب مجھے اللہ کی پکڑ کا ڈر ہے کیونکہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔ کیا کوئی دوست یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے دشمن سے دوستی کی جائے؟ اب آپ چاہے مجھے گالیاں دیں، لوگوں میں برا بھلا کہیں، مجھے کوئی پرواہ نہیں، بس میرا اللہ مجھ سے راضی رہے۔ اللہ نے مخلوق سے نظر اٹھا دی ہے، یہ ان کی توفیق ہے میرا کمال نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات کی وجہ کیا تھی؟

آج کل ان مسٹروں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا جیسا سمجھ لیا ہے کہ ان کے مشاجرات پر تبصرے کرتے ہیں اور بدگمان ہوتے ہیں، حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اپنے نفس کے لئے نہیں تھے بلکہ اللہ کے لئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کے قلب کو ایسا تعلق مع اللہ نصیب ہو گیا تھا کہ ان کے قلب کی نظر ہر وقت مولیٰ کی نظر پر رہتی تھی۔ اگر کسی صحابی کو اپنے اجتہاد سے یہ یقین ہو گیا کہ فلاں صحابی سے غلطی ہوئی ہے اور اگر میں نے اس کا رَد نہ کیا تو میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا، بس پھر نہ اپنی جان کی پرواہ رہی، نہ دوسرے صحابی کی پرواہ رہی اور دوسرے نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اس صحابی سے غلطی ہوئی ہے اور اللہ کی رضا اس میں نہیں ہے، اگر میں نے اس کے خلاف کیا تو میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا، اس لئے وہ بھی اپنی جان سے اور دوسرے کی جان سے بے خبر ہو گئے، کیونکہ ان کی نظر صرف رضائے الٰہی پر تھی۔ اس لئے جتنے بھی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں سب ایمان ہی ایمان ہے، خواہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہوں یا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوں۔ یہ تو ان کے جوشِ ایمانی کی دلیل ہے۔ ان کا ایمان ہماری طرح ضعیف نہ تھا کہ منکرات کو دیکھ کر خاموش ہو جاتے کہ ہم کیوں بولیں؟ ہم تلوار اٹھا کر کیوں اپنی جان خطرہ میں ڈالیں؟ ہم ہوتے تو دس بہانے کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان ایسے نہ تھے، وہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ وہ مشاجرات کیونکہ صرف اللہ کے لئے تھے اس لئے دونوں انعامِ قرب سے نوازے جائیں گے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دو شہزادے ہوں، ایک کہتا ہو کہ میرا باپ یعنی بادشاہ اس بات سے خوش ہوگا۔ دوسرا شہزادہ اس کے خلاف کہہ رہا ہو کہ نہیں! میرا باپ اس بات سے خوش نہیں ہوگا بلکہ فلاں بات سے خوش ہوگا۔ اس پر دونوں لڑ پڑیں، جب بادشاہ کو معلوم ہوگا تو بادشاہ دونوں کو اپنا قرب عطا کرے گا اور انعام دے گا، کیونکہ وہ کہے گا کہ یہ دونوں مجھے خوش کرنے کے لئے لڑے تھے، اپنے نفس کی وجہ سے نہیں لڑے، انہیں میری رضا اور خوشی منظور تھی۔ ایسے ہی مشاجراتِ صحابہ صرف اللہ کو خوش کرنے کے لئے تھے، اپنے نفس کے لئے نہیں تھے، اس لئے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرب عطا ہوا اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم ملے گا۔

صبر کی تین قسمیں اور ان کے جدا جدا احکام

۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ر اگست ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱)...... اَلصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ: اس کے تین حکم ہیں۔

(الف) عبادت سے پہلے نیت میں اخلاص پیدا کرنا۔

(ب) عبادت میں دل کو حاضر رکھنا۔

(ج) عبادت کے بعد اس کا ظاہر نہ کرنا۔

(۲) ......اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِیْبَۃِ: اس کے بھی تین حکم ہیں۔

(الف) مصیبت کی حالت میں دل کو اللہ سے راضی رکھنا۔

(ب) معمولات کی پابندی رکھنا۔

(ج) حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری رعایت کرنا۔

(۳) ......اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ: اس کے دو حکم ہیں۔

(الف) معصیت کے تقاضے کو برداشت کرنا اور اس تقاضے پر عمل نہ کرنا۔

(ب) گناہ سے بچنے میں نفس کو جو تکلیف بھی ہو، اس کو اُٹھالینا۔

حیاتِ عارضی کے مجاہدات سے روح میں چراغِ اَبدی روشن کرنے کی ترغیب

۴؍جمادی الاولیٰ ۸۹؁۱۳ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۱۹۶۹؁ء

ارشاد فرمایا کہ میرے دوستو! اُس دن اور اُس گھڑی کو یاد کرو کہ موت کے وقت ہمارے منہ میں زبان ہوگی لیکن اس وقت ہم بے زبان ہوں گے۔ تصور کرو کہ مردہ سامنے ہے، اس کے منہ میں زبان تو ہے لیکن وہ بے زبان ہے، ایک دفعہ بھی اللہ اور سبحان اللہ نہیں کہہ سکتا۔ پس اس وقت کے آنے سے پہلے اس زبان سے خوب اللہ کو یاد کرلو اور اتنا یاد کرو کہ جان میں حق تعالیٰ کی محبت پیوست ہوجائے اور روح میں کثرتِ ذکر اور اجتناب عن المعاصی سے انوارِ طاعت کا ایک سرمدی چراغ روشن کرلو تاکہ جب اس حیاتِ عارضی کا چراغ بجھ جائے تو ہمیں اپنی روح میں اس اَبدی چراغ کا نور نظر آئے اور وہ نور ہماری جان کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے، ورنہ صرف تاریکی ہی تاریکی نظر آئے گی۔ روح میں چراغِ اَبدی کا روشن ہونا موقوف ہے اس دنیا کی حیاتِ عارضی کے مجاہدات اور ریاضات پر۔ اول چراغ کی لَو سے یعنی اعمالِ جوارح وقلب کے اہتمام سے چراغِ ثانی یعنی روح کا چراغ

روشن ہوتا ہے، پھر اول چراغ بجھ جاتا ہے لیکن ثانی ہمیشہ روشن رہتا ہے۔ کس قدر حسرت اہلِ غفلت کو ہوگی جو فانی عارضی لذتوں میں مسرور ہیں اور اچانک چراغِ زندگی بجھ جانے سے ہمیشہ کے لئے تاریکی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حیاتِ نفس کی دلیل

۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ مطابق ۳۰؍جولائی ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی ہر شان اور ہر آن پر راضی رہنا چاہیے۔ غلامی اس کا نام ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی ہر تجلی پر بندہ عاشق رہے۔ غلام کی یہ شان نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات میں سے کسی خاص صفت کی تجلی کو اپنے لئے تجویز کرے۔ اگر حق تعالیٰ کسی بندے پر اسمِ باطن کی تجلی ڈال رہے ہیں اور یہ شخص اپنے لئے اسمِ ظاہر کی تجلی کو تجویز کرتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص طالبِ جاہ ہے، طالبِ اللہ نہیں ہے۔ اگر اللہ کا عاشق ہوتا تو اس کی ہر تجلی پر عاشق ہوتا اور بے نام ونشان رہنے پر راضی رہتا، کیونکہ باطن بھی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ہی ایک نام ہے۔ پھر اپنی طرف سے اس کے خلاف تجویز، نفس کی حیات کی دلیل ہے، کیونکہ نام ونمود سے نفس خوش ہوتا ہے اور بے نام ونشان رہنے میں نفس کو ناگواری ہوتی ہے۔ اس تجویز کے معنی یہ ہیں کہ کُل صفاتِ رحمت میں سے اس ایک صفتِ رحمت کو اس نے اپنے لئے پسند نہ کیا حالانکہ اگر محبوب عاشق سے کہے کہ تم صرف ہمیں جانو اور تمہیں کوئی نہ جانے، یہ ہمارے اور تمہارے درمیان کا معاملہ ہے، کسی اور کو خبر نہ ہو، تو یہ کیا کم نعمت ہے؟ جو عاشق ہوگا وہ تو محبوب کے اس انعام پر سر دُھنے گا، کیونکہ مقصود تو محبوب کا تعلق اور اس کی رضا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اپنی کوئی خاص صفت کی تجلی تجویز کر رہے ہیں مثلاً صفتِ باطن کی تجلی تجویز کر رہے ہیں تو اسی میں اس کا فائدہ اور نجات ہے۔ جو بچہ بہت خوبصورت ہوتا ہے ماں اس کے حسن کو لوگوں سے چھپانے کے لئے ماتھے پر

کالا ٹیکا لگا دیتی ہے، تاکہ اس کو نظر نہ لگ جائے، اس لئے ممکن ہے کہ جس بندے پر اسمِ باطن کی تجلی ہو رہی ہے اس کی روح اللہ کے قرب سے مثل چاند کے منور ہو۔

اِخبات الی اللہ (اللہ کی طرف جھکنا) کے لطائفِ قرآنیہ

۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ۱۳ مطابق ۲۷؍ جولائی ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ ۙ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ○﴾

(سورۃ ھود: آیۃ ۲۳)

بے شک ـــــ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور (دل سے) اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہلِ جنت ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (بیان القرآن) ایمان اور اعمالِ صالحہ تو عام مسلمان جانتے ہیں لیکن اِخْبَاتٌ کا نام کسی نے نہ سنا ہوگا۔ اِخْبَاتٌ کے معنی لغت میں جھکاؤ، جھک جانا، عاجزی کرنا آتے ہیں، (پھر حضرت والا دامت برکاتہم نے مثال کے لئے ایک کاپی کھڑی کر کے فرمایا۔ جامع) جیسے یہ کاپی سیدھی کھڑی ہے، فرض کرلو کہ اس کے ایک طرف اللہ ہے اور دوسری طرف ماسوا یعنی غیر اللہ ہے۔ اگر یہ کاپی اللہ کی طرف جھک گئی تو کہا جائے گا کہ اس کا اِخبات اللہ کی طرف ہے اور اگر اس کا جھکاؤ ماسوا کی طرف ہے تو کہا جائے گا کہ اس کا اِخبات ماسوا کی طرف ہے۔ اسی طرح ایک بندہ ہے، یوں تو بڑا عبادت گذار ہے، تہجد بھی پڑھ رہا ہے، ضربیں بھی لگا رہا ہے، ذکر بھی کر رہا ہے لیکن قلب کا جھکاؤ ماسوا کی طرف ہے، ایسے بندے باوجود ایمان واعمالِ صالحہ کے اللہ کے مقبول نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا ایمان وعمل اسی وقت مقبول ہوگا جبکہ تمہارا جھکاؤ میری طرف زیادہ ہو جائے، جسم کا جھکاؤ اللہ کے یہاں مقصود نہیں ہے، اِخبات فعلِ قلب کا نام ہے، یعنی قلب کا جھکاؤ اللہ کی طرف زیادہ ہو جائے۔

مراد یہ ہے کہ اللہ کا تعلق تمام تعلقات پر غالب ہو جائے، ذکر کریں تو اللہ کی رضا پیشِ نظر ہو، مال کمائیں تو اللہ کی رضا سامنے ہو، بیوی بچوں سے محبت کریں تو نیت یہ ہو کہ ان کی پرورش کرنا میرے اللہ کا حکم ہے، میرا اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور جب اللہ کی رضا اور مخلوق کی رضا میں ٹکراؤ ہو تو مخلوق کی رضا پر لات ماردیں اور اللہ کے حکم کے آگے جھک جائیں مثلاً اگر بچہ ٹیلی ویژن کی ضد کرتا ہے تو اس وقت دل تو چاہتا ہے کہ اپنے لختِ جگر کی فرمائش پوری کردوں لیکن اگر اللہ کے خوف سے رُک جاتا ہے، اور اپنی محبت کے تقاضے اور اپنے بچہ کے دل کی پرواہ نہیں کرتا تو اس وقت کہا جائے گا کہ قلب کا اِخبات اللہ کی طرف ہے۔ جب تک دل مخلوق کی طرف جھکا ہوا ہے مقبول نہیں ہے، اور اگر درمیان میں ہے یعنی نہ قلب کا جھکاؤ اللہ کی طرف ہے نہ ماسوا کی طرف تو وہ بھی مقبول نہیں ہے، مقبول وہ دل ہے جس میں اللہ کا تعلق تمام تعلقات پر غالب ہو جائے، یہی اخلاص ہے۔

اِخبات فی الایمان اور اس کے حصول کا طریقہ

عمل میں بھی اخلاص چاہیے، ایمان میں بھی اخلاص چاہیے۔ نیک عمل میں اخلاص تو آپ نے سنا ہوگا، سب کہتے ہیں کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرو لیکن ایمان کے اندر اخلاص پیدا کرنے کی تلقین کسی سے نہ سنی ہوگی، یہ باتیں بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے سے ملتی ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں اِخبات فی الایمان اور اِخبات فی الاعمال دونوں مراد ہیں اور تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی حکم کسی قید کے ساتھ مقید ہو گیا تو جہاں جہاں وہ حکم مطلق ہے وہاں بھی اسی قید سے مقید ہو جائے گا۔ لہٰذا قرآنِ پاک میں جہاں کہیں بھی ایمان اور عملِ صالح کا ذکر ہے وہاں اِخبات فی الایمان اور اِخبات فی الاعمال دونوں مراد ہیں۔

اِخبات فی الایمان کا معنی یہ ہے کہ اگر بندہ کوئی عمل نہ بھی کر رہا ہو تب بھی دل ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، مثلاً اگر کوئی خاموش بیٹھا ہوا ہے تو اس وقت

اس کے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے کہ دل کا اِخبات کس طرف ہے؟ دل میں دنیا تو نہیں گھسی ہوئی؟ بظاہر خاموش ہے لیکن اگر دل اللہ سے غافل ہے تو قلب کا جھکاؤ ماسوا کی طرف ہے۔ مومن کو ہر حال میں باخدا ہونا چاہیے، مسجد کے اندر بھی باخدا ہو اور بازار میں بھی باخدا ہو۔ یہ نہیں کہ مسجد میں تو اللہ اللہ کر رہے ہو، سجدے میں رو رہے ہو اور بازار میں کسی عورت پر نظر پڑ گئی تو سوچا کہ کیا حرج ہے، اسے بھی دیکھ لو۔ اس کا مطلب ہے کہ دل اللہ سے غافل ہے، دل میں دنیا کی غلاظت اور کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔ اللہ کا ولی وہ ہے جس کا دل کسی حال میں اللہ سے غافل نہ ہو، اللہ کا خوف اور خشیت دل میں ہر وقت رہے۔ کوئی بھی کام کر رہا ہو قلب کا جھکاؤ اللہ کی طرف رہے، مدرسے کے بلاک رکھوا رہے ہو، مزدوروں کو مزدوری دے رہے ہو، کام کی دیکھ بھال کر رہے ہو لیکن دل اللہ کے ساتھ رہے۔ ہر کام کرنے سے پہلے نیت درست کر لو، زبان سے اپنے اللہ سے کچھ دیر باتیں کر لو کہ اے اللہ! یہ کام میں اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ کی رضا اور خوشی حاصل ہو جائے، جب اپنے شیخ کے پاس آؤ تو نیت درست کر کے آؤ کہ اے اللہ! آپ کی محبت سیکھنے جا رہا ہوں۔ جب ہر معاملے میں یہ توفیق ہونے لگے، ہر کام میں اللہ کی رضا پیشِ نظر رکھنے کا خیال رہنے لگے تو سمجھ لو کہ اب قلب کا اِخبات اللہ کی طرف ہو گیا۔ بہت سے لوگ نیک عمل بھی کرتے ہیں لیکن نیت درست نہیں کرتے، اسی لئے انہیں پورا نفع نہیں ہوتا اور انہیں ویسا قرب نصیب نہیں ہوتا اور ترقی ایسی نہیں ہوتی جیسی کہ ہونی چاہیے۔

دنیوی کاموں میں بھی رضائے الٰہی کی نیت ہونا ضروری ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کے مرید نے اپنا مکان بنوایا اور اس میں ایک کمرے میں روشن دان بھی بنوا دیا۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ یہ روشن دان کیوں بنوایا ہے؟ عرض کیا تاکہ ہوا آئے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ افسوس! اتنے دن

ہمارے ساتھ رہے اور دین کی سمجھ پیدا نہیں ہوئی، اگر یہ نیت کر لیتے کہ یہ سوراخ اس لئے بنوا رہا ہوں کہ اذان کی آواز آیا کرے گی تو مستقل ثواب ملتا رہتا، ہوا تو آئے گی ہی، کیونکہ دنیا تو آخرت کے تابع ہے۔ آخرت حاصل کرلو دنیا خود ہی مل جاتی ہے، مثلاً کوئی بحری جہاز سے حج کو جائے تو کراچی تو راستے میں پڑے گا ہی، اب اگر وہ یہ نیت کرے کہ کراچی چلتے ہیں، حج بھی کرلیں گے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ حج کی نیت کرنی چاہیے تھی، کراچی تو خود ہی راستے میں پڑتا، کراچی کو تو دیکھتا ہی لیکن ثواب مل جاتا اور اَب ثواب نہیں ملے گا، کیونکہ نیت کراچی دیکھنے کی تھی، حج کی نیت نہیں تھی۔ تو دنیا آخرت کے تابع ہے، ہر کام کرنے سے پہلے اللہ کی رضا اور فلاحِ آخرت کی نیت کرلو تو دنیا تو خود ہی مل جائے گی لیکن آخرت کا نفع ہاتھ سے نہیں جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

((اِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب الرقاق؛ باب التوکل والصبر؛ ص ۴۵۲)

کوئی نفس یعنی کوئی جاندار نہیں مر سکتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔

دوسری حدیثِ پاک میں ہے:

((اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُهٗ اَجَلُهٗ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب الرقاق؛ باب التوکل والصبر؛ ص ۴۵۲)

رزق آدمی کو ایسے ڈھونڈتا ہے جیسے موت ڈھونڈتی ہے، جتنا مقدر ہو چکا اتنا رزق پہنچ کر رہے گا۔ اس لئے اگر دنیا کے کاموں میں دنیا کی ہی نیت کی تو کیا کی، اپنے عمل کو ضائع کردیا۔

اللہ والے اِخبات الی اللہ اور نگرانیٔ قلب سے کبھی غافل نہیں ہوتے

اسی لئے اولیاء اللہ اپنے قلب کا جائزہ لیتے رہتے ہیں کہ کوئی عمل کسی

صورت سے ضائع تو نہیں ہو رہا۔ اولیاء اللہ کا جسم کام کے وقت سیدھا ہوتا ہے لیکن دل اللہ کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دل سے سوال کرتے رہتے ہیں کہ یہ مدرسہ کیوں بنوا رہے ہو؟ کیا لوگوں میں جاہ کے لئے؟ یا اللہ کے لئے؟ یا شہرت کے لئے تو نہیں بنوا رہے؟ وہ اپنے اخلاص کا امتحان لیتے رہتے ہیں کہ غیر اللہ تو قلب میں نہیں گھس رہا ہے؟ نفس و شیطان سازش تو نہیں کر رہے؟ وہ اپنے دل کو آنکھوں کے سامنے رکھتے ہیں، اگرچہ سینہ کے اندر ہے۔ وہ دل کو دیکھتے رہتے ہیں کہ کہیں ہم اپنے آپ کو اچھا تو نہیں سمجھ رہے؟ کسی مسلمان کو حقیر تو نہیں سمجھ رہے؟ کسی فاسق و فاجر سے اپنے آپ کو اچھا اور متقی تو نہیں سمجھ رہے؟

اپنے آپ کو اچھا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تکبر ہے۔ بُرے فعل سے نفرت رہے، فاعل سے نفرت نہیں۔ اگر کبھی کوئی کسی گناہ میں مبتلا نظر آئے اور اس کی حقارت دل میں آنے لگے تو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر کسی حسین شہزادے نے اپنے چہرے پر کالک لگالی ہو تو نفرت اس کالک سے کرنی چاہیے نہ کہ شہزادے سے۔ وجہ؟ نہ معلوم کس وقت وہ کالک دھوڈالے، کیونکہ جس وقت وہ کالک دھوڈالے گا تو پھر چاند سا چہرہ نکل آئے گا، لہٰذا کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ آج جو شخص گناہ کر رہا ہے ممکن ہے کل توبہ کرلے اور ولی اللہ ہو کر مرے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرو کہ آج ہم نے بڑی نفلیں پڑھ لیں یا آج تو خوب رونا آیا، خوب آنسو بہائے، بلکہ ہر عمل کے بعد اللہ سے گڑگڑاتے رہو کہ اے اللہ! یہ آنسو بھی اسی وقت قیمتی ہیں جب آپ قبول فرمالیں اور آپ قبول نہ فرمائیں تو ان آنسوؤں میں کیا رکھا ہے۔

عارف اور غیرِ عارف کی فہم کا فرق

لہٰذا جو مخلصین ہوتے ہیں وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ جو عارف ہوتا ہے، یعنی جس نے کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کی ہوئی ہیں اس کے نورِ فہم کو غیرِ عارف کب

پہنچ سکتا ہے؟ جو لوگ اہل اللہ کی صحبت نہیں اٹھاتے اور کسی اللہ والے کو اپنا مربی و مصلح نہیں بناتے بلکہ خود اپنے طور پر ذکر و عبادت کرتے ہیں ان کی ترقی کو شیطان ایک سیکنڈ میں پامال کر دیتا ہے، کیونکہ بغیر کسی اللہ والے کی صحبت کے دین کی سمجھ پیدا نہیں ہوتی۔ ذرا سی عبادت کر لی یا رونا آ گیا بس شیطان دل میں ڈال دیتا ہے کہ آج تم ولی ہو گئے۔ ذرا سی دیر میں عجب و تکبر میں اور دوسرے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ شیطان نے زہر کا کون سا انجکشن لگا دیا۔ ان کی عبادات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی درخت ہے تو بڑا لیکن جڑ میں کوئی زہر کا انجکشن بھی لگا رہا ہے تو آخر کار وہ درخت فنا ہو جائے گا یا کم از کم پھل پورا نہ دے گا۔ نفس و شیطان ہر وقت گھات میں ہیں کہ وہ ہمارے شجرِ طاعات میں کب زہر کا انجکشن لگا دیں۔

نفس پہاڑی سانپ کی طرح زہریلا ہے

اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے خدا! آں کن کہ از تو می سزد
کہ ز ہر سوراخ مارم می گزد
دست ما چو پائے ما را می خورد
بے امان تو کسے جاں کے برد
منگر اندر زشتی و مکروہیم
کہ ز پر زہرے چو مار کوہیم

میرا سانپ یعنی نفس ہر سوراخ سے ہم کو کاٹ رہا ہے تاکہ اعمال ضائع ہو جائیں، بغیر آپ کی حفاظت کے کوئی اپنی جان کو حفاظت سے کیسے لے جا سکتا ہے۔ اے اللہ! میرا نفس پہاڑی سانپ ہے۔ پہاڑی سانپ تمام سانپوں میں سب سے زہریلا ہوتا ہے، اسی لئے مولانا نے نفس کو پہاڑی سانپ سے تشبیہ دی ہے اور گناہ کے جو تقاضے ہیں

انہی کا نام زہر ہے۔ اگر ان تقاضوں پر عمل کرلیا تو گویا نفس نے ڈس لیا اور زہر روح میں پہنچ گیا۔ دل اللہ کے قرب کا باغ ہے اور نفس سانپ ہے، نفس چاہتا ہے کہ اس باغ کو اپنے زہر سے تباہ کردے۔ لہٰذا نفس سے ہوشیار رہو، اس کے تقاضوں پر عمل مت کرلینا، ورنہ ذراسی دیر میں غفلت میں مبتلا کردیتا ہے، کیسے؟ مثلاً کوئی نیک عمل اللہ کے لئے شروع کیا لیکن درمیان میں شیطان نے دل میں ریا ڈال دیا، اس طرح سارا عمل ضائع ہوگیا۔ اس لئے جب کوئی عمل شروع کرو پہلے ایک سیکنڈ اپنے اللہ سے بات کرلیا کرو کہ یا اللہ! آپ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کررہا ہوں اور عمل کے دوران بھی دل کی نگرانی رکھو کہ کہیں غیر اللہ تو دل میں نہیں آرہا ہے۔

افسانۂ زندگی کے مسلسل بدلتے عنوانات

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۶/ اگست ۱۹۶۹؁ء

ارشاد فرمایا کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہ فرماتے ہیں ؎

عارفی زندگی افسانہ در افسانہ ہے
صرف افسانوں کے عنوان بدل جاتے ہیں

جب افسانہ نگار افسانہ لکھتے ہیں تو عنوان قائم کرتے ہیں، پہلا عنوان: ساون کی گھٹا، سہانا موسم۔ دوسرا عنوان: ملاقاتِ محبوب۔ تیسرا عنوان: فراق یعنی جدائی اور آخر افسانہ ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح زندگی کا افسانہ ہے، اس کی پہلی سرخی ہے: پیدائش۔ دوسری سرخی ہے: مکتب میں داخلہ۔ تیسری سرخی ہے: بی ایس سی یا کوئی بھی ڈگری۔ چوتھی سرخی ہے: شادی۔ پانچویں سرخی ہے: بچے، پھر ان کی شادی۔ اور آخری سرخی ہے: موت۔ افسانہ ختم ؎

جام تھا، ساقی تھا، مے تھی، اور درِ مے خانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اور ؎

جو چمن سے گذرے تُو اے صبا! تو یہ کہنا بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

بس جو لوگ اس زندگی کے عنوانوں کی الجھنوں میں مصروف رہے یہاں تک کہ موت نے ان کے افسانے کو ختم کر دیا، وہ ناکام ہو گئے لیکن وہ لوگ جو زندگی کے افسانوں میں مصروف تو رہے لیکن سمجھ گئے کہ یہ افسانے فانی ہیں، ان افسانوں کے اختتام پر حقیقی زندگی ملنے والی ہے اور وہ موت کے بعد کی زندگی کی تیاری میں لگے رہے، انہوں نے افسانے کو حقیقت بنا دیا اور کامیاب ہو گئے۔

کس کی اتباع کی جائے؟

۹ر جمادی الثانیہ ۸۹ ۱۴ھ مطابق ۲۴ر اگست ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ﴾

(سورۃ یٰسٓ: آیۃ ۲۱)

ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہِ راست پر بھی ہیں (بیان القرآن) یعنی وہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ حال ہے مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا کا، اور حال ذوالحال کے لئے قید ہوتا ہے۔ جیسے جَآءَ زَیْدٌ رَاکِبًا عَلَی الْفَرَسِ، اور ذوالحال مقید ہو جاتا ہے اپنے حال سے۔ قید اس لئے لگائی جاتی ہے کہ عموم رہنے کی وجہ سے اس میں چور داخل نہ ہو جائے۔

ورنہ بعض گمراہ جماعتیں اور مشنری ادارے کپڑے، کمبل، دوائیاں، انڈے، مکھن وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور اجر بھی نہیں مانگتے، بلا معاوضہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں لیکن وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ سے معلوم ہوا کہ بلا معاوضہ کام کرنا اس شخص کے لئے محمود ہے جو ہدایت یافتہ ہو، اور جو ہدایت یافتہ نہ ہو تو وہ اور زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ انڈے مکھن وغیرہ پا کر لوگ سمجھیں گے کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں

جبھی تو ہمارے ساتھ اتنے مخلص ہیں کہ بغیر کسی معاوضہ کے ہماری امداد کررہے ہیں، حالانکہ وہ گمراہ ہیں اوران کی اتباع سے لوگ بھی گمراہ ہوجائیں گے۔اس لئے وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ سے تمام باطل فرقے اس اتباع کے حکم سے نکل گئے۔ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے۔علومِ قرآن اورعلومِ نبوت جامع ومانع ہوتے ہیں۔

عُجب کا علاج

ارشاد فرمایا کہ اگراپنے کسی کمال سے یا دین کی دعوت یا تقریر پر عُجب پیدا ہوکہ آج ہم نے ایسی زبردست باتیں بیان کیں، ایسے علوم بیان کئے اورنفس اپنے آپ کواچھا سمجھے تو سوچنا چاہیے کہ ہمارا بیج ذلیل پانی ہے:

﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۝﴾

(سورۃ المرسلات: آیۃ ۲۰)

کیا ہم نے تم کوایک بےقدر پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا (بیان القرآن)

اور جیسا بیج ہوتا ہے، درخت آخر تک اسی کا کہلاتا ہے،مثلاً اگر ببول کا بیج ہے تو درخت بھی ببول کا ہی کہلائے گا۔اب اگرکوئی اس میں آم کی شاخ لگادے اوراس ببول کے درخت میں آم آنے لگے تو کیا ببول یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پھل میرا ہے؟ ہرگز نہیں۔اسی طرح ہماری بنیاد ذلیل اور گندی منی ہے،منی کا بنا ہوا کہیں پاک ہوسکتا ہے؟اگر ہماری گندی زبان سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تبلیغ کا کام لےلیں اور اس میں اثر بھی عطا فرمادیں تو کیا یہ گندی زبان کہہ سکتی ہے کہ یہ میرا کمال ہے؟

جس طرح ببول میں آم کا پھل آجانا ببول کا کمال نہیں بلکہ ببول تو اس قابل ہی نہیں تھا، وہ تو اوپر سے نیچے تک کانٹا ہی کانٹا ہے لہٰذا ببول میں آم کا پھل کسی اور کی عطا ہے۔اسی طرح ہمارے ذلیل اور ناپاک وجود سے اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام لیں اوراعمالِ صالحہ صادر ہورہے ہوں تو یہ ثمرہ حق تعالیٰ کی عطا ہے، نعمت ہے، بندے کا کمال نہیں، کیونکہ بندہ تو ذلیل پانی کا بنا ہوا ہے، ناپاک سے بنا ہوا

کیسے پاک ہوسکتا ہے؟ ذلیل سے تو ذلت ہی کے اعمال صادر ہوتے لیکن اگر نیک اعمال صادر ہورہے ہیں تو یہ اس ذلیل پانی کا کمال نہیں، حق تعالیٰ کی عطا ہے۔ اگر ببول کا درخت یہ کہنے لگے کہ آم کا پھل میرا ہے اور مالک کو خبر ہوجائے تو آم کی شاخ اس میں سے کاٹ دے گا کہ اب دیکھتا ہوں کہ تجھ میں کیسے آم آتا ہے؟ تیرا پھل تو کانٹا ہی کانٹا ہے، تُو آم کے نکلنے کو اپنا کمال سمجھتا تھا۔ اسی طرح اعمالِ صالحہ کو اپنا کمال سمجھنے سے بھی زوالِ نعمت کا اندیشہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں کہ اچھا! ہماری نعمت کو اپنا کمال سمجھتا ہے اور توفیق سلب کرلیں تو پھر پتا چلے گا کہ کیا کمال تھا، ناپاکی ہی ناپاکی، ذلت ہی ذلت رہ جائے گی۔ اس لئے اپنے تمام اعمالِ صالحہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطا سمجھنا چاہیے۔

قلب کی ساخت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

۲۹؍ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵؍جولائی ۱۹۶۹ء

ارشاد فرمایا کہ بادشاہ اپنے رہنے کے لئے جو محل بناتا ہے وہ سارے ملک میں سب سے زیادہ عالی شان ہوتا ہے، جیسے ایوانِ صدر سارے ملک کی عمارتوں سے زیادہ حسین ہوتا ہے، کیونکہ اس میں صدر خود قیام کرتا ہے۔ اسی طرح مل مالک مل کے اندر اپنے رہنے کے لئے جو کمرہ بنواتا ہے وہ سب سے زیادہ شان وشوکت والا ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہاں میں خود رہوں گا، اس لئے اس کی شان وشوکت، اس کی ساخت، اس کی آسائش وآرائش ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی طرح قلب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

((فِی الْحَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، کتاب الرقاق، ج۹ ص۴۱۶)

میں زمین میں نہیں سمایا اور آسمان میں نہیں سمایا لیکن مومن کے دل میں

سما جاتا ہوں۔ اس حدیث شریف کے اسی مضمون کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

در دل مومن بگنجیدم چو ضیف

میں مومن کے دل میں مہمان کی طرح سما جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قلب کے اجزائے ترکیبیہ اور اجزائے تعمیر یہ ایسے بنائے ہیں کہ ان میں بڑھنے کی صلاحیت ہے، اسی لئے قلب اتنا بڑھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو لامحدود ہیں، زمین و آسمان کی وسعتیں جن کے سامنے بے حقیقت ہیں، وہ قلب میں آجاتے ہیں۔ قلب کی ساخت کافر کی بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے، کیونکہ ممکن ہے وہ کسی وقت ایمان لے آئے۔ نیز کیونکہ قلب کو اللہ نے اپنے لئے بنایا ہے اس لئے اس کی رفتار کو بھی تیز بنایا ہے، ابھی آنکھ بند کیجئے اور امریکہ پہنچ جایئے، ہوائی جہاز کی رفتار اس کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے!

پھر جب اس دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوجاتا ہے تو یہ ساری کائنات پر چھا جاتا ہے، جان میں ہزاروں آسمان محسوس ہوتے ہیں ؎

آسماں ہا ست در ولایت جاں

اللہ سے تعلق کرلو تو ہزاروں آسمان جان میں دکھائی دیں گے، اپنے دل کو اللہ کے قابل بنالو تو اللہ تعالیٰ خود دل میں آئیں گے اور ان کے ساتھ ساری کائنات آجائے گی ؎

یا مکن با پیل باناں دوستی
یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

یا تو فیل بان سے دوستی مت کرو یا اپنے دل کو ہاتھی کی بلندی کے مطابق بنالو۔ بغیر فیل بان کے اگر ہاتھی لاؤ گے تو وہ مضر ہوگا اور وہ ہاتھی تمہیں برباد کردے گا، اسی طرح اگر بغیر اللہ سے تعلق کے دنیا کماؤ گے تو وہ دنیا تمہیں تباہ کردے گی۔ جب اللہ تعالیٰ قلب میں آئیں گے تو مع ہاتھی یعنی مع ساری کائنات کے آئیں گے، اس لئے اپنے دل کو اللہ کے قابل بنالو۔ قلب کے سامنے کائنات کی کیا حقیقت ہے؟ قلب تو اللہ کا

گھر ہے، کائنات اس کے سامنے کیا ہیچتی ہے؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست

چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

دنیا کی نعمتوں کے جتنے بھی نشے ہیں، صدارت اور وزارت کے نشے، کارخانوں اور ملوں کے نشے، دولت اور سرمایہ کے نشے، اللہ کی محبت کی شراب کے نشے کے سامنے ان کی کیا حقیقت ہے؟ شراب اپنے جوش میں میری مستی کی گدا ہے، بھکاری ہے، آسمان اپنی گردش میں میرے ہوش کا اسیر ہے، قیدی ہے۔ جیسے قیدی قید خانے کے کسی گوشہ میں پڑا ہوتا ہے ایسے ہی یہ آسمان میرے قلب کے ایک گوشہ میں پڑا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ چاند پر جانا بڑی بات سمجھتے ہیں، انہوں نے اپنے دل کو نہیں پہچانا، اگر دل کو پہچان لیتے تو چاند کی طرف نظر بھی نہ کرتے، کیا کوئی قیدی کی طرف للچاتا ہے؟ ان کا للچانا دلیل ہے کہ انہوں نے دل کی وسعتوں کو نہیں پہچانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا محل ہے، ساری زمین وآسمان اور پوری کائنات اس کے ایک گوشہ میں پڑی ہوئی ہے۔

دین کے داعی کا منصب

ارشاد فرمایا کہ بھنگی کے بس میں اتنا ہی ہے کہ کنستر بجا بجا کر کمشنر کا حکم سنا دے کہ مثلاً فلاں تاریخ تک کے۔ڈی۔اے(K.D.A) کا بِل جمع کردو، لیکن اُس کے بس میں یہ نہیں ہے کہ تمہاری تجوریوں کو کھلوا دے اور تمہیں کندھے پر لاد کر بِل ادا کرانے کے لئے لے جاوے۔ یہ کام تو تمہیں خود کرنا پڑے گا، خود محنتیں کرنی پڑیں گی۔

(پھر حضرت والا دامت برکاتہم نے نہایت شکستگی اور تواضع سے فرمایا کہ)

اس بھنگی نے بھی اللہ کا حکم سنا دیا ہے لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں کندھوں پر لاد کر تمہیں مسجد لے جاؤں یا زبردستی روزہ نماز کراؤں۔ یہ دین کی محنت تو خود آپ کو

کرنی ہے، بھنگی کا کام تو شاہ کے حکم کو نشر کر دینا ہے، باقی ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں! اگر اس حکم کے سننے کے بعد تم نے کوتاہی کی اور نماز کا بِل ادا نہ کیا، روزے کا بِل ادا نہ کیا، حج کا بِل ادا نہ کیا، زکوٰۃ کا بِل ادا نہ کیا تو پکڑ تمہاری ہی ہوگی، بھلا اُس احکم الحاکمین کا غضب اپنے اوپر حلال کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

مرشد سے تعلق کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں

۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۹؍جولائی ۱۹۶۹؁ء

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

پیر خود را حاکم مطلق شناس

تا براہ فقر گردی حق شناس

اپنے پیر کو حاکمِ مطلق سمجھو تا کہ اس کے فقیر بن کر فنائیت کی راہ سے اللہ کو پہچان سکو۔ پیر کے ذریعہ ہی اللہ کی معرفت اور پہچان نصیب ہوتی ہے، جس طرح بغیر رہبر کوئی راستہ طے نہیں کر سکتا اسی طرح بغیر شیخِ کامل کے کوئی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ پیر جو اللہ کا راستہ بتاتا ہے، یہ اس کی نظرِ عنایت ہوتی ہے اور پیر کی نظرِ عنایت اللہ کی نظرِ عنایت ہے، پیر کی نظر کا پھر جانا اللہ کی نظر کا پھر جانا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خدمت او خدمت حق کردن است

پیر کی خدمت کرنا گویا حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا حق ادا کرنا ہے، کیونکہ پیر واسطہ ہے اللہ تک پہنچنے کا، اس لئے پیر کے ساتھ غلامی کا تعلق ہونا چاہیے نہ کہ دوستی اور ہمسری کا ؎

غلامی ہے یہ دوستانہ نہیں ہے

بروزِ قیامت سائنس کا نہیں، اعمال کا سکہ چلے گا

ارشاد فرمایا کہ آخرت کے بازار میں سائنس کا سکہ نہیں چلے گا، قیامت کے دن آگ کے دریا سے گذرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تم پلِ صراط پر

چلنا جانتے ہو؟ اور وہ کہہ دیں کہ ہم نے تو سائنس پڑھی تھی، نماز نہیں پڑھی تھی، داڑھی منڈائی تھی، شریعت پر نہیں چلے تھے، اس لئے ہم پلِ صراط پر چلنا نہیں جانتے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کٹ کر اسی میں گر جاؤ، تب معلوم ہوگا کہ ہم نے کہاں زندگی ضائع کی۔

جس طرح ایک سائنس دان ایک کشتی میں سوار ہوا اور دورانِ گفتگو ملاح سے کہا کہ تم نے سائنس پڑھی ہے؟ ملاح نے کہا کہ نہیں، میں نے تو کشتی بانی اور تیراکی سیکھی ہوئی ہے، تو سائنس دان بولا کہ ارے! تُو نے سائنس نہ پڑھ کر اپنی زندگی ضائع کردی۔ پھر چلتے چلتے دریا میں ایک وقت ایسا آیا کہ طوفان آ گیا اور کشتی ڈوبنے لگی تو اس وقت ملاح نے سائنس دان کو کہا کہ تُو تیرنا جانتا ہے، وہ بولا تیرنا تو نہیں جانتا، تو اس نے کہا کہ تُو نے تیراکی نہ سیکھ کر زندگی ضائع کردی، اب بتا کہ تیری سائنس کام آئے گی یا میرا تیرنا؟ میں تو تیر کر نکل جاؤں گا اور تُو غرق ہوجائے گا۔ تب سائنس دان کو معلوم ہوا کہ میں نے سائنس پڑھ کر زندگی ضائع کردی۔ تو ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب ان سائنس دانوں کو معلوم ہوگا کہ ہم نے ایمان نہ لاکر اپنی زندگی کہاں ضائع کردی، جو لوگ ایمان وعملِ صالح والے ہوں گے وہی نکل جائیں گے۔

یقینیات صرف وحی الٰہی ہے

ارشاد فرمایا کہ یقینیات صرف وحی الٰہی ہے باقی سارے علوم ظنی ہیں۔ ظنی علوم کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک گدھے نے پیشاب کردیا، اس میں ایک تنکا بہنے لگا تو مکھی اس تنکے پر بیٹھ گئی اور گردن ہلا ہلا کر کہنے لگی کہ میں فنِ کشتی بانی کی ماہر ہوں، میں نے ایک عمر اس فن کو سیکھنے میں صَرف کی ہے۔ اسی طرح یہ سائنس دان ہیں، یہ لاکھ دعویٰ کریں کہ ہم بڑے ماہرِ فن ہیں،

ہمارے پاس بڑے بڑے علوم ہیں، ہم نے کائنات کے بڑے بڑے پوشیدہ راز دریافت کئے ہیں، اپنے علم کے زور پر ہم چاند پر پہنچ گئے ہیں لیکن ان کے دعوے اور علوم بولِ خر، گدھے کے پیشاب اور تصویرِ خس (تنکے) سے زیادہ نہیں، کیونکہ یہ مخلوق میں الجھ کر رہ گئے، خالق کو نہ پہچان سکے۔

صاحب تاویل باطل چوں مگس
وہم او بول خر و تصویر خس

کیونکہ جیسے مکھی کا علم محض ظنی تھا ایسے ہی ان کے علوم ظنی ہیں، چاہے وہ سائنس ہو، طب ہو، انجینئر ی ہو، ڈاکٹری ہو، کچھ بھی ہو، قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ہمارے ظنی ہنر وفن کسی کام نہ آئے اور ان فنون نے ہماری مشکیں کسوادیں اور وحی الٰہی پر ایمان نہ لانے سے ہمیں ہمیشہ کے لئے جہنم کا منہ دیکھنا پڑا۔ پس یقینیات صرف وحی الٰہی ہے، جس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، باقی سب علوم ظنی ہیں، جن کی تحقیقات آئے دن بدلتی رہتی ہیں۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا عریضہ اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام

مجی ومحبوبی، مرشدی ومولائی، وسیلۃ یومی وغدی، محی السنۃ، سراج الملت والدین،
فداہ روحی وابی وامی حضرت شاہ ہردوئی دامت برکاتہم وعمت فیوضہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لاہور سے ایک صاحب نے اس ناکارہ کو ایک خاص پریشانی میں اپنا ابتلا تحریر کیا تھا۔ اس ناکارہ نے حضرتِ اقدس کی برکت سے صرف یہ تحریر کردیا تھا کہ برادرم! دو رکعت نمازِ حاجت پڑھ کر سجدہ میں رفع پریشانی کے لئے الحاح کے ساتھ دعا کیجئے اور سجدہ میں اتنا روئیے کہ دل سے یہ آواز محسوس ہونے لگے کہ اب حق تعالیٰ کو

مجھ پر رحم آ گیا ہوگا، اور یقین رکھئے کہ اُس دروازے کے علاوہ کوئی اور دوسرا دروازہ نہیں جہاں بندے کی آہ اور اس کے آنسو مقبول ہوں۔ موصوف کل لاہور سے کراچی تشریف لائے اور اس ناکارہ کو تلاش کرتے کرتے گھر پر ملاقات کی اور کہا کہ ہر لفظِ تحریر نے دل پر نشتر لگایا، سجدہ میں اتنا رونا آیا کہ زندگی میں کبھی ایسا موقع نہ آیا تھا اور قلب میں ایک خاص سکون محسوس ہو رہا ہے اور پریشانی رفع ہوگئی۔ بی اے (B.A.) پاس ہیں، اس ناکارہ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے لئے آج شام کو بوقتِ عصر آویں گے۔ داڑھی رکھنے کا ارادہ اور وعدہ کل خود ہی ظاہر کر گئے۔ یہ سب حضرتِ اقدس کی دعائے حرمِ پاک کے ثمرات ہیں جو ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

نکما ہوا میں تو مجذوبؔ کیا غم
بڑی کار آمد یہ بے کاریاں ہیں
نہ لو نامِ الفت جو خودداریاں ہیں
بڑی ذلتیں ہیں، بڑی خواریاں ہیں
بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں!
گھری خارزاروں سے پھلواریاں ہیں
نہیں پوچھ کچھ عشق میں خودسروں کی
یہاں سرفروشوں کی سرداریاں ہیں
جس کو تاکوں گا نشیمن کے لئے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

فانی تعلقات سے بے سہارا کر کے اپنا سہارا عطا فرما رہے ہیں، یعنی غیروں سے کاٹ کر اپنے سے جوڑ رہے ہیں۔ یہ شاخیں اسی قابل ہیں کہ کاٹ دی جائیں، کیونکہ یہی شاخیں شاخِ قربِ حقیقی سے محروم رکھتی ہیں۔ میاں ڈالی پر بیٹھنے نہیں دیتے جیسے کہ پنجۂ بادشاہ کا پروردہ باز اگر دوسری شاخوں پر نشیمن بنانا چاہے تو شاہ کی غیرت

اس نشیمن کو کاٹ دے گی اور اس کی محبت اس باز کو اپنے دستانے پر بیٹھنے پر مجبور کردے گی۔ حضرت والا کی غلامی کے صدقہ میں میاں ہر لمحہ نعمتوں سے نوازرہے ہیں۔ حضرتِ اقدس سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

غلامِ شما محمد اختر عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ
مطابق ۱۵/اگست ۱۹۶۹ء

مشائخ کے طریقۂ تزکیہ کی تفہیم ایک مثال سے

ارشاد فرمایا کہ اللہ والے پہلے سالک کے دل کی آبِ دنیا میں تہہ نشین کشتی کو اپنی قوتِ روح سے سطح آب سے اوپر لاتے ہیں، یعنی سارے تعلقات غیر اللہ منقطع کراتے ہیں پھر جب تمام تعلقات منقطع ہوجاتے ہیں اور دنیا کی محبت کا پانی اس کے دل کی کشتی سے نکل جاتا ہے تو اللہ والے اس سالک کے قلب کی کشتی میں تعلق مع اللہ کی کیل ٹھونک دیتے ہیں اور اس پر ذکر اللہ کا سفیدہ لگادیتے ہیں تاکہ پانی داخل نہ ہو، اس وقت اسے دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ دنیا دل لگانے اور رہنے کی جگہ نہیں ہے۔اور جب قلب کی کشتی میں دنیا کی محبت کا پانی داخل ہونے کا راستہ بند ہوجاتا ہے تو پھر اسے دوبارہ پانی میں داخل کرتے ہیں، پھر وہ دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق رہنے، بیوی بچوں کی محبت کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہوجاتا ہے، کیونکہ اب دنیا کا پانی اس کو کچھ نقصان نہیں کرے گا اور دنیا کا پانی قلب کی کشتی میں نہیں گھسے گا اور تعلق مع اللہ غالب رہے گا، دنیا کا پانی دل کی کشتی کے نیچے مغلوب رہے گا۔ جو دل کہ خود دنیا کی محبت کے پانی میں ڈوبا ہوا تھا، اب وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ دوسروں کو اس سے نکال کر پار لگادیتا ہے یعنی دنیا کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو غالب کردیتا ہے، یہ کشتی اب اس لائق ہوجاتی ہے کہ دوسروں کو اپنے اندر بٹھا کر پار لگادے اور ڈوبنے سے بچالے۔

تعلق مع اللہ سے محرومی کی دلیل

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت کے وقت مخلوق کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اسے تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہے، چاہے وہ ظاہر میں مولوی ہے، عالم ہے، چاہے درویشوں کی، اللہ والوں کی وضع قطع رکھتا ہے اور اگر اس کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو اللہ والا سمجھتا ہے تو یہ اس کے نفس کا دھوکہ ہے۔ اگر اس کے پاؤں میں اللہ تعالیٰ کی زنجیرِ محبت پڑی ہوتی تو یہ مخلوق کے پاس نہ جاتا بلکہ صرف اللہ سے گڑگڑاتا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ شریف ہجرت فرما گئے تو شروع شروع میں ان پر بہت سخت حالات آئے اور فاقوں تک نوبت آ گئی لیکن حضرت نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ جب کئی فاقے گذر گئے تو ایک دن غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے دعا کی کہ اے میرے مولیٰ! آپ نے میرا نام امداد اللہ رکھا ہے، لہٰذا میرا ہاتھ آپ کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہیں پھیل سکتا۔ بس کچھ ہی دن میں فتوحات کھل گئیں اور لوگ آ آ کر حضرت کی خدمت میں ہدایا پیش کرتے تھے اور حضرت کے قبول کر لینے کو اپنی سعادت اور حضرت کا احسان سمجھتے تھے۔ یہ ہے تعلق مع اللہ اور استغناء۔ لہٰذا تنگی ہو یا وسعت، اللہ تعالیٰ ہی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، مخلوق کی طرف نگاہ نہ کرو۔

تبلیغ کے لئے ایک ضروری شرط

ارشاد فرمایا کہ جو شخص تبلیغ کرتے وقت اپنے کو اس شخص سے حقیر نہ سمجھے جس کو تبلیغ کی جارہی ہے تو ایسے شخص کے لئے تبلیغ کرنا حرام ہے۔ اسے تو سوچنا چاہیے کہ گناہوں کے داغوں سے میرے دل کا چہرہ تو چیچک والا ہے، اس پر گناہوں کے چیچک کے گڑھے ہیں اور جس کو حقیر سمجھ رہا ہوں وہ تو شہزادہ ہے، جس کے منہ پر محض کالک لگی ہوئی ہے، نہ معلوم کس وقت منہ دھولے اور چاند سا چہرہ نکل آئے۔

کا لک دھونا آسان ہے، چیچک کے گڑھوں کو بھرنا مشکل ہے۔ لہٰذا مبلّغ یہ سمجھے کہ میں جس کو تبلیغ کر رہا ہوں وہ مجھ سے افضل ہے اور میں اس سے حقیر ہوں۔

بروزِ قیامت اہلِ مصائب کی تمنا

۲۱/صفر المظفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۸/اپریل ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مظلوموں کی آہوں اور مصیبت زدوں کے نالوں کا انعام عطا فرمائے گا تو وہ لوگ تمنا کریں گے کہ:

((یَوَدُّ اَھْلُ الْعَافِیَۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حِیْنَ یُعْطٰی اَھْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَھُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا بِالْمَقَارِیْضِ۔ رواہ الترمذی))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب عیادۃ المریض، ص ۱۳۷)

کاش! دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی، کیونکہ وہ جب دیکھیں گے کہ محض کانٹا چبھنے پر یا کسی کے معمولی سے ستا دینے پر یا سوئی چبھ جانے پر جب جنت کے ایسے ایسے عظیم درجات عطا ہو رہے ہیں تو وہ اس وجہ سے کہیں گے کہ کاش! ہمیں اَور بڑی مصیبت، کھال قینچی سے کاٹے جانے کی عظیم مصیبت پہنچتی تو پھر نہ معلوم کیا عطا ہو جاتا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کراچی سے لاہور تک ریل میں سفر کر رہا ہو اور راستہ میں اس کو ریل کی سیٹ میں سے کوئی کھٹمل کاٹ لے۔ پھر جب وہ مسافر لاہور اُترے تو ریل کا گارڈ اس کو طلب کرے اور کہے کہ گاڑی میں ایک کھٹمل نے تجھے کاٹ لیا تھا، اس کے بدلے میں مَیں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں تو وہ مسافر کیا کہے گا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک کھٹمل کے کاٹنے پر اتنا انعام ملے گا، اگر مجھے معلوم ہوتا تو ایک کیا آٹھ دس کھٹملوں سے کٹوا لیتا، یہ دولت جو مجھے اس وقت نصیب ہوئی ہے، اس کے مقابلے میں وہ تکلیف کچھ بھی نہیں تھی، اگر اور زیادہ تکلیف پہنچ جاتی تو اور بڑا انعام ملتا۔ بس اسی سے سمجھ لو کہ حشر کے میدان میں لوگ جنت کے انعامات کو اور

قرب کے اعلیٰ مقامات کو دیکھ کر دنیا میں قینچیوں سے جسم کے کٹنے کی تمنا کریں گے کہ جب چھوٹی تکلیفوں پر انعامات کی یہ بارش ہے تو بڑی تکلیف پر کیا ملتا۔

دنیا تو دارالامتحان ہے، یہاں تو ظالم ومظلوم، مومن وکافر سب ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ جس طرح امتحان کے کمرے میں پاس ہونے والے اور فیل ہونے والے دونوں مخلوط ہوتے ہیں، جنہوں نے امتحان کے لئے دن رات محنتیں کی ہیں وہ بھی اور جنہوں نے امتحان سے صرفِ نظر کر کے عیش میں دن گذارے ہیں وہ بھی، دونوں ایک ہی کمرے میں ہوتے ہیں، دونوں میں کوئی امتیاز نہیں معلوم ہوتا لیکن جس دن نتیجہ سنایا جاتا ہے اس دن پاس ہونے والے اور فیل ہونے والے کا پتا چل جاتا ہے۔ بس دنیا کے دن تو چند ہیں، ایامِ معدودہ ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی جب امتحان کا وقت ختم ہو جاتا ہے، فوراً نتیجہ آجاتا ہے کہ اے ہمارے بندے! آ! ہمارے خاص بندوں میں اور ہماری جنت میں، تُو نے واقعی دنیا میں رہ کر امتحان کی تیاری کا حق ادا کر دیا اور کافر کو کہا جاتا ہے کہ اے کافر! آج تُو بھی سن لے کہ تُو فیل ہو گیا ہے، تُو نے امتحان کی جگہ کو امتحان کی جگہ نہیں سمجھا تھا اور خوب عیش کئے تھے، اب تجھے تیرے کئے دھرے کا پتا چل جائے گا۔

تعلق مع اللہ محض کتابوں سے پیدا نہیں ہوسکتا

ارشاد فرمایا کہ بہت سی چیزیں کتاب سے نہیں آتیں، سن کر آتی ہیں، جیسے ماں اپنے بچے سے کہتی رہتی ہے کہ ''کہو ابّا، کہو ابّا''، ایسے ہی جب کوئی اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو اس کے کان خفیہ چوری کرتے ہیں، اچھی اچھی باتیں لیتے رہتے ہیں، پھر روح کے کان سنتے ہیں، پھر روح سے اللہ اللہ نکلنے لگتا ہے۔ جس طرح ماں اپنے بچے کے لئے یہ چاہتی ہے کہ اسے جلدی سے ''ابّا'' کہلوادوں کیونکہ جب یہ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اُٹھا کر ابّا ابّا کہے گا تو ابّا کی رحمت کو جوش آجائے گا۔ اسی طرح

انبیاء واولیاء چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندے جلدی سے ربّا کہنے لگیں تا کہ وہ ربّا ان کو اپنی رحمت کی گود میں لے لے۔ یہ بھی سوچ لو کہ جس کی ماں مرجاتی ہے وہ بچہ جلدی سے ابّا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ ماں ہی اس کو ابّا کہنا سکھاتی ہے، لہٰذا پیر کو اور اس کی زندگی کو غنیمت جانو اور اس سے ربّا کہنا سیکھ لو، ورنہ اس کے بعد ربّا کہنا نہ سیکھ سکو گے۔

ایک مراقبۂ محافظِ ولایت

ربیع الثانی ۱۳۹۱؁ھ مطابق جون ۱۹۷۱؁ء

ارشاد فرمایا کہ جب گناہ کا تقاضا ہو تو یہ سوچو کہ گناہ پر اللہ کا غضب وقہر نازل ہوتا ہے، نہ معلوم مجھ پر کیا غضب نازل ہوجائے، اسی حالت میں اگر روح قبض ہوگئی تو ہمیشہ کے لئے آگ میں چلا جاؤں گا اور اگر پھر بھی خدانخواستہ نفس سے مغلوب ہو جاؤ اور گناہ ہو جائے تو پھر یہ سوچو کہ میں جیسا بھی ہوں، ہوں تو اللہ کا۔ وضو کرو اور دو نفل پڑھ کر سجدہ میں گر کر اللہ سے کہو کہ اے اللہ! میں جیسا بھی ہوں، آپ کا ہوں اور آپ ہی کا ہو کے رہنا ہے، آپ کے علاوہ میرا ہے بھی کون؟ آپ سے بھاگا ہوا بندہ پھر آپ ہی کے پاس آیا ہے۔ اے اللہ! آپ کے در کے علاوہ اَور کہاں جاؤں، آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے، اے اللہ! مجھے اپنے کرم سے معاف فرما دیجئے اور اپنا بنا لیجیے۔

دینِ اسلام محبت ہی محبت ہے

ارشاد فرمایا کہ اسلام سراسر محبت ہی محبت ہے، کبھی محبوب چاہتا ہے کہ عاشق ہمارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہو اور اپنی عاجزی اور ہماری عظمت کا اظہار کرے، یہ نماز میں قیام ہے۔ جب بندہ محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا تو اَب اس نے اپنے ہاتھوں کا صحیح حق ادا کیا، کیونکہ جس نے ہاتھ دیئے ہیں اسی کے سامنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ کبھی محبوب چاہتا ہے کہ

ہمارا عاشق ہم سے باتیں کرے، یہ ہے پانچوں نمازوں میں اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ، یہ محبوب سے گفتگو ہو رہی ہے کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، کیونکہ ہماری عبادت آپ کی اعانت کی محتاج ہے۔ کبھی محبوب چاہتا ہے کہ عاشق اس کے قدموں پر گر کے اپنی عاجزی کا اور ہماری بڑائی کا اظہار کرے، یہ سجدہ ہے۔ کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب کے گھر کا طواف کرے، جیسے مجنوں لیلیٰ کے دنیوی و فانی عشق میں کہتا ہے ؎

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیۡلٰی
اُقَبِّلُ ذَاالۡجِدَارِ وَ ذَاالۡجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفۡنَ قَلۡبِیۡ
وَلٰکِنۡ حُبُّ مَنۡ سَکَنَ الدِّیَارَا

ترجمہ: جب میں لیلیٰ کے گھر کی طرف سے گذرتا ہوں تو اس کے گھر کے در و دیوار کو چومتا ہوں، مگر خوب سمجھ لو کہ اس کے گھر کی محبت نے میرے قلب کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ جو اس گھر میں رہتا ہے، اس کی محبت نے مجھے فریفتہ کیا ہے۔

ایک لیلیٰ کیا کروڑوں ایسی لیلائیں قبروں میں خاک ہوگئیں، وہ اس قابل کہاں تھیں کہ ان کے گھر کے چکر لگائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے عاشقوں کے اس ذوقِ محبت کی تسکین کی کہ اہلِ استطاعت پر حج فرض کر دیا کہ تم محبوب کے گھر کا طواف کرنا چاہتے ہو تو محبوبِ حقیقی تو میں ہوں لہٰذا میرے گھر کا طواف کرو، یہ حج ہے۔ کبھی محبوب کے عشق میں عاشق کھانا پینا بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ آپ کو دیکھ کر تو میں کھانا پینا ہی بھول گیا، یہ روزہ ہے کہ ہماری محبت میں کبھی بھوکے پیاسے رہو۔ کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب پر اپنا مال فدا کرے، یہ زکوٰۃ ہے کہ اگر مجھ پر اپنا مال فدا کرنا چاہتے ہو تو میرے نادار اور غریب بندوں پر مال خرچ کرنا مجھ پر ہی مال فدا کرنا ہے۔

نماز کے اندر حالتِ قیام میں یہ خیال رہے کہ ہم اس محبوبِ حقیقی کے

سامنے کھڑے ہیں کہ جس کی محبوبیت اور حسن و جمال کی کوئی مثال نہیں:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾

(سورۃ الشوریٰ: آیۃ ۱۱)

پھر جب رکوع میں جاؤ تو خیال کرو کہ یہ کمر کس عظمت والی ذات کے سامنے جھکی ہے، آج اس کمر کا حق ادا ہو گیا کہ جس نے یہ کمر دی ہے، اُس ذات کے سامنے اس کو جھکا رہا ہوں اور جب سجدے میں جاؤ تو یہ تصور کرو کہ یہ سر، سازندۂ سر یعنی جس نے سر بنایا ہے اس کی آغوش میں ہے، غلام کا سر آقا کی آغوش میں ہے۔ اس طرح نماز پڑھو گے تو پھر نماز کا مزہ ہے، یہی احسان ہے:

((اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)؛ کتاب الایمان؛ ج ۱ ص ۱۲)

اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو اللہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔ ذرا خیال کرو کہ اگر کوئی ایسا حسین ہو کہ جس کا مثل پورے عالم میں کوئی نہ ہو تو عاشقین کو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے میں کیسا مزہ آئے گا۔ لٰہذا نماز میں یہی مراقبہ کرو کہ ایسی حسین ذاتِ پاک کے سامنے کھڑے ہیں کہ عالَم میں اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے حسینوں کو اسی کے خزانۂ حسن سے بھیک کا ایک ذرہ مل گیا ہے، ورنہ یہ دنیا کے حسین کیا حسین ہیں، گُو موت کرنے والے، جن کی لاشیں قبروں میں سڑ جاتی ہیں۔ بھلا یہ اس قابل ہیں کہ ان سے دل لگایا جائے! جان کا رابطہ اُس ذات سے قائم کرو جو خالقِ حسن ہے اور جس کے حسن و جمال میں کبھی زوال نہیں آ سکتا۔

اگر یہ استحضار ہر وقت رہنے لگے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو بس کام بن جائے اور بہت جلد اللہ مل جائے۔ بتاؤ! جب دل کی آنکھیں ہر وقت یہ دیکھیں گی کہ ہمارے اللہ میاں ہم کو دیکھ رہے ہیں تو ایسا شخص گناہ کر سکتا ہے؟ گناہ کیسے کرے گا؟

خدائے تعالیٰ جو دیکھ رہے ہیں، شرم آئے گی، گناہ کے خیال سے ہی مارے شرم کے زمین میں گڑ جائے گا، خوف سے کانپنے لگے گا کہ اللہ میاں دیکھ رہے ہیں۔

احسان کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ ہر وقت یہ خیال رہے کہ ہم اللہ میاں کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ہر شخص کے لئے یہ مراقبہ آسان نہیں ہے، اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے فرمایا کہ اگر تُو نہیں دیکھتا تو اللہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے، فَإِنَّهٗ يَرَاكَ میں كَأَنَّكَ تَرَاهُ شامل ہے۔ اللہ کا تجھے دیکھنا ایسا ہی ہے کہ جیسے تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ جیسے کوئی اندھا جب کسی کے پاس ملنے جاتا ہے تو وہ واپس آکر دوسرے لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کو دیکھ آیا، حالانکہ وہ دیکھتا نہیں تھا لیکن کیونکہ دوسرا اس کو دیکھ رہا تھا اس لئے اس اندھے کو یہ مزہ ملا کہ گویا وہ بھی اس کو دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ محبوبیت کی فرضیت پر عقلی و نقلی دلائل

ارشاد فرمایا کہ اللہ نے انسان کو اپنے اخلاق پر پیدا فرمایا ہے، یعنی اپنے اخلاق کا تھوڑا تھوڑا حصہ انسان کے اندر ودیعت فرما دیا ہے، لہٰذا اخلاقِ انسانیہ اخلاقِ الٰہیہ کا مظہر ہیں بشرطیکہ وہ قلبِ سلیم رکھتا ہو۔ جیسے اللہ رحیم ہے تو اپنی رحمت کا ایک ذرہ انسان کو دے دیا کہ جب آدمی کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھتا ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے، یہ دل کا نرم ہونا کیا ہے؟ یہ وہی ذرۂ رحمت ہے جو خزانۂ رحمت سے عطا ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ قہار ہے تو انسان میں بھی قہر و غضب رکھ دیا کہ جب وہ اپنی مرضی کے خلاف کوئی کام ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے۔

اسی طرح انسان پسند کرتا ہے کہ وہ جتنا اپنے دوست اور محبوب کو چاہتا ہے اس کا محبوب بھی اسے اتنا ہی چاہے۔ تو جیسے دنیا میں ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کا محبوب اس سے زیادہ کسی کو نہ چاہے، ویسے ہی اللہ بھی ہم سے یہی چاہتا ہے کہ تم ہم سے زیادہ کسی کو نہ چاہو، نہ اپنی ماں کو، نہ اپنے باپ کو، نہ اپنے بیوی بچوں کو، نہ اپنے

خاندان کو، حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی ہم سے زیادہ نہ چاہو، ہم تمہارے خالق ہیں، تمہارا ہر ہر ذرہ ہماری مخلوق ہے، تمہاری جان بھی تمہاری نہیں ہے، ہماری ہے۔ تمہارے ماں باپ، تمہارے بیوی بچے جو تمہارے محبوب ہیں، کیا وہ تمہارے خالق ہیں جو تم انہیں ہم سے زیادہ چاہتے ہو؟ جو تمہارے خالق بھی نہیں، ان کو تو یہ حق حاصل ہو کہ تمہاری محبتیں ان کے لئے وقف ہو جائیں اور ہم جو تمہارے خالق ہیں، تمہارے مالک ہیں، ہمیں یہ حق حاصل نہ ہو کہ تم ہم سے زیادہ کسی کو نہ چاہو؟ ہمارے عاشقین تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو ہم سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ﴾

(سورۃ المجادلۃ: آیۃ ٢٢)

اے ہمارے نبی! آپ نہیں دیکھیں گے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی رکھیں ایسے شخصوں سے جو دشمنی رکھتے ہیں اللہ اور رسول سے، گو وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا خاندان والے ہی ہوں (بیان القرآن)۔ ہم ان کو اتنے محبوب ہیں کہ جو ہمارا دشمن ہے، یہ ہمارے بندے ان سے دشمنی و بغض رکھتے ہیں، چاہے وہ ان کے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں، یہ ہم سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے۔ ان کو یہ محبت کیسے عطا ہوئی؟

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾

(سورۃ المجادلۃ: آیۃ ٢٢)

ارے! ہم نے ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے۔ ایمان محبت کا دوسرا نام ہے، ہم نے ان کے دلوں میں اپنے ہاتھ سے اپنی محبت لکھ دی ہے۔ ہمارے لکھے ہوئے کو کون مٹا سکتا ہے؟ باپ، بھائی اور خاندان تو کیا اگر ساری کائنات کی طاغوتی اور شیطانی قوتیں بھی ان کے دل سے ہماری لکھی ہوئی محبت کو مٹانا چاہیں گی

تو مٹا نہ سکیں گی۔ یہ تو اللہ کا فرمان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)؛ باب حب الرسول من الایمان؛ ج ۱ ص ۷)

تم میں سے کوئی مومنِ کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور تمام کائنات کے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ جب تک یہ حال نہ ہو سمجھ لو ایمان کامل نہیں ہے۔

مومنِ کامل وہ ہے جس کو حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک دونوں عالم سے اور دونوں عالم کی نعمتوں سے زیادہ محبوب ہو جائے، حتیٰ کہ جنت سے اور حوروں کی طرف سے بھی صرفِ نظر ہو جائے، کیونکہ حوریں بھی مخلوق ہیں، خالق نہیں ہیں، نعمت ہیں، منعم نہیں ہیں۔ تو اگر مخلوق، خالق سے زیادہ اور نعمت، منعم سے زیادہ محبوب ہے اور اگر حق تعالیٰ کے دیدار کے مقابلہ میں حوروں کی طرف زیادہ التفات و توجہ ہے تو ایسا شخص بھی ولیٔ کامل نہیں ہے۔ یہ اَور بات ہے کہ جوتے نہ پڑیں اور بخش دیا جائے اور جنت بھی عطا کردی جائے لیکن خواص اولیاء اللہ کے گروہ میں داخل نہیں ہوگا، کامل ولی تو وہی ہیں جو عاشقِ ذاتِ حق ہیں ؎

بذکر حبیب از جہاں مشتغل
بہ سودائے جاناں ز جاں مشتغل
بیاد حق از خلق بگریختہ
چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

ترجمہ: محبوبِ حقیقی کے عشق میں یہ اپنی جان سے بے پرواہ اور اپنے محبوب کی یاد میں سارے جہان سے مستغنی ہیں، اللہ کی یاد میں خلق سے کنارہ کش ہیں اور اس ساقیٔ ازل کی ذات پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ نعمتوں کی شراب کی طرف التفات باقی نہ رہا۔

دینِ اسلام میں قیامت تک تبدیلی نہ ہونے کی عجیب تمثیل

ارشاد فرمایا کہ زمانے کا بچپن حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے تو جس طرح بچہ بڑھتا رہتا ہے تو اس کا لباس اس کی عمر کے اعتبار سے تبدیل اور بڑا ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہوجاتا ہے تو پھر اسے ایسا لباس عطا کیا جاتا ہے جس میں دوبارہ تراش خراش کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ اب جسم کا نشو ونما کمال کو پہنچ چکا ہے، پھر وہ لباس زندگی بھر کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح جوں جوں دنیا بڑھتی رہی، انبیاء علیہم السلام اس کے سائز کے مطابق لباسِ دین لاتے رہے اور جب کائنات بالغ ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ اس دنیا کے لئے ایسا لباسِ دین دیا گیا جو اس دنیا کی پوری حیات کے لئے کافی ہے، قیامت تک کے لئے دنیا کو دینِ اسلام کا لباس عطا کردیا گیا جس میں اب کوئی قطع وبرید نہیں ہوگی۔

اسلام کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل

۱۲/ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل میں سے ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ اپنے علاوہ تمام ادیان کو باطل کہتا ہے، کیونکہ حق اپنے خلاف ومتضاد کو حق نہیں کہہ سکتا۔ برخلاف اس کے کہ دوسرے مذاہب، اسلام کو بھی حق کہتے ہیں اور خود اپنے آپ کو بھی حق کہتے ہیں کہ تمہارا مذہب بھی صحیح، ہمارا مذہب بھی صحیح۔ ان ادیان کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اگرچہ یہ اسلام کو اپنے خلاف اور متضاد پا رہے ہیں لیکن اس تضاد کے باوجود اس کو بھی حق کہتے ہیں اور خود اپنے کو بھی حق کہتے ہیں کہ تمہارا خدا بھی صحیح اور ہمارے بت بھی صحیح، جس کو چاہے مان لو۔ یہ صلح پسندی خود ان کے ادیان کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ حق کو باطل اس لئے نہیں کہہ رہے کہ حق، باطل کو باطل کہنے سے

باز آجائے اور صلح ہوجائے۔ لیکن اسلام ببانگِ دہل اعلان کرتا ہے کہ اب اسلام کے علاوہ کوئی دین عند اللہ قابلِ قبول نہیں اور اسلام کے علاوہ تمام دینوں کے پیروکار جہنمی ہیں۔ اس اعلان کے بعد تو عقلاً خود کفار پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ چھان بین کریں کہ آیا کون سا مذہب سچا ہے، اور ان پر اسلام کا قبول کر لینا عقلاً بھی ضروری ہوجاتا ہے کیونکہ جو مذاہب یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی حق ہیں اور ہمارا غیر بھی حق ہے تو ان کو نہ ماننے میں بلکہ ان کا انکار کر دینے میں عقلاً کوئی نقصان نہیں ہے لیکن جو دین یہ کہہ رہا ہو کہ میرے علاوہ سب دین باطل ہیں، اس کو نہ ماننا اور انکار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ لہٰذا کفار کے ذمہ یہ تحقیق لازم ہے کہ وہ یہ چھان بین کریں کہ کون سا مذہب سچا ہے۔

عدل اور فضل کی توضیح سے ایک شبہ کا ازالہ

اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کافر کے گھر پیدا کر دیا، ان کے لئے تو حق کی معرفت دشوار ہے بہ نسبت ان کے جو مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور ایک فضل ہے۔ حق تعالیٰ کا عدل تو مومن و کافر دونوں کے لئے عام ہے، یعنی اپنے عدل سے انہوں نے جتنی عقل مومن کو دی ہے اتنی ہی کافر کو بھی دی ہے، یعنی ہر کافر کو مومن کے برابر ہی عقل دی گئی ہے تاکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کو عقلاً تسلیم کر سکے، عقل سے پہچان سکے۔ حق تعالیٰ نے اس بارے میں عدل فرمایا ہے اور مومن اور کافر میں کوئی فرق نہیں کیا، درجۂ ضرورت میں سب کو برابر عقل عطا فرمادی، اور دوسرا درجہ سہولت اور فضل کا ہے کہ جس کو مسلمان کے گھر پیدا فرمایا، اس کو ایک آسانی اور فضل دے دیا کہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آسانی سے پہچان لے، جس کو کافر کے گھر پیدا کیا، یہ عدل ہے اور جس کو مسلمان کے گھر پیدا کیا، یہ فضل ہے اور فضل عدل کے خلاف نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آپ نے دو مزدور رکھے اور ان کی مزدوری یہ طے کی کہ دونوں کو پچاس پچاس روپے دیئے جائیں گے، اور شام کو آپ نے دونوں مزدوروں کو پچاس پچاس روپے دے دیئے لیکن ان میں سے ایک کو ایک گھڑی بھی دے دی۔ اب دوسرا مزدور یہ نہیں کہہ سکتا کہ صاحب! آپ نے میرے اوپر ظلم کیا کہ مجھے گھڑی نہیں دی۔ اگر اس نے یہ کہا تو مالک کہے گا کہ تمہاری جو مزدوری طے ہوئی تھی، وہ میں نے دونوں کو برابر دی ہے اور اس کو جو گھڑی دی ہے، یہ میرا فضل ہے۔ اسی طرح اللہ نے جس کو کافر کے گھر پیدا کیا، اس کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے، کیونکہ کافر کے گھر پیدا ہونے والے اور مومن کے گھر پیدا ہونے والے دونوں کو یعنی کافر اور مومن کو عقل برابر دی ہے۔ کافر کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اس عقل سے اللہ کو پہچانے اور ایمان لائے اور جس کو مومن کے گھر پیدا کیا، اس کو ایک آسانی دے دی کہ اس کو ایمان لانا آسان ہوجائے، یہ فضل ہے جو عدل کے خلاف نہیں۔

کسی عزیز کی موت سے انسان پر عائد ہونے والے تین حق

ارشاد فرمایا کہ کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت ہوجانے پر انسان پر تین حق عائد ہوتے ہیں:

(۱)......اللہ کا حق یعنی اس کے مالک اور رحیم ہونے کا حق کہ اس مصیبت پر صبر کرے، یعنی شکایت اور اعتراض نہ کرے اور تسلیم و رضا یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو دل سے قبول کرے اور اس پر راضی رہے۔

(۲)......مردے کا حق یعنی اس کو ایصالِ ثواب کرتا رہے۔

(۳)......اپنا حق یعنی دنیا کی فنائیت کو سوچے اور آخرت کی تیاری کی فکر کرے۔

منیٰ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک الہامی دعا

ارشاد فرمایا کہ ہم نے منیٰ میں یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ وہ زمین ہے

جہاں تیری راہ میں تیرا ایک نبی گردن بچھائے ہوئے تھا اور ایک نبی تیری راہ میں بیٹے کی گردن پر چھری پھیرنے کو تیار کھڑا تھا۔ اے اللہ! اس زمین کے ان ذرات کے صدقہ! تُو ہمیں ہماری نفسانی خواہشات کو قربان کرنے کی توفیق عطا فرمادے اور ہمیں معاف فرمادے اور اس قربانی کے صدقہ میں ہمارے دل میں اپنی نسبتِ خاصہ کا انعام عطا فرمادے۔

اہل اللہ کے قربِ خاص کا عالم

ارشاد فرمایا کہ سجدہ میں جب کسی اللہ والے کی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور دل اللہ کے لئے بے قرار ہوتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو اسے ساتوں آسمان پاس سے گذرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ اللہ دل سے گذر رہا ہے، خالقِ کائنات کا دل سے عبور ہو رہا ہے۔ جیسے جدھر سے بادشاہ گذرتا ہے تو پوری حکومت وسلطنت اس کے ساتھ گذرتی ہوئی نظر آتی ہے، پوری مملکت اس کے وجود میں رہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اس کی سلطنت کا رعب ہوتا ہے۔ پس جس دل سے شہنشاہِ کائنات عبور فرمارہا ہو تو اگر اس حالتِ خاصّہ میں ساتوں زمین، ساتوں آسمان، لوح وقلم، عرش وکرسی، غرض پوری کائنات پاس سے گذرتی ہوئی محسوس ہو تو کیا تعجب ہے؟ کیونکہ اللہ اس کے دل سے عبور فرمارہا ہے، اس لئے اس کی سلطنت بھی اس کے ساتھ گذرتی ہے۔

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گذرے

آہِ سالک کی تربیت کا غیبی انتظام

۱۴؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۷؍اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ ابتدائے سلوک میں اللہ کی یاد میں جو آنسو اور آہ نکلتی ہے،

اس کا کوئی قدردان نہیں ہوتا، محلہ والے اور خاندان والے اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس کو مکار اور دیوانہ کا لقب دیتے ہیں، غرض کوئی اس کی آہ کا خریدار نہیں ہوتا۔ غموں کی آنچ کا یہ انتظام حق تعالیٰ اس کی آہ کی تربیت اور پختگی کے لئے کرتے ہیں تاکہ مخلوق کا حجاب دل سے اُٹھ جائے اور یہ آہ واصل باللہ ہوجائے۔ سالک کی بے سروسامانی اور نگاہِ خلق کی ناقدردانی اس کی آہِ خام کو پختہ کرتی ہے اور اس آہ میں اَور زیادہ شدت پیدا کرتی ہے۔ اگر شروع ہی میں خلق اس کی قدردانی کرنے لگتی اور ہاتھ پاؤں چومنے لگتی تو یہ آہ عرشی ہونے کے بجائے فرشی ہوکر رہ جاتی اور حق تعالیٰ کے شرفِ قبولیت سے محروم ہوجاتی اور یہ شخص عبد المخلوق ہوجاتا، عبداللہ نہ رہتا۔

مخلوق کی ناقدری اور حقارت کے سبب خود مخلوق اس سالک کی نگاہوں میں حقیر ہوجاتی ہے۔ حقیر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خود کو مخلوق سے افضل سمجھنے لگتا ہے، وہ تو اپنے کو کتے اور سور سے بھی بدتر سمجھتا ہے اور ساری مخلوق کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق پرستی اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ اور انابتِ کاملہ کی توفیق ہوجاتی ہے اور ساری کائنات سے صرفِ نظر کرکے اخلاص کے ساتھ تنہائیوں میں اپنے اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے، اس حال میں کہ ؎

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیر خدا محرم نبود

یعنی میری آہ کا سوائے آسمان کے کوئی ساتھی نہیں اور میرے رازِ محبت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہر ذرۂ کائنات اس کو سماعتِ حق معلوم ہوتا ہے کہ ہر ذرہ کے کانوں سے اللہ تعالیٰ میری آہ کو سن رہے ہیں، اور یہ احساس کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی میری آہ کے خریدار ہیں، اس کو سارے جہان سے بے نیاز کردیتا ہے۔ اس وقت اس کو اپنی آہ بادشاہوں کے تخت وتاج سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے اور اپنی ہی آہ سے اس کو محبت ہوجاتی ہے کہ اگر پورے روئے زمین پر کوئی اس کا جلیس وہمراز نہ ہو تو بھی

اس کی یہ آہ اور اس کا غم اس کی زندگی کو پرکیف رکھنے کے لئے کافی ہے۔ جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو، اس کی آہ کا کوئی خریدار بھی عطا فرمادیتے ہیں، جو اس کے غم کا سمجھنے والا اور اس کے نالہ وفریاد کا رازدان ہوتا ہے، کیونکہ اب اس کی آہ پختہ ہوچکی، اب یہ کسی واہ سے متاثر نہیں ہوسکتی ؎

رنج دینے سے وہ باز آئے تو کب
رنج کھانے کی جب عادت ہوگئی

جلوت مع الخلق کا نفع موقوف ہے خلوت مع الحق پر

ارشاد فرمایا کہ ساقیٔ ازل تعالیٰ شانہ نے جانِ پاکِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جامِ محبت کو غارِ حرا میں خوب خوب بھرا اور خوب خوب پلایا، یہاں تک کہ وہ چھلکنے کے قریب ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قوم کے اندر بھیجا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قیمتی جام پہاڑوں کے پتھروں پر چھلک کر ضائع ہوجائے، یہ ہماری محبت کا جام ہے، یہ ہم نے پتھروں پر چھلکانے کے لئے نہیں بنایا، اس سے ایک عالَم کو سیراب کرنا ہے۔ یہ تو اُمت کے دلوں پر چھلکے گا اور صدیقِ اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے اولیاءِ صحابہ رضی اللہ عنہم پیدا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ یہی ہے کہ خلوت کے بعد اپنی محبت کی دولت عطا فرماتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خانقاہوں میں مشائخِ اُمت ایک مدت تک سالکین کا انقطاع عن الخلق یعنی اللہ سے غافل کرنے والے تعلقاتِ دنیوی سے علیحدہ کراتے ہیں، یہاں تک کہ اس خلوت اور ذکر اللہ کی بدولت قلب میں تعلق مع اللہ کا رسوخ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد جب جلوت میں مخلوق کے درمیان آتا ہے تو اَب دنیا اس پر غالب نہیں آسکتی، کیونکہ یہ خود اللہ کی محبت سے مہک چکا ہے، اب یہ دوسروں کو مہکاتا ہے۔

روحانی اور جسمانی بلوغ میں صوری تناسب ہے، معنوی نہیں۔ جیسے جب

بچہ بلوغ کو پہنچتا ہے اور جب اس سے دوسرے جسموں کی پیدائش اور تربیت کا کام لیا جانا ہوتا ہے تو اس وقت اس کا جام بھی چھلک جاتا ہے یعنی احتلام ہوتا ہے، یہ علامت ہے کہ اس کا جسم بالغ ہو چکا، اب اس سے اولاد پیدا ہوگی۔ اسی طرح جب روح بالغ ہوتی ہے تو جامِ محبتِ الٰہیہ اس سے چھلکتا ہے، اس وقت وہ اس قابل ہوجاتی ہے کہ دوسری ارواح کی تربیت کر سکے اور ان کو اللہ کی محبت کے درد سے آشنا کردے، یہ اس کی روحانی اولاد ہے۔ اب اس شخص سے دوسری جانیں اللہ والی ہوجائیں گی، اور جس طرح بالغ ہونے والا اپنے بلوغ کو جان لیتا ہے، اسی طرح خود طالب کو بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آج میری روح جوان ہوگئی، لیکن روح کے بلوغ کو ہر ایک نہیں پہچان سکتا بلکہ اس کو شیخِ مُبصّر ہی پہچانتا ہے۔

ذکرِ بے لذت پر مداومت کمالِ بندگی اور ترقی کا بڑا ذریعہ ہے

ارشاد فرمایا کہ جب ذکر میں سکون ملے اور مزہ آئے تو ذکر کرنا آسان ہے، کمال تو یہ ہے کہ مزہ نہ بھی آئے اور بظاہر دل کو سکون نہ بھی معلوم ہو تب بھی ذکر کو نہ چھوڑے۔ جو شخص ذکر کو صرف اس لئے چھوڑ دے کہ ذکر میں سکون تو ملتا نہیں، اب کیا ذکر کریں تو ایسا شخص تو عبدالسکون ہوا، عبداللہ تو نہیں ہوا۔ یہ وقتِ امتحان ہوتا ہے، اللہ دیکھتا ہے کہ دیکھو! میرا بندہ تنہائی میں بیٹھا ہوا میرے ذکر میں مشغول ہے، اگرچہ اس وقت میرا نام لینے میں اس کے دل کو بظاہر کوئی سکون نہیں مل رہا، کوئی مزہ بھی نہیں آرہا، کوئی فائدہ بھی اس کو محسوس نہیں ہو رہا ہے لیکن دیکھو! یہ میرا بندہ مجھ کو صرف میرے لئے یاد کر رہا ہے، اس کا مقصود صرف میں ہوں، اس نے میرے علاوہ ہر چیز سے صرفِ نظر کر لیا ہے تو ایسے ذاکر کو اللہ تعالیٰ زیادہ چاہتے ہیں اور اس کو اپنا بنا لیتے ہیں۔

اخلاقِ حسنہ ورذیلہ میں تمیز اہل اللہ کی صحبت سے ملتی ہے

ارشاد فرمایا کہ سمندر میں آبِ شیریں اور آبِ شور یعنی میٹھا اور کھارا پانی ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں، ایسے ہی اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ رذیلہ کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک شخص بظاہر تو تحدیث بالنعمۃ کررہا ہے یعنی اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو بطور شکرانے کے بیان کررہا ہے کہ الحمدللہ! اللہ نے مجھے بہت دیا ہے، کار ہے، بنگلہ ہے، میں ایسا مولوی نہیں ہوں جو دربدر چندہ مانگتا پھرتا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ میں دس آدمیوں کو اپنے دستر خوان پر کھلاتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر شکرانِ نعمت کررہا ہے لیکن اس کی تہہ میں تکبر چھپا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ شکرانِ نعمت کی سرحد تکبر سے ملی ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک شخص بظاہر تواضع کررہا ہے کہ میاں! میرا کیا ہے، غریب آدمی ہوں، ایک جھونپڑا ہے، جس میں زندگی کے دن گذار رہا ہوں، حالانکہ جناب اچھے خاصے محل میں رہ رہے ہیں تو بظاہر یہ تواضع ہے لیکن دراصل ناشکری ہے۔ معلوم ہوا کہ تواضع کی سرحد ناشکری سے ملی ہوئی ہے۔

لہٰذا! اب سوال یہ ہے کہ کہاں اخلاقِ حسنہ کی سرحد ختم ہوتی ہے اور کہاں سے اخلاقِ رذیلہ کی سرحد شروع ہوگی، یہ تمیز کیسے ہوگی؟ یہ تمیز صرف اولیاء اللہ کی صحبت سے، ان کے سامنے اپنے کو مٹانے سے اور ان سے اپنی اصلاح کے اہتمام سے ہوگی، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ہے ہی نہیں۔ چاہے کوئی کتنا ہی بڑا علامہ ہوجائے، عالم کیا استاذ العلماء ہوجائے، وہ بھی اہل اللہ کی صحبت کا محتاج ہے ورنہ اس کی بھی اصلاح ناممکن ہے۔ لاکھ کتابیں پڑھ لے، اس کا آبِ شیریں آبِ شور کی آمیزش سے پاک نہیں ہوگا۔ کتابوں والا کبھی آبِ شیریں کو پی لے گا، کبھی آبِ شور کو پی لے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی کہ میں کیا پی رہا ہوں، یعنی اس کے اخلاقِ حسنہ اخلاقِ رذیلہ کی آمیزش سے پاک نہ ہوسکیں گے۔ لہٰذا جو علماء صحبت یافتہ نہیں ہوتے وہ نفس کا تزکیہ نہ کرانے کی وجہ سے ولی بھی نہیں ہوتے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے پاس آنے والے سالکین کو تین ہدایات

۲۹ ؍ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۴ ؍جون ۱۹۷۱ء
۴۔جی ۱۲ / ۱ ناظم آباد کراچی

ارشاد فرمایا کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے یہاں آ کر تین باتوں کا اہتمام رکھیں:

(۱)......جب میں بات کروں تو ہمہ تن گوش ہو کر میری بات سنیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب پیر بات کرے تو اس پر نگاہِ محبت و احترام ڈالے، اس وقت نہ ذکر کرے، نہ کوئی کتاب دیکھے، یہ بے ادبی ہے۔

(۲)......جب میں نہ ہوں تو پھر میری یا بزرگوں کی کوئی دینی کتاب پڑھیں۔

(۳)......اور کچھ وقت مسجد میں بیٹھ کر ذکر وغیرہ کریں۔

ایک شرکیہ جملہ کی اصلاح

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا۔ یہ جملہ نہ کہنا چاہیے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اگر اللہ نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واسطہ تو بنایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے پیارے اور سب سے زیادہ محبوب ہیں اور اللہ کے بعد ان سے زیادہ بزرگ و برتر کوئی نہیں ہے، اس لئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ اے اللہ! اپنے نبیٔ رحمت کے صدقہ میرا یہ کام کر دے لیکن اللہ کے چاہنے میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ﴾

(سورۃ الفرقان: آیۃ ۲)

اللہ تعالیٰ کی حکومت میں کوئی شریک نہیں ہے، رزق دینا نہ دینا، موت اور زندگی، غرض تمام نفع و ضرر کا مالک صرف اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ایک اور جگہ فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا○﴾
(سورۃ الجن: آیۃ ۲۱)

اے ہمارے نبی! آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تمہارے نفع وضرر کا مالک نہیں ہوں۔ یہ کہنا کہ اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی حکومت میں نبی بھی شریک ہے، یعنی عرش سے اللہ اور اس کے نبی دونوں کے احکامات ساتھ جاری ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ و رسول کے درجہ کو برابر کر دینا ہوا اور یہی تو شرک ہے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس قدر تھی کہ وہ جب کعبہ کو دیکھتے تھے تو میلوں پہلے جوتے اُتار دیتے تھے اور اللہ کی عظمت کے سامنے لرزہ براندام رہتے تھے اور ان کے ہاتھ اللہ کے سامنے اسی طرح اٹھتے تھے جس طرح کسی بھکاری کے ہاتھ اپنے داتا اور مالک کے سامنے اٹھتے ہیں۔ غرض دعا اس طریقے سے مانگے کہ اے اللہ! اپنے اس نبیٔ رحمت کے صدقہ میں کہ جن سے زیادہ پیارا کوئی دوسرا آپ کے نزدیک نہیں ہے، اے اللہ! میں آپ کو اُن کی محبوبیت کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میری یہ دعا قبول فرما لیجیے۔

ایک درد بھری دعا

ارشاد فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو کہ اے اللہ! میں تو آپ کا ہوں ہی لیکن آپ بھی میرے ہیں یا نہیں؟ اس کی مجھے خبر نہیں۔ اے اللہ! آپ کی رحمت کا واسطہ کہ آپ بھی میرے ہو جائیے۔

درسِ محبت کے دو مختلف رنگ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

درس شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات ست و باب و سلسلہ

اہل اللہ کا درسِ محبت روحوں پر زلزلہ طاری کرتا ہے اور دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے۔ ان کے درس میں فقہ وفلسفہ ومنطق کی بحث نہیں ہوتی کیونکہ وہ دین کے دوسرے شعبے ہیں اور ان کا مقصد احکام جاننا ہے اور احکام کا مقصد ان پر عمل کرنا ہے اور عمل کی توفیق محبت سے ہوتی ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو احکام جاننے کے باوجود ان پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس لئے احکام پر عاشقانہ عمل کرنا اور اللہ کو خوش و راضی کر لینا، اہل اللہ سکھاتے ہیں، اور یہی ان کے درسِ محبت کا موضوع ہے ؎

آں طرف کہ عشق می افزود درد
بوحنیفہ و شافعی درسے نکرد

جس سمت عشق، اللہ کی محبت و طلب کے درد کو لے چلتا ہے (یعنی اللہ کی معرفت کی طرف) تو امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اس طرف جانے کا سبق نہیں پڑھایا۔ یہ حکم تغلیباً ہے، یعنی انہوں نے اللہ کی محبت اور معرفت کے جو مضامین بیان کئے تو اُن پر فقہ کا رنگ غالب تھا، عشق و مستی ان کا دائرہ کار نہ تھا اور اللہ تعالیٰ سے دور لوگوں کو جو اللہ کے قریب کرنے کا کام انہوں نے کیا وہ فقہ کے ذریعہ تھا۔ چونکہ ان سے فقہ مدون کرانا تھا اس لئے ان حضرات کے طبائع پر خدائے تعالیٰ نے اس رنگ کو غالب کر دیا، ورنہ محبت کی چاشنی تو ان کے سینوں میں بھی خوب موجود تھی لیکن تکوینی طور پر اس کو مغلوب رکھا گیا۔ اور جن لوگوں سے محبت کی آگ لگانا تھی، ان کے طبائع پر محبت کو غالب کر دیا گیا اگرچہ شانِ فتویٰ ان میں بھی موجود تھی لیکن مغلوب تھی۔

اس لئے ''بوحنیفہ و شافعی درسے نکرد'' تغلیباً ہے، نفی محبت نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ ان حضرات میں محبت نہیں تھی، محبت تھی لیکن ان کا درسِ محبت، فقہ کے ذریعہ تھا اور جن حضرات پر محبت کا رنگ غالب تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فقیہ نہ تھے، فقیہ وہ بھی تھے لیکن کیونکہ ان سے فقہی احکام پر عمل کرنے کے لئے

محبت کی آگ لگانا تھی، اس لئے ان پر محبت کا رنگ غالب کر دیا گیا۔ جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں شانِ صدیقیت غالب تھی اس لئے ان کو صدیق کہا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں شانِ فاروقیت غالب تھی تو ان کو فاروق فرمایا گیا، حالانکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق بھی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، صدیق بھی تھے لیکن جو چیز غالب تھی لقب اس کا ہی دیا گیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی الہامی شرح

ارشاد فرمایا کہ

خوب رویاں آئینہ خوبی او
عشق ایشاں عکس مطلوبی او

تمام خوبروؤں اور حسینوں کا حسن ان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حسن کے آئینے ہیں اور ان حسینوں کی معشوقی حق تعالیٰ کی مطلوبی کا عکس ہے۔ جیسے آئینہ میں جو شکل نظر آتی ہے، وہ مطلوب ہوتی ہے، آئینہ مطلوب نہیں ہوتا۔ اس لئے ان حسینوں کے آئینوں میں اپنا ہلکا سا عکس دکھا کر ان کی طرف دیکھنے کو منع فرما دیا، یعنی متنبہ کر دیا کہ خبردار! ان آئینوں کو نہ دیکھنا بلکہ ہمیں دیکھنا کہ یہ آئینے مطلوب نہیں، ہم مطلوب ہیں، تاکہ ان آئینوں سے ہمارے بندے دھوکہ نہ کھا جائیں اور بجائے ہمارے، ہمارے عکس سے محبت نہ کرنے لگیں۔

حسینوں کی سنگ دلی بندوں پر اللہ کا احسانِ عظیم ہے

ارشاد فرمایا کہ بتوں (یعنی حسینوں) کو ظالم بنا کر اللہ نے عاشقوں پر رحم فرمایا ہے کہ جب ان کے ظلم سے تنگ آئیں گے تب اللہ یاد آئے گا۔ اگر اللہ ان بتوں (حسینوں) کو رحم دل بنا دیتا تو کون ان کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آتا بلکہ ہمیشہ مبتلائے معصیت رہتا۔

موت کی ایک تمثیل

ارشاد فرمایا کہ جب بجلی کا بٹن بند ہوتا ہے اور بلب بجھتا ہے تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہی موت ہے۔ عالمِ امر میں جہاں سے ہماری روح آئی ہے، وہاں ہر شخص کی زندگی کے بٹن لگے ہوئے ہیں، جس کے بٹن کو اللہ میاں بند کرتے ہیں، اس کی زندگی کا چراغ بجھ جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔

دعائے ہدایت کا ایک عاشقانہ انداز

ارشاد فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر چلنے اور اس پر جمے رہنے کے لئے یوں دعا کیا کرو کہ اے اللہ! اگرچہ میں نے ہدایت کے راستے پر چلنے کا ارادہ کیا ہوا ہے لیکن میرا ارادہ تو گھاس پھوس سے بدتر ہے۔ اے اللہ! بات تو جب ہے کہ جب میری ہدایت کو تُو چاہ لے، میری ہدایت کا تُو ارادہ کرلے، پھر تیرے ارادے کو کون توڑ سکتا ہے؟ اے اللہ! اس نبیٔ رحمت کا واسطہ کہ جس کے صدقہ میں آپ نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، میری دعا قبول فرمالیجیے۔

اللہ سے محبت کی سب سے بڑی علامت

ارشاد فرمایا کہ جتنا مقصود قیمتی ہوتا ہے، ذریعۂ مقصود بھی اتنا ہی قیمتی ہوجاتا ہے۔ جس کے دل میں جس قدر اللہ کی محبت ہوتی ہے، اتنی ہی اس کے دل میں اہل اللہ کی محبت بڑھتی جاتی ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی جان اللہ کی طالب تھی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! صدیق کی جان، صدیق کا مال و آبرو آپ پر قربان ہے۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! صدیق کو تین چیزیں کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ہیں:

((اَلنَّظَرُ اِلَیۡكَ وَالۡجُلُوۡسُ بَیۡنَ یَدَیۡكَ وَاِنۡفَاقُ مَالِیۡ عَلَیۡكَ))

(تفسیر روح البیان: (دار الفکر، بیروت)؛ سورۃ النمل؛ ج۶ ص ۳۶۲)

آپ کو ایک نظر دیکھ لینا اور آپ کے سامنے بیٹھے رہنا اور اپنا مال آپ پر خرچ کرنا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

اللہ کو اپنے بندوں کا ایمان بہت عزیز ہے

ارشاد فرمایا کہ اللہ سے اللہ کو مانگو تو اللہ ضرور ملے گا، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کو ہمارا ایمان اور ہمارا تعلق عزیز ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے، کتابیں نازل کیں، اپنے انبیاء کا قتل گوارا کیا، اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے صدقہ زمین وآسمان، دنیا وآخرت پیدا کئے گئے، جن کے خون کا ایک قطرہ زمین وآسمان، دنیا وجنت اور تمام کائنات سے زیادہ قیمتی ہے، ان کے پاک خون کو ہماری ہدایت کے لئے اللہ نے سستا کر دیا۔ اللہ کی رحمت تو دیکھو کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیر برسانے والے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایمان عطا کیا جا رہا ہے۔ حد ہے اس رحمت کی کہ قاتلِ عمِ نبی (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ) کو اور عازمِ قتلِ نبی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کا ارادہ کرنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) کو اور نبی بھی کون؟ جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے، اس کے قتل کا ارادہ کرنے والے کو ایمان کی دولت سے مشرف کیا جا رہا ہے۔ کوئی تمہارے بیٹے کے قتل کا ارادہ کرے اور تمہیں کسی صورت سے معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے میرے بیٹے کے قتل کا ارادہ کیا تھا، چاہے وہ شخص اس جرم کا ارتکاب نہ بھی کر سکے تو بھی تم کبھی اس شخص کی صورت نہ دیکھو گے، عمر بھر کوئی نیکی اس کے ساتھ نہ کرو گے لیکن اللہ کی رحمت کو دیکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کا ارادہ کرنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور نبی پر جنگِ احد میں تیر برسانے والے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور نبی کے چچا کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو ایمان عطا فرما دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ہمارا ایمان کتنا عزیز ہے کہ اپنے پیارے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغض رکھنے والوں اور انبیاء علیہم السلام کے قتل کا عزم کرنے والوں کو بھی محروم نہیں کیا، جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو سب خون اور گناہ معاف ہو گیا۔ اس لئے اگر ہم اللہ سے اللہ کو مانگیں گے، روزانہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے کہ اے اللہ! میں اس وقت آپ سے دنیا کی کوئی نعمت نہیں مانگتا، بادشاہت اور وزارت نہیں چاہتا، روٹی اور کپڑا نہیں چاہتا، اے اللہ! میں آپ سے آپ کو مانگتا ہوں، آپ مل گئے تو زمین و آسمان مل گئے، ساری کائنات مل گئی۔ آپ میرے ہیں تو ساری کائنات میری ہے، شمس وقمر میری مٹھی میں ہیں، اور آپ میرے نہیں تو کوئی شے میری نہیں ہے۔ اے میرے اللہ! میں صرف آپ سے آپ کو مانگتا ہوں کہ آپ میرے دل میں آجائیں۔ بتاؤ! اس طرح اگر کوئی مانگے گا تو کیا اللہ کی رحمت کو جوش نہ آئے گا، جبکہ ان کو ہمارا ایمان انبیاء علیہم السلام کے خون سے بھی زیادہ عزیز ہے کہ ہمارے ایمان کے لئے اپنے نبی کا خون بہنا گوارا فرمالیا، جب کافروں کو یہ دولت بغیر مانگے دے دی تو کیا مانگنے والوں کو محروم رکھیں گے؟

پہلے مصلح کے انتقال کے بعد دوسرے شیخ سے تزکیہ کرانے پر ایک علمِ عظیم

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ یہ کہنا کہ اب روئے زمین پر اولیاء اللہ کہاں ہیں جن سے ہم اپنی اصلاح کرائیں یا ہم جس ولی اللہ سے بیعت ہوئے تھے، اس کے بعد اب اس جیسا دوسرا نظر نہیں آتا لہٰذا ہم کس سے بیعت و اصلاح کا تعلق رکھیں؟ یہ نفس کا بہت بڑا کید ہے اور اعراض عن الاستفادہ کی ایک چال ہے، کیونکہ حدیث شریف میں قیامت تک زمین پر ایک جماعتِ اولیاء کے موجود رہنے کی بشارت وارد ہے۔ آفتابِ نبوت کے غروب کے بعد اِهْتِدَاءٌ بِالنُّجُوْمِ منصوص ہے، یعنی نجوم سے

اھتداء (ہدایت حاصل کرنا) نص سے ثابت ہے: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (مشکوٰۃ: (قدیمی)؛ص ۵۵۴) فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نفس کے ایک بہت بڑے کید اور مکر کا علاج فرما دیا کہ نگاہِ آفتاب دیدہ یعنی سورج کو دیکھنے والی نگاہ بھی بعد غروبِ آفتاب، راہِ ہدایت کے لئے نجوم سے اھتداء کی محتاج ہے۔ ان نجوم سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، کیونکہ غروبِ آفتاب کے بعد اگرچہ آفتاب کے مقابلہ میں نجوم کا نور کتنا ہی پھیکا اور ماند سہی لیکن اب اھتداء کے لئے صرف یہ نجوم ہی ذریعہ ہیں اور قائم مقامِ آفتاب ہیں۔ اب وہ نگاہ جس نے آفتابِ نبوت کو دیکھا ہے، یہ نہ کہہ سکے گی کہ ہم نے تو آفتابِ نبوت کو دیکھا ہے، لہٰذا اس کے غروب کے بعد ہمیں تو اِن نجوم کا نور پھیکا اور ماند معلوم ہوتا ہے، اس لئے اب ہم ان نجوم سے استفادہ و ہدایت حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ نفس کا ایک بہت بڑا کید تھا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علاج فرما دیا اور قیامت تک کے لئے یہ راستہ دِکھلا دیا کہ اگر تم نے آفتابِ نبوت کو دیکھنے کے زعم میں بعد غروبِ آفتابِ نبوت، نجوم سے اھتداء سے اعراض کیا تو ہدایت کے راستہ سے محروم رہ جاؤ گے۔

پس وہ لوگ جنہوں نے کسی بڑے ولی اللہ کی صحبت اٹھائی ہے، ان کو بھی اس ولی کے انتقال کے بعد کسی دوسرے ولی سے استفادہ کرنا پڑے گا، چاہے وہ ولی اس پہلے والے آفتابِ ولایت کے مقابلہ میں مثل ستارہ ہی کے ہو، ورنہ اس راستہ کے انعامات سے محروم رہ جائے گا۔

ایک درد بھری رقت انگیز دعا

ارشاد فرمایا کہ یوں دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! میں آپ سے فریاد کرتا ہوں کہ آپ میری ہدایت کا ارادہ فرما لیجیے، کیونکہ میرا یقین ہے کہ جس چیز کا آپ ارادہ فرمالیں تو آپ کے ارادے کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی ہے، نہ نفس توڑ سکتا ہے،

نہ شیطان توڑ سکتا ہے، نہ معاشرہ اور سوسائٹی توڑ سکتی ہے، نہ میرے معاصی وسیئات توڑ سکتے ہیں، حتیٰ کہ اگر خود میں بھی توڑنا چاہوں، یعنی خود گمراہ ہونے کا ارادہ کروں تو آپ کے ارادے پر میرا ارادہ غالب نہیں آسکتا، کیونکہ آپ کے ارادے پر مراد کا تخلُّف محال ہے۔ اے اللہ! میرے ارادے تو بودے اور لچر ہیں، میں اپنے ارادوں کے دست و بازو کو ہزار دفعہ آزما چکا ہوں لیکن میرے ارادے وعزائم شیطان ونفس کے مقابلہ میں ہر دفعہ شکست کھا جاتے ہیں۔ اے اللہ! آپ ہی سے فریاد کرتا ہوں کہ آپ مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے اور میری ہدایت کا ارادہ فرمالیجیے۔ جس لمحہ آپ ارادہ فرمالیں گے، پس اسی لمحہ سے کوئی طاغوتی طاقت مجھ پر غالب نہیں آسکتی۔

اے اللہ! اگرچہ یہ مانگنا بے شرمی کا مانگنا ہے، جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے مال میں چوری کرے اور ہر دفعہ چوری کر کے معافی کی درخواست بھی پیش کر دے تو اس آقا کو اس نالائق غلام پر بجائے رحم کے غصہ ہی آئے گا اور کہے گا کہ اے نالائق! تو چوری کی جرأت کرتا ہی کیوں ہے؟ تجھے چوری پر کون مجبور کرتا ہے؟ اے اللہ! مثل اس غلام کے میں مجرم وخطا کار ہوں، جرائم سے میری ہدایت کی درخواست آپ کے رحم کے بجائے آپ کے غصہ کی سزاوار ہے، بلکہ اے اللہ! سیئات کیا، میری تو حسنات بھی مواخذہ اور پکڑ کے قابل ہیں، کیونکہ ان کی صرف صورت ہی حسنات کی ہے، حقیقت میں وہ بھی نفس کی آمیزشوں سے سیئات ہو چکی ہیں۔ اے اللہ! اگر کوئی شخص کسی دوست کے ساتھ دنیا میں احسان کرتا ہے تو اپنے آڑے وقت میں اس دوست کو اپنے اس احسان کا واسطہ دیتا ہے کہ میں آپ کو اپنے اس عمل کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس وقت مجھ پر سخت وقت آپڑا ہے، آپ میری مدد فرمائیے۔ لیکن جس شخص نے ہمیشہ کریم کے کرم واحسان وعطا کی بارشوں کے باوجود اس کریم کی ہمیشہ نافرمانی وبغاوت ہی کی ہو اور ہر کام اس کی پسند ومرضیات کے خلاف ہی کیا ہو،

اس پر جب وقت پڑتا ہے تو وہ نافرمان پھر اس کریم کے دروازے پر جا کر یہی کہتا ہے کہ اے کریم! میں آپ کو اپنے کس احسان کا واسطہ دوں، کیونکہ میرے پاس کوئی عمل، کوئی احسان ہے ہی نہیں، بلکہ اس کے خلاف نافرمانی و بغاوت کی ایک فہرست ہے، جس سے آپ کا دل چھلنی ہے۔ اگرچہ آپ کے لطف و کرم کے قابل نہیں ہوں لیکن آپ کو آپ کے کرم ہی کا واسطہ دیتا ہوں۔

پس اے اللہ! اے کریمِ حقیقی! اے کریم! اے محب العفو! اگرچہ یہ سیاہ کار آپ کے لطف و کرم کے قابل نہیں ہے کہ میرا دامن نیک اعمال سے بالکل خالی ہے، آپ کو اپنے کس عمل کا واسطہ دوں؟ کہ میرے پاس کوئی عمل ہے ہی نہیں سوائے آپ کی نافرمانیوں اور بغاوتوں کے۔ پس اے اللہ! آپ کو آپ کے کرم ہی کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اصل رحیم ہیں۔ دنیا کے کریم تو اپنی نافرمانی اور بغاوت کرنے والوں کو کبھی معاف بھی نہیں کرتے، کیونکہ ہماری نافرمانی سے ان کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اے اللہ! آپ تو اصلی کریم ہیں، آپ تأثر سے پاک ہیں، ہماری نافرمانیاں آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں، وہ تو ہم کو ہی نقصان پہنچاتی ہیں۔ لہٰذا اے اللہ! اپنے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں میرے ان گناہوں کو معاف فرما دیجئے جو آپ کو کچھ مضر نہیں اور ان نیکیوں کو قبول فرما لیجیے جو آپ کے لئے کچھ مفید نہیں۔

اے اللہ! آپ میری ہدایت کا ارادہ فرما لیجیے، اے اللہ! میں نفس و شیطان کی بہت غلامی کر چکا، اب میں اَور کب تک ذلیل و خوار رہوں گا۔ اے اللہ! دنیا کے آقاؤں کو اپنے غلاموں کی بار بار خطاؤں سے غصہ آ سکتا ہے اور وہ ہر بار معاف بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ غنی نہیں ہیں، یہ تو خود ضعیف و محتاج ہیں لیکن اے میرے رب! آپ غنی ہیں، محتاج تو ہم ہیں، ہم تو آپ کے پکارے ہوئے فقیر ہیں۔ آپ تو ایسے غنی ہیں کہ ہمارے گناہوں سے آپ کی بادشاہت و سلطنت میں کچھ نقصان نہیں آتا، پس اے اللہ! آپ مجھے معاف فرما دیجئے، کیونکہ آپ معاف فرمانے کو پسند کرتے ہیں،

اے اللہ! میری سابقہ نافرمانیوں کو معاف فرما دیجئے اور آئندہ کے لئے مجھے نافرمانیوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیجئے، کیونکہ ایک لمحہ آپ کے قہر کے سائے میں جینا موت سے بدتر ہے:

((اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، کتاب الاذکار، ج ۲ ص ۸۲، رقم ۳۶۷۵)

اے اللہ! بچہ سانپ کے نقش و نگار سے فریب کھا کر اس سانپ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو ماں فوراً اپنے بچہ کا ہاتھ کھینچ لیتی ہے اور سانپ کو پکڑنے نہیں دیتی اور کبھی آگ کی خوش رنگی بچہ کو فریب دیتی ہے اور وہ آگ میں ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے تو ماں فوراً اس کو بچا لیتی ہے اور آگ میں ہاتھ نہیں ڈالنے دیتی۔ اے اللہ! آپ میری ایسی ہی حفاظت فرمائیے جیسے ماں اپنے بچہ کی کرتی ہے کہ اگر کبھی میں معاصی کے نقش و نگار پر فریفتہ ہو کر اس سانپ کو پکڑنا بھی چاہوں تو آپ مجھے بچا لیجیے اور نہ پکڑنے دیجئے اور میری حفاظت فرمائیے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ۔ (کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۲ ص ۹۷، رقم ۳۶۳۷)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خوش طبعی اور قابلِ رشک فصاحت و بلاغت

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ دوپہر کا وقت تھا، حضرتِ اقدس مدظلہ نے احقر سے اپنا ایک مضمون نقل کرنے کے لئے فرمایا، احقر نقل کرنے لگا، تھوڑا نقل کرنا باقی رہ گیا تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ اب تھوڑا آرام کر لو۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا! کیا یہ مضمون آج ہی ضروری ہے؟ فرمایا کہ ہاں، آج ہو جاتا تو اچھا تھا، آج ہی حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کو روانہ کر دیتا۔ احقر نے عرض کیا پھر میں نہیں سوتا تو فوراً فرمایا کہ نہیں، سوتا (سوتہ) تو ضروری ہے، بغیر سوتے کے کام نہیں بنتا۔

پھر احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ اگر میرے کچھ مضامین شائع ہو جائیں اور لوگوں کو سنائے جائیں تو سامعین کے کان اعصابِ سماعت کو بوسے دینے لگیں۔

(اس جملہ کی فصاحت و بلاغت بڑے بڑے فصحاء واد باء کے لئے قابلِ رشک ہے کہ یہ درباری کلام ہے۔ احقر میر عفا اللہ عنہ)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر جوابی

ارشاد فرمایا کہ میں، مولوی ولایت صاحب اور حافظ ریاض الحق صاحب کے ساتھ انگور خرید رہا تھا اور وہیں ایک مسٹر بھی انگور خرید رہا تھا تو مجھے دیکھ کر اس مسٹر نے کہا کہ کیا مولوی لوگ بھی انگور کھاتے ہیں؟ تو فوراً میرے منہ سے برجستہ یہ جملہ نکلا کہ اچھا! کیا انگور صرف لنگور ہی کھاتے ہیں؟ وہ آدمی تھا بھی لمبا سا، اس جواب سے اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا، بالکل حیرت سے سکتہ میں رہ گیا، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وہاں سے دُم دبا کر بھاگا، مولوی ولایت صاحب اور حافظ صاحب بھی ہنس پڑے۔

نسبتِ شیخ کے حصول کے لئے دعا

ارشاد فرمایا کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے زمانے میں مَیں یہ دعا مانگتا تھا کہ اے اللہ! میرے شیخ کے سینہ میں جو دردِ محبت آپ نے عطا فرمایا ہے، اس کا فیض میرے سینہ کو بھی پہنچا دیجئے اور ان کے فیوض و برکات مجھ تک پہنچا دیجئے۔

مجاہدۂ غیر اختیاریہ کا مقام اور اس کی حکمت

۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۹؍ جولائی ۱۹۷۱ء

بعد ظہر، ۴۔ جی ۱۲ / ۱ ناظم آباد کراچی

ارشاد فرمایا کہ مجاہدۂ اختیاریہ سے مجاہدۂ غیر اختیاریہ افضل ہے، مجاہدۂ اختیاریہ میں بعض دفعہ اپنے او پر نظر ہو جاتی ہے کہ میں بڑا مجاہدہ کر رہا ہوں اور مزہ بھی آتا ہے۔ اس کے برعکس مجاہدۂ غیر اختیاریہ میں سخت گھٹن ہوتی ہے، اپنے

کسی وصف پر نظر ہی نہیں جاتی بلکہ دل بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض لوگ مجاہدۂ اضطراریہ (یعنی مجاہدۂ غیر اختیاریہ) کی گھٹن کی بدولت صاحبِ نسبت ہو گئے۔

اسی لئے جب اللہ کسی بندے کی خیر خواہی کا ارادہ فرماتے ہیں تو بعض دفعہ اس کی روح کی تربیت کے لئے اور اس کو اپنا قرب عطا فرمانے کے لئے کسی غیر اختیاری مجاہدے میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جسم کے نقصان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسے کوئی مصیبت عطا فرماتے ہیں، مثلاً بھرے مجمع میں بے عزتی کرا دی یا کسی دشمن کو مسلط کر دیا وغیرہ۔ پہلے تو بندہ سمجھتا ہے کہ آج میری بڑی بے عزتی ہو گئی، نفس کا وقار ٹوٹ گیا، میں لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو گیا یا مجھے بے جا تکلیف پہنچائی گئی لیکن وہ دنیا کی مصیبت بندے کے قرب اور ترقیٔ درجات کا سبب بن جاتی ہے، ورنہ انبیاء علیہم السلام کے خون کیوں بہائے جاتے؟ طائف میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم پر پتھر کیوں برسائے جاتے؟ بظاہر تو یہ ذلت تھی لیکن اللہ کے نزدیک یہ ذلت نہیں تھی، عین عزت تھی، ذلیل تو وہ تھے جو نبیوں کو ستا رہے تھے کیونکہ ذلت تو اللہ کی نافرمانی میں ہے۔ اس میں انبیاء کی ارواح کی تربیت بھی مقصود تھی۔ اپنے تعلق میں ترقی کی خاطر اللہ نے اپنے نبیوں کا خون بہانا بھی گوارا کر لیا۔

اس غیر اختیاری مجاہدے سے نفس کا مزاج بالکل درست ہو جاتا ہے، نفس ٹوٹتا ہے اور اس کا توڑنا ہی اللہ میاں کو مقصود ہے، کیونکہ نفس ہی اللہ اور بندے کے قلب کے درمیان حائل ہے۔ جس طرح چاند اور سورج کے درمیان زمین کے حائل ہونے سے چاند نورِ شمس سے محروم رہتا ہے اور جس قدر زمین کی حیلولت ہٹتی جاتی ہے چاند کا دائرہ روشن ہوتا جاتا ہے، اگر زمین کا ذرا سا کنارہ بھی سورج کے سامنے رہے تو چاند کا اتنا ہی کنارہ نور سے محروم رہتا ہے۔ بس اسی طرح نفس کی زمین جس قدر ہٹتی جاتی ہے، قلب کا دائرہ اسی قدر اللہ کے نور سے روشن ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ جس دن نفس کی حیلولت اللہ اور بندے کے قلب کے درمیان سے

بالکل ہٹ جاتی ہے اس دن قلب کا پورا دائرہ اللہ کے نور سے روشن ہوجاتا ہے اور بندہ اس دن صاحبِ نسبت ہوجاتا ہے۔

نفس کی اس حیلولت کا توڑنا بندے کے مجاہدے اور اختیار اور اس کے دست و بازو کی قوت سے باہر ہے، بس جس پر اللہ کا فضلِ خاص ہوا اسی کا نفس مٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط﴾

(سورۃ یوسف: آیۃ ۵۳)

بے شک نفس تو بُری بات ہی بتلاتا ہے، سوائے اُس نفس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے (بیان القرآن) اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ فرمایا، نفس کے توڑنے کی نسبت حق تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص کی طرف فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ سوائے اس کے جو مجاہدہ کرکے اس نفس کے مکر و کید کو توڑ دے۔ بندے کے مجاہدہ و ریاضت کی طرف اس نسبت کا نہ کرنا اور اپنے فضل و رحمت کی طرف نفس کی اصلاح کو منسوب کرنا دلیل ہے کہ نفس اسی کا مٹتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہو۔

نورِ علم اور ظلمتِ معصیت جمع نہیں ہوسکتے

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰ / جولائی ۱۹۷۱ء بوقت نو بجے صبح

ارشاد فرمایا کہ نور و ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ علم اللہ کا نور ہے، اگر کسی بندے سے گناہ ہوجائے اور اللہ اس سے ناراض ہوجائے تو نورِ علم چھن جائے گا اور مضامین کی آمد بند ہوجائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰہٍ
وَنُوْرُ اللہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصٍ

میں نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظے کی کمی کی شکایت کی، پس آپ نے وصیت فرمائی کہ گناہوں کو چھوڑ دو، کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

آیت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ پر ایک علمِ عظیم

۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۴؍جولائی ۱۹۷۱ء بعد عصر

ارشاد فرمایا کہ آیت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ پر آج اللہ نے ایک عجیب مضمون عطا فرمایا جو لطائفِ قرآنیہ میں سے ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں جو سوال ہے کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عقلی طور پر دیکھا جائے تو سوال تو پڑھانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ کیا کوئی ممتحن کورس کے خارج سے سوال کرتا ہے؟ سوال اسی میں سے کرتا ہے جو وہ پڑھا چکا ہے، ورنہ ممتحن ظالم قرار پائے گا لیکن کیونکہ اللہ ظالم نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کرنا دلیل ہے کہ پہلے اللہ نے ہماری ارواح کو اپنی ربوبیت کا سبق پڑھایا یعنی اپنی ربوبیت کی ایک تجلی، اور ہماری پیدائش سے موت تک اپنی ربوبیت کا ایک اجمالی خاکہ ہماری جانوں کو دِکھا دیا، پھر یہ سوال کیا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کیونکہ ارواح اللہ کی تجلیٔ ربوبیت کا مشاہدہ کر چکی تھیں اس لئے بَلٰی کہا یعنی بے شک! آپ ہمارے رب ہیں۔ جس طرح بچہ اپنے والد کی شانِ ربوبیت بچپن سے جوانی تک دیکھتا ہے، پھر اگر باپ سوال کرے کہ کیا میں تیرا والد نہیں ہوں؟ تو تب بچہ جواب دیتا ہے کہ بے شک! آپ ہی میرے والد ہیں، آپ کی پرورش آپ کے والد ہونے پر دلیل ہے۔ تو روحوں نے اللہ کے رب ہونے کی گواہی دی تھی اور شہادت کے لئے رؤیت بھی ضروری ہے، ورنہ بغیر دیکھے ہوئے دنیاوی قانون کے اعتبار سے بھی شہادت ناجائز ہے، قَالُوْا بَلٰی کی شہادت بغیر مشاہدۂ تجلیٔ ربوبیت کے عقلاً ونقلاً

محال ہے۔ اللہ نے شَهِدْنَا فرما کر یہ اشارہ کر دیا کہ ہم تمہیں اپنے کو دکھا چکے ہیں۔ یہ اس تجلی ہی کا اثر ہے جو آج ہمیں اللہ میاں کی باتوں میں مزہ آتا ہے، کیونکہ وہ جانے پہچانے اللہ میاں ہیں، اگر جان ان سے آشنا نہ ہوتی تو ان کی باتوں میں مزہ نہ پاتی۔

نارِ دنیا اور گلستانِ قربِ خدا

ارشاد فرمایا کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ دنیا میں گناہوں کی آگ لگی ہوئی ہے اور چاروں طرف یہ آگ پھیلی ہوئی ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم آگ میں کیسے رہ سکتے ہیں؟ یعنی آگ سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے رہے تھے؟ بس ہم بھی ایسے ہی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اللہ کا نور گناہوں کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے، کیونکہ جب نور، گناہوں کے اندھیرے کے کلیجے کو چیر کر اندھیرے میں گھس جاتا ہے تو اندھیرے کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔

اس پر میں نے ڈاکٹر صاحب مدظلہ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ کے اس مضمون کی تائید مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

نار شہوت چہ کشد نور خدا
نور ابراہیم را ساز اوستا

شہوت کی آگ کو کون بجھاتا ہے؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی مصرع میں یہ سوال کرتے ہیں، پھر اسی چھوٹے سے مصرع میں جواب دیتے ہیں کہ نورِ خدا بجھاتا ہے۔ اپنے اندر اللہ کے نام سے نورِ خلیلی پیدا کرلو، پھر یہی آگ گلزار ہے: قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ (سورۃ الانبیاء: آیۃ ۶۹) آگ میں جینا ہماری آبائی وراثت ہے: مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ (سورۃ الحج: آیۃ ۷۸) اسی آگ میں تو اہل اللہ جی رہے ہیں۔ اگر تم اس آگ میں رہتے ہوئے اس سے بچے رہنے کو ناممکن کہتے ہو، تو

یہ اللہ والے کیسے معاشرے کی روش کے خلاف چل رہے ہیں؟ اور مزے میں ہیں۔ بس ان اہل اللہ کے ساتھ ہوجاؤ تاکہ تمہیں بھی اس آگ میں رہتے ہوئے اس سے بچے رہنا اور گلستانِ قربِ الٰہی کے مزے لوٹنا آجائے۔

شیخ سے بدگمانی و بے ادبی کی عبرتناک سزا

ارشاد فرمایا کہ جس آدمی میں تکبر نہ ہو، محبت ہو، ادب ہو اور عقل ہو تو وہ اس راستے کو طے کرلے گا، اور جو آدمی محبت سے خالی ہو اور دوسروں کے کہنے سے اپنے شیخ سے بدگمان ہوجائے تو ایسے شخص کا کیا اعتبار؟ وہ تو شیطان و نفس کے ہاتھ میں کھلونا ہے، کسی وقت کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اگر تم نے اپنے شیخ کو دوسروں کی نظر سے دیکھا تو کیا دیکھا؟ ایسا شخص تو جب تک دوسرا، شیخ کو اچھا کہہ رہا ہے یہ بھی اچھا سمجھ رہا ہے اور اگر دوسرا بُرا دیکھ رہا ہے تو یہ بھی بُرا دیکھ رہا ہے، کیونکہ اپنی تو نظر ہے ہی نہیں۔ ایسا شخص اللہ کا راستہ طے کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی نظر پیدا کرو، اپنے مربی اور شیخ جس سے تمہیں دین ملا ہو اور دین کا نفع پہنچا ہو، اس کی شان میں گستاخی یا بے ادبی یا سوءِ ظنی اتنا بڑا جرم ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا گناہ، ایک کروڑ زنا اور ایک لاکھ غیبتیں اس کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کے ساتھ بے ادبی کی سزا وہی بیان کی ہے جو کفر کی بیان کی ہے، یعنی حبطِ اعمال:

﴿اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ۝﴾

(سورۃ الحجرات: آیۃ ۲)

اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی کی نحوست کی بدولت تمہارے اعمال حبط یعنی برباد کردیئے جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم بڑی تہجد پڑھ رہے ہیں، بڑا ذکر و تلاوت کر رہے ہیں لیکن یہ خبر نہیں کہ سب اعمال برباد ہوچکے ہیں یا ایمان ہی سلب کرلیا گیا ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل السلوک میں

لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آدابِ شیخ کے اصول بیان فرمائے ہیں''۔

لہٰذا یاد رکھو کہ جس طرح ہر مومن اور عام مسلمان سے حسنِ ظن رکھنا، اس پر بہتان نہ باندھنا، اس کی غیبت نہ کرنا اور اس کی عزت وآبرو کو پامال نہ کرنا اس کا حق ہے اور اس کے حقوق کے ضائع کرنے سے اللہ کے غضب کو جوش آتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ والا ہے، اس کی شان میں اگر کوئی یہ حرکتیں کرے گا تو کیا اللہ کے غضب کو جوش نہ آئے گا؟ واقعات شاہد ہیں کہ اگر کسی ولی کو تکلیف پہنچ گئی اور اس نے اپنا حق معاف بھی کر دیا تو بھی بعض اوقات اللہ نے اپنا حق محفوظ رکھا اور تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تکلیف پہنچانے کے لئے کہا کہ میں آپ کی والدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، جو اسّی برس کی تھیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اچھا! میں والدہ سے دریافت کرلوں اور اندر تشریف لے گئے، واپس آئے تو وہ آدمی مرا پڑا تھا۔

ایک رنڈی اپنے یار کے ساتھ کہیں جا رہی تھی، راستے میں ایک بڑے میاں اس کے پاس سے گذرے، ان کی نظر کمزور تھی تو ذرا سی ٹھوکر اس رنڈی کو لگ گئی۔ انہوں نے فوراً معافی مانگی لیکن اس رنڈی کے یار نے غصہ میں آکر بڑے میاں کے ایک طمانچہ مار دیا۔ اس کے بعد سے اس کے پیٹ میں درد رہنے لگا جو کسی طرح کم نہیں ہوتا تھا۔ دوائیں بھی کام نہیں کرتی تھیں، یہاں تک کہ اس کی بیماری کی وجہ سے وہ معشوقہ بھی اس سے بھاگ گئی۔ بہت تنگ آیا، تب اسے احساس ہوا کہ یہ سب ان بڑے میاں کی بددعا کی وجہ سے ہوا ہے، لہٰذا ان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان تک پہنچ گیا اور درخواست کی کہ میں معافی چاہتا ہوں، آپ کی بددعا سے میرا یہ حال ہوگیا، اب آپ ہی دعا کیجئے کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ تو انہوں نے کہا کہ بھئی! ہم نے تو تمہارے لئے کوئی بددعا نہیں کی تھی بلکہ اسی وقت تمہیں معاف بھی کر دیا تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب تمہاری معشوقہ کو ہم سے تکلیف پہنچی تھی اور تم نے ہمیں

مارا تھا تو کیا اس نے تم سے کہا تھا کہ اس کو مارو؟ اس نے کہا کہ اس نے تو نہیں کہا تھا۔ تو وہ بزرگ بولے کہ اسی طرح ہمارا بھی ایک یار ہے یعنی اللہ تعالیٰ، ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ انتقام لیں بلکہ ہم نے تو معاف کر دیا تھا لیکن انہوں نے انتقام لے لیا۔ اس کے بعد ان بزرگ نے اس شخص کے لئے دعا کی اور اس کو شفا ہو گئی۔

بدگمانی و اعتراض کا منشا قلتِ محبت اور تکبر ہوتا ہے۔ شیطان اس تکبر اور بدگمانی کی بدولت ہی مارا گیا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کو چاروں طرف سے جھانک کر دیکھا اور پھر بدگمانی کی کہ یہ تو مٹی کا پتلا ہے، پھر تکبر کیا کہ میں آگ کا بنا ہوا ہوں اور آگ مٹی سے افضل ہے، لہٰذا میں اس سے افضل ہوں۔ یہ مٹی کا پتلا میرے مقابلہ میں ذلیل و حقیر ہے، اس کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھ پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اس کمبخت نے مٹی کو تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس مٹی کے پتلے میں جو جان ہے وہ خلافتِ الٰہیہ سے مشرف ہے۔ اگر محبت ہوتی تو سجدے کے لئے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہ تھی، بلکہ وہ تو یہ دیکھتا کہ سجدے کا حکم کون دے رہا ہے۔ پس تکبر شیطانی مرض ہے، یہی وہ مرض ہے کہ جس نے شیطان کو مردود کیا۔

جس شخص کے دل میں تکبر اور بدگمانی کا مرض ہوگا، خصوصاً اپنے شیخ و مربی سے، جبکہ وہ اہلِ حق میں سے ہے تو اس کا راستہ مارا جائے گا، کیونکہ مقصود جتنا قیمتی ہوتا ہے اس کا ذریعہ بھی اتنا ہی قیمتی ہوتا ہے۔ اگر اسٹیشن جانا مقصود ہے تو جتنی قیمت اور اہمیت اسٹیشن کی ہوگی اسی قدر وہ سواری بھی قیمتی اور اہم ہوگی جو اسٹیشن تک پہنچائے گی۔ شیخ مقصود نہیں ہے، مقصود تو اللہ ہے لیکن کیونکہ شیخ اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے، اس لئے یہ وسیلہ بھی مقصود کے اعتبار سے اتنا ہی قیمتی ہے۔ جس شخص کے دل میں مقصود کی جتنی قدر ہوگی اتنی ہی اس کے وسیلہ کی بھی قدر ہوگی۔ اب ہر شخص خود اندازہ لگائے کہ اللہ کی کیا قیمت ہے؟ کیا دونوں عالم کی قیمت اللہ کی قیمت سے زیادہ ہے؟ دونوں عالم کیا چیز ہیں؟

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ﴾

(سورۃ الشوریٰ: آیۃ ۱۱)

اس کا کوئی مثل نہیں۔ تو جو ذاتِ پاک اتنی قیمتی ہے تو اس کے ملنے کا ذریعہ و وسیلہ بھی اسی قدر قیمتی ہوگا۔ پس جس شخص کے دل میں اللہ کی جتنی محبت ہوگی اس کے دل میں اپنے شیخ کی بھی اتنی ہی محبت ہوگی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اسی کے ذریعہ سے ملے گا۔ اس کے برعکس جس شخص کو اللہ کی محبت و قیمت کا اندازہ نہیں، اس کے دل میں شیخ کی محبت نہیں ہوتی، ایسا شخص محروم ہوتا ہے۔ لہٰذا محبتِ شیخ محبتِ الٰہیہ کی کسوٹی ہے۔

پہلے دل میں ایک عمر شیخ کی محبت رہتی ہے، پھر یہ محبت اللہ کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ شیخ کی غلامی کے صدقہ میں اس کے دل میں خود اللہ کی محبت کا چراغ جل جاتا ہے اور اس کا دائرۂ قلب اللہ کے نور سے منور ہوجاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے کہ جب مرید کی روح بالغ ہوجاتی ہے۔ اس وقت اگرچہ اس کو شیخ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن کیونکہ شیخ نے پرورش کی ہے اور اسی کی پرورش کے صدقہ میں اس کی جان باخدا ہوئی ہے، اس لئے اس کے احسان کا اقرار اور ادب عمر بھر کرنا پڑے گا۔ جس طرح ماں باپ جسم کی پرورش کا وسیلہ ہوتے ہیں، اگرچہ اصل مربی تو اللہ ہی ہے لیکن کیونکہ وہ تربیت کا وسیلہ ہوتے ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے کیا کیا حقوق رکھ دیئے:

﴿فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ۝ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ﴾

(سورۃ بنی اسرآئیل: آیات ۲۴، ۲۳)

حکم دیا جارہا ہے کہ خبردار! جب ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف بھی نہ کہنا اور نہ ہی ان کو جھڑکنا اور ان کی شان کے مطابق ان سے نرمی اور ادب سے گفتگو کرنا اور اپنے کندھوں کو ان کے سامنے شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکائے رکھنا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ارے میاں! اصل

پرورش کرنے والا تو اللہ ہے، ماں باپ تو صرف ذریعۂ تربیت ہیں، میں ان کا ادب اور عزت کیوں کروں؟ تو ایسے شخص کی محرومی کا کیا پوچھنا۔ دراصل اس نے اللہ کی قدر نہ پہچانی، اگر اس کے دل میں اللہ کی قدر ہوتی اور اس کی ربوبیت پر یقین ہوتا تو ماں باپ کی بھی قدر ہوتی، جن کے ذریعہ اللہ میاں نے اس کی پرورش کرائی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

((مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ))

(جامع الترمذی، (ایچ ایم سعید)، کتاب البر والصلة، ج ۲ ص ۱۷)

جس شخص نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ پس اسی طرح جو شخص تمہاری روح کی تربیت اور پرورش کا ذریعہ ہوا ہے، عمر بھر اس کے اس احسان سے بَری نہیں ہو سکتے۔ اگر جان بھی دے دو تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی تربیت کے بغیر تمہاری جان بے قیمت رہتی، دوزخ میں جلتی، اسی کی بدولت یہ اللہ والی ہوئی ہے، اللہ کی کیسی قیمتی ذات اس مربی و شیخ کی بدولت تمہیں مل گئی۔ اللہ کے مقابلہ میں جان کی کیا حقیقت ہے، پس سو جانیں دے کر بھی شیخ کے اس احسان کا بدلہ ادا نہیں ہو سکتا۔

ایک مرید کا قصہ ہے کہ شیخ کی غلامی و توجہ اور عنایت کی بدولت یہ صاحبِ نسبت ہو گئے اور دائرۂ قلب، اللہ کے نور سے منور ہو گیا، پس اس کے دل میں خیال آیا کہ اب تو میں خود صاحبِ نور ہو گیا ہوں، اب مجھے شیخ کی غلامی کی کیا ضرورت ہے، چلو! خود اپنی دکان لگاؤں۔ بس! اِدھر یہ خیال آنا تھا کہ اُدھر شیخ پر اس مرید کی حالت منکشف ہو گئی اور ان کے دل کو سخت صدمہ پہنچا اور اللہ کا غضب اپنے ولی کے تکدر و تکلیف سے جوش میں آ گیا۔ اسی وقت اس مرید نے محسوس کیا کہ دل کالا ہو گیا اور مجرمانہ حالت میں روح قبض کر لی گئی اور روسیاہ ہو کر اللہ کے پاس گیا۔ خوب سمجھ لو کہ اگر اپنے شیخ اور مربی کے ساتھ بے ادبی و گستاخی یا سوئے ظنی کی تو

قبر میں ایمان لے کر جانا محال ہے، چاہے کتنی ہی عبادت کرو۔ خالی عبادت سے کیا ہوتا ہے، شیطان نے ایک ہزار سال عبادت کی تھی لیکن کیا حشر ہوا۔

عبادت سے انوارِ انسانیت پیدا ہوتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ آدمی بندوں کے حقوق کی رعایت میں مٹا جاتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے سے افضل اور خود کو تمام مخلوق سے حقیر سمجھتا ہے۔ دل میں ایک کسک رہتی ہے کہ کہیں مجھ سے اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع نہ ہو جائیں۔ اگر یہ بات پیدا ہو رہی ہے تو سمجھ لو کہ عبادت سے نور پیدا ہو رہا ہے اور اس کی عبادت عند اللہ قبول ہے۔ عبادت کے انوار اس کے اخلاق سے پہچانے جائیں گے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اَفْضَلُكُمْ اِيْمَانًا اَحْسَنُكُمْ خُلُقًا))

(المعجم الکبیر للطبرانی: (مکتبہ ابن تیمیۃ، القاھرۃ) ج۸ ص ۱۸۲، رقم ۷۷۵۶)

تم میں سے سب سے افضل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ افضل ایمان والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تہجد گذار ہے۔ اور اگر عبادت سے عبدیت پیدا نہیں ہو رہی بلکہ تکبر و عجب کا ایک نشہ پیدا ہو رہا ہے کہ خود کو سب سے افضل اور دوسروں کو حقیر سمجھ رہا ہے، دل میں سمجھ رہا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک بہت مقبول ہوں اور تمام مسلمان گناہ گار اور ذلیل ہیں، دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کے بجائے ان کے حقوق پامال کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ عبادت، شیطانی ہے کیونکہ اس عبادت سے وہی مادّہ پیدا ہو رہا ہے جو شیطان میں پیدا ہوا تھا۔ اگر اس کی عبادت سے انوارِ انسانیت پیدا ہوتے تو اس کے اخلاق سب سے اچھے ہوتے، ورنہ یہ شخص راندۂ درگاہ ہے۔ مثلاً ایک شخص بڑا تہجد گذار ہے، بڑا ذاکر و شاغل ہے لیکن اس کی عبادت کی کسوٹی وہ وقت ہے کہ جب اس کے ماں باپ اس کو ڈانٹیں، اس وقت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کرتا ہے؟ اگر ان کو جھڑک دیتا ہے اور بے ادبی کر بیٹھتا ہے تو ولایت تو اسی وقت سلب ہوگئی، چاہے ایک لاکھ تہجد پڑھتا رہے۔

عبادت سے نفس نہیں مٹتا نفس تو شیخ کی غلامی سے مٹتا ہے اور نفس ہی اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہے۔ جہاں یہ دیوار ہٹی، بس! اللہ مل گیا۔ پس جس شیخ و مربی کی بدولت اللہ ملا اگر تم نے اس کے حقوق ضائع کر دیئے، ظاہراً یا باطناً، تو اللہ کا ملنا محال ہے، چاہے کچھ ہو جاؤ، چاہے شیخ الحدیث والتفسیر ہو جاؤ لیکن اللہ والے نہ ہو گے۔

بعض مرید درجہ میں پیر سے بڑھ جاتے ہیں

۲۴؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ اکثر تو یوں ہوتا ہے کہ پیر سے مرید اور اس کے خلیفے چمکتے ہیں اور بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ مرید سے پیر چمکتا ہے، تاریخِ اولیاء اس کی شاہد ہے۔ حضرت جنید، امام غزالی اور بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہم کے پیر کو کوئی جانتا بھی نہیں اور ان حضرات کو حق تعالیٰ نے چمکا دیا۔

بعض دفعہ مرغی کے نیچے ہما کا انڈا ہوتا ہے۔ مرغی کے پروں کے نیچے ہما کی تربیت ہوتی ہے، اللہ میاں کرا دیتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بچہ بھی مرغی ہے لیکن جب وہ بڑا ہوتا ہے اور اس کے سائے سے لوگوں کو بادشاہت ملنے لگتی ہے تو اس سے تعلق رکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ہما ہے، (ہما ایک خیالی پرندہ ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جس کے سر پر سے گذر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے، حضرت والا نے ہما پرندہ کی مثال محض تفہیم کے لئے بیان فرمائی اور فرمایا کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ جامع) اسی طرح بعض دفعہ معمولی پیر کی تربیت میں ایسے شخص کو دے دیتے ہیں کہ آگے چل کر جس کی نسبت مع اللہ پیر سے بھی بڑھ جاتی ہے، گویا یہ مرغی کے نیچے ہما کا انڈا رکھ دینا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ ہما کے نیچے مرغی کا انڈا ہوتا ہے، بچہ مرغی کا ہوتا ہے لیکن کیونکہ ہما کے پروں کے نیچے سے نکلا ہے، اس لئے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ ہما کا بچہ ہے، حالانکہ وہ مرغی ہوتا ہے۔

پس یہ حق تعالیٰ کی تربیت کے انداز ہیں لیکن چاہے مرید اللہ کے قرب میں مثل ہما کے ہوجائے لیکن چونکہ پیر کے پروں کے نیچے اس کی تربیت ہوئی ہے لہٰذا عمر بھر اس کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر ان پروں کے نیچے نہ ہوتا تو انڈا ہی گندہ ہوجاتا، یعنی اس کی جان اللہ والی ہو ہی نہ سکتی۔

دعوت الی اللہ کے لئے صفتِ امانت وصداقت کی اہمیت

۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۳/ اگست ۱۹۷۱ء

بر مکان حضرت والا ۴۔ جی ۱۲/ ۱ ناظم آباد کراچی

ارشاد فرمایا کہ قبل از نبوت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے دو صفات سے خاص کرمِمتاز فرمایا تھا، یعنی امانت وصداقت سے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دو دن نہیں، چالیس برس کافروں کو دِکھایا کہ ہمارا نبی کیسا صادق اور امین ہے، یہاں تک کہ کافر خود کہتے تھے کہ ھٰذَا صَدُوْقٌ اَمِیْنٌ۔ یہ امانت وصداقت کی صفت انبیاء کو اس وجہ سے عطا فرمائی جاتی ہے کہ جب وہ نبوت کا دعویٰ کریں تو لوگوں کے لئے کوئی گنجائشِ انکار نہ رہے کہ یہ شخص جو آج کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں، یہ سچا اور امین نہیں ہے۔ امانت ایسی صفت ہے کہ علماء جو ورثائے انبیاء ہیں، یعنی انبیاء کے وارث ہیں، ان کے لئے بہت ضروری ہے، کیونکہ اگر وہ امین نہ ہوں گے اور پھر تقریر کریں گے تو ان کے وعظ میں اثر نہ ہوگا۔ جو شخص امین ہوتا ہے اللہ اس کو دنیا میں بھی عزت دیتا ہے اور آخرت میں بھی، جبکہ خائن کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت کا عذاب الگ۔

تو ایک امانت تو بندوں کے مال کی امانت ہے اور ایک امانت وہ ہے جو اللہ نے ہمیں دی ہے اور وہ اللہ کی امانت ہے۔ تو جب بندوں کی امانت کو اللہ نے اُن بندوں کا حق قرار دے دیا، تو کیا اللہ کی امانت اللہ کا حق نہ ہوگی؟ اور کیا

اس امانت کا حق بندوں کی امانت کے حق سے کم ہے؟ اور وہ امانت کیا ہے؟ وہ خود ہمارا جسم ہے، جس پر یہ آیت دلیل ہے:

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۵۶)

اِنَّا لِلّٰہِ کے معنی ہیں کہ ہم اللہ کے مملوک ہیں، لفظ اللہ کا لام تملیک کے لئے ہے، جس کے معنی ہیں کہ یہ ہمارا جسم ہمارا نہیں ہے، ہم اس کے مالک نہیں ہیں، اس کا مالک اللہ ہے، یہ جسم کُل کا کُل اللہ کی ملکیت ہے اور کُل کی مملوکیت جز کی مملوکیت کو مستلزم ہے، یعنی یہ جسم کُل بھی اللہ کا ہے اور اس کا ہر جز بھی اللہ کا ہے۔ ہماری یہ آنکھیں بھی اللہ کی مملوک ہیں، ہمارے یہ کان بھی اللہ کے مملوک ہیں، ہمارے ہاتھ، ہمارے پاؤں، غرض ہمارے ظاہر و باطن کا ہر ہر ذرہ ان کا مملوک ہے اور یہ ہم کو بطور امانت کے اللہ نے عطا فرما دیا ہے۔

ایں امانت چند روزہ نزد ماست

یہ امانت ہمارے پاس چند روز کے لئے ہے اور مالک کی امانت کو مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جانا چاہیے، ورنہ خیانت ہو جائے گی۔ خیانت کے معنی ہیں کہ امانت کو اس کے مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا۔ جب دل میں گناہ کا تقاضا پیدا ہو، یعنی جسم کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال کرنے کا داعیہ پیدا ہو تو فوراً اِنَّا لِلّٰہِ کا مراقبہ کرو کہ یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اللہ کا مملوک ہے، ہمیں اس کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال کرنے کا حق نہیں ہے اور دل سے کہہ دو کہ اے دل! تو اللہ کا مملوک ہے، میں تجھے اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔ آنکھیں اگر کسی نامحرم کو دیکھنا چاہیں تو ان سے کہہ دو کہ اے آنکھو! تم اللہ کی مملوک ہو، میں تم سے اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں دیکھ سکتا۔

کلیہ یہ ہے کہ یہ جسم اور اس کا ہر جز اللہ کی طرف سے ملی ہوئی امانت ہے،

اس امانت کو اس کے مالکِ حقیقی کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا خیانت ہے، جس پر سخت عذاب وگرفت ہوگی۔ اس امانت کا حق یہ ہے کہ اس کو اللہ کی مرضیات کے مطابق استعمال کیا جائے۔ یہ دل جو اللہ نے دیا ہے اس کو گناہوں کی لذتوں کے خیال اور گناہ کے ارادوں سے محفوظ رکھنا، دل ہی دل میں اللہ کو یاد رکھنا، زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھنا، یہ آنکھیں بھی اللہ کی ہیں، ان سے کسی نامحرم کو نہ دیکھنا، بلکہ کسی اللہ والے کو یا کسی پرہیزگار عالم کو دیکھنا، یہ باتیں اللہ کی مرضیات میں شامل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

((اَلنَّظَرُ فِیْ وَجْهِ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیة)، کتاب الصلوٰۃ، ج ۷ ص ۲۶۶، رقم ۲۰۷۴۳)

عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے یعنی جسم کے ہر جز کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا یہ اس امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ اور اس کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا، یعنی گناہ کرنا خیانت ہے، اور گناہ دوزخ کی فرع اور برانچ ہے، اور دوزخ آگ کا مرکز اور ہیڈ آفس ہے۔ تو جو شخص برانچ سے رابطہ قائم کرتا ہے اس کا تعلق ہیڈ آفس سے خود بخود ہوجاتا ہے۔ اور ذکر اللہ، اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور جو گناہوں سے بچنے سے اور اتباعِ سنت سے پیدا ہوتا ہے، اتنی طاقت رکھتا ہے کہ دوزخ جو آگ کا مرکز ہے، اس کی آگ کو بجھادیتا ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ قیامت کے دن جب مومن دوزخ کے پاس سے گذرے گا تو دوزخ کہے گی:

((جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَأَ نُوْرُكَ لَهَبِیْ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیة)، کتاب القیامة، ج ۱۴ ص ۱۶۶، رقم ۳۹۰۲۹)

یعنی اے مومن! جلدی سے گذر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھادیا۔ جب اللہ کا نور ہیڈ آفس کی آگ ٹھنڈی کرسکتا ہے تو برانچ کی کیا حقیقت ہے۔ پس جو شخص ذکر اللہ کرے گا، اتباعِ سنت کا اہتمام کرے گا اور گناہوں سے بچے گا تو

اللہ کا نور، شہوت کی آگ کو بجھا دے گا۔ اس لئے جو گناہ کے تقاضے کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ کا مراقبہ رکھے گا، ان شاء اللہ! گناہ سے محفوظ رہے گا۔

اس آیت کے دوسرے جز وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ سے یہ مسئلہ نکلا کہ یہ دنیا پردیس ہے، کیونکہ پردیس ہی سے وطن کو واپس لوٹا جاتا ہے اور وطن میں ہمیشہ رہا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ اگر یہ دنیا پردیس نہ ہوتی تو ہم لوگ ہمیشہ یہیں رہتے اور یہاں سے کبھی نہ نکالے جاتے۔

اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق میں حکمت ہے

ارشاد فرمایا کہ آدمی اگر نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو دل میں نیکی کی طرف میلان ورغبت پیدا ہوتی ہے اور یقین پیدا ہوتا ہے۔ پھر اگر آدمی بُری صحبت اختیار کرے تو اگر اسّی برس کا بھی یقین ہو تو اس کی بھی بنیادیں ہل جائیں گی اور گمراہ ہوجائے گا۔ اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ شر و باطل میں اتنی قوت کیوں ہے کہ وہ حق و خیر پر غالب آجاتا ہے؟

اس کا ایک عجیب وغریب جواب اللہ نے مجھے عطا فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے گھر کے ایک کونے میں تو پھول، خوشبوئیں اور بریانی وغیرہ رکھ دی ہو اور ایک کونے میں سانپ بچھو پال رکھے ہوں اور اپنے احباب کو حکم بھی دے دیا ہو کہ دیکھو! ان خوشبوؤں اور بریانیوں کے پاس بیٹھنا اور جدھر سانپ بچھو ہیں، اُدھر جانا بھی نہیں۔ پس اگر کوئی شخص بریانی کو چھوڑ کر سانپ بچھوؤں کے پاس جا کر بیٹھے گا کہ میں نے اسّی برس بریانی کھائی ہے، سانپ بچھو میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں، تو یہ اس کا اپنا قصور ہے اور اس شخص کو سانپ یقیناً ڈس لے گا اور اسّی برس کی بریانی اور اس سے حاصل شدہ قوتیں ذرا دیر میں خاک میں مل جائیں گی۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے دنیا میں دو گروہ پیدا فرمائے، ایک اپنے انبیاء اور

اولیاء کا گروہ اوران کی صحبت ومعیت کا حکم کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ میں دے کر یہ بتادیا کہ یہ لوگ ہمارے پھول ہیں، تمہیں انہی سے ہماری محبت کی خوشبو ملے گی اور دوسرا گروہ شیطان اوراس کے متبعین کا پیدا فرماکر منع فرمادیا کہ دیکھو! ان کے قریب بھی نہ جانا، یہ سانپ ہیں، ان کے پاس جاؤ گے تو یقیناً ڈس لئے جاؤ گے اور عمر بھر کے مجاہدات وایمان ویقین خاک میں مل جائے گا، کیونکہ ان پر ہماری صفتِ اِضلال کی تجلی ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دو نام ہادی اور مضل ہیں۔ انبیاء اور اولیاء پر اسمِ ہادی کی تجلی ہوتی ہے، اس اسمِ مبارک کا ان پر خاص فیضان ہوتا ہے۔ اس تجلی اور فیضان کی قوت سے ان کے پاس بیٹھنے والوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے، ورنہ کسی نبی اور ولی کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ کسی کو ہدایت دے سکے، اس اسمِ ہادی کی تجلی کی قوت لوگوں کو ہدایت عطا کرتی ہے۔ اس کے برعکس شیطان اوراس کے متبعین پر اسمِ مضل کی تجلی ہوتی ہے، پس جو شخص ان کے پاس بیٹھے گا، اندیشہ ہے کہ اسمِ مضل کی تجلی اس پر بھی پڑ جائے اور وہ بھی گمراہ ہوجائے۔

اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ مضل کیوں ہیں؟ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان اور اس کے چیلوں کو کیوں پیدا کیا؟ تو ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے کہ اللہ کو تم سے سوال کرنے کا حق ہے، تمہیں اللہ سے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ وہ مالک اور آقا ہے، تم مملوک اور غلام ہو، کس کا پتّا ہے جو اُن سے چون وچرا کرے ؎

نیست کس را زہرۂ چون و چرا

مالک اپنے ملک کا مختار ہے۔ پھول بھی پیدا کردیئے، خار بھی پیدا کردیئے، انبیاء و اولیاء کو بھی پیدا کیا، شیطان اور اس کے چیلوں کو بھی پیدا کردیا۔ یہ تو ان کی قدرت کے رنگ ہیں، تاکہ تم پر ظاہر ہوجائے کہ وہ کیسی قدرت والا ہے کہ

پھول پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور سانپ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ہدایت کا بھی خالق ہے، گمراہی کا بھی خالق ہے۔ لیکن گمراہی پیدا کی ہے، کسی پر چپکا تو نہیں دی، ظلم تو اس وقت ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی اور ضلالت کو کسی پر چپکا دیتے، حالانکہ ہدایت و ضلالت کو تخلیق فرما کر یہ اختیار بندوں کو دے دیا کہ جو چاہے ہدایت کو قبول کرے اور جو چاہے گمراہی کو اختیار کرے۔ پس جو شخص ہدایت کو طلب کرتا ہے، اللہ اس کو ہدایت دیتا ہے، اور جو شخص اپنی طغیانی و سرکشی سے گمراہی کی طرف بڑھتا ہے، اللہ اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ گمراہی کو پیدا کرنا بالکل ایسا ہے جیسے سانپ کو پیدا کرنا لیکن جب اللہ نے سانپ کو پیدا کیا ہے تو لوگوں کو متنبہ بھی فرما دیا ہے کہ دیکھو! سانپ میں زہر ہے، اس کے پاس نہ جانا، ورنہ یہ تمہیں ڈس لے گا اور اس کا زہر تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اب اگر کوئی شخص سانپ کو ہاتھ میں لیتا ہے اور پھر ڈسا جاتا ہے تو اس میں خالقِ سانپ کا کیا قصور ہے؟ قصور تو اس شخص کا ہے کہ اس کی عقل ہی اندھی ہے، اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو سانپ کے قریب بھی نہ جاتا۔ اسی طرح گمراہی کو پیدا کیا تو لوگوں کو مطلع بھی کر دیا کہ دیکھو! شیطان کے چیلوں کے پاس نہ بیٹھنا، یہ سانپ ہیں، جہاں تم ڈس لئے جاؤ گے۔ ہم نے اپنے انبیاء اور اولیاء کو بھی پیدا کیا ہے، ان کے پاس بیٹھنا، وہاں سے تم کو ہدایت ملے گی۔ یہ دنیا عالمِ امتحان ہے، اللہ نے یہاں انبیاء کو بھی بھیجا اور شیطانوں کو بھی پیدا کیا اور ہدایت کی راہ بھی دِکھا دی اور گمراہی کے راستہ سے منع فرما دیا۔

بس یہ دنیا امتحان گاہ ہے، امتحان ہو رہا ہے کہ کون ہدایت کے راستے پر چلتا ہے اور کون گمراہی کو اختیار کرتا ہے۔ امتحان کا مضمون اور کورس حق تعالیٰ نے بتا دیا، اسی کے اندر امتحان ہو رہا ہے۔ کیا حق تعالیٰ کو امتحان کا حق حاصل نہیں ہے؟ بالکل ہے! اور یہ امتحان ظلم نہیں ہے، ظلم تو اس وقت ہوتا جب مضمون اور کورس سے باہر سے سوال کیا جاتا۔ حق تعالیٰ نے اس امتحان کا مضمون اور کورس پہلے ہی بتا دیا کہ

فلاں راستہ ہدایت کا ہے، اسی کو اختیار کرنا اور فلاں راستہ گمراہی کا ہے، اس سے بچنا۔ پس اگر کوئی ہدایت کے راستے کو اختیار نہ کرے اور گمراہی کو اختیار کرے تو اس کا اپنا قصور ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی کے پیدا کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ تُعْرَفُ الْاَشْیَآءُ بِاَضْدَادِھَا ہر چیز کی معرفت اس کی ضد پر موقوف ہے۔ اگر ظلمت نہ ہوتی تو نور کی معرفت محال تھی، اگر بدبو نہ ہوتی تو خوشبو کی معرفت محال تھی، اسی طرح اگر باطل نہ ہوتا تو حق کی صحیح معرفت بھی نصیب نہ ہوتی۔ اگر حق تعالیٰ صرف انبیاء و اولیاء ہی کو پیدا فرماتے اور شیطان کو پیدا نہ فرماتے تو حق کی پہچان کیسے ہوتی؟ باطل کے مقابلہ سے حق کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت کی صحیح معرفت کے لئے دنیا میں معبودانِ باطل کو بھی پیدا فرما دیا کہ ان کے ہیچ اور لچر ہونے سے لوگوں کو الوہیتِ حقیقیہ کی معرفت نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے مثبت اور منفی تار

ارشاد فرمایا کہ مثبت اور منفی تاروں کے ملنے سے بجلی کا بلب روشن ہوتا ہے۔ اللہ نے جب کلمہ پیدا فرمایا تو اپنی محبت کی بجلی پہلے ہی پیدا فرما دی اور اس میں مثبت اور منفی کے دو تار لگائے، لا الٰہ یہ منفی کا تار ہے، نہیں ہے کوئی ہمارا معبود، نہیں ہے کوئی ہمارا مقصود، نہیں ہے کوئی ہمارا مسجود، نہیں ہے کوئی ہمارا محبوب لیکن اللہ، الا اللہ یہ مثبت کا تار ہے۔ پس اللہ نے بتا دیا کہ قلب دو تاروں کے ملنے سے روشن ہوتا ہے، ان دونوں تاروں کو ملاؤ گے تو ہماری محبت کی بجلی پیدا ہوگی۔ ایک تو ذکر اللہ کا تار ہے جو مثبت تار ہے اور دوسرا صحبتِ شیخ کا تار ہے جو منفی تار ہے، جس سے گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے، جو بنیاد ہے ولایت کی لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ، قلب ان دونوں یعنی ذکر کے مثبت اور اجتنابِ معصیت کے منفی تاروں کے

ملنے سے منور ہوجاتا ہے اور اجتنابِ معصیت کی توفیق صحبتِ شیخ سے ہوتی ہے۔

اسی سے سمجھ لو کہ اگرچہ ذکر بمنزلہ مثبت تار کے ہے لیکن اگر کوئی شخص صرف ذکر ہی کرتا رہے اور کسی اللہ والے سے تعلق قائم نہ کرے تو ذکر سے تکبر اور خود پسندی کا ایک نشہ پیدا ہوجاتا ہے اور اللہ کا قرب ملنے کے بجائے اللہ سے اَور دوری ہوجاتی ہے۔ شیخ کی صحبت کا منفی تار اس نشہ ہی کی نفی کرتا ہے۔ ان دونوں کے ملنے سے قلب، اللہ کے نور سے روشن ہوجاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص صرف مثبت تار ہی لگائے، یعنی ذکر کرتا رہے اور صحبتِ شیخ نہ اختیار کرے یا صرف منفی تار لگائے، یعنی شیخ کی صحبت کا تو اہتمام کرے لیکن ذکر ترک کردے تو دونوں صورتوں میں قلب پورا منور نہ ہوسکے گا۔ پس ذکر کا التزام اور صحبتِ شیخ کا اہتمام دونوں ضروری ہیں۔

ذکر اللہ کا مقام

ارشاد فرمایا کہ جب بندہ اللہ اللہ کرتا ہے تو اللہ اس کے پاس ہوتا ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے:

((اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ))

(شعب الایمان للبیہقی: (مکتبۃ الرشد ریاض)؛ فصل فی ذکر اللہ عزوجل، ج۲ ص۱۷۱)

جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ ذکر کا وقت گویا اللہ سے ملاقات اور اس کے سامنے حاضری کا وقت ہے۔ بندہ جب محبت اور درد کے ساتھ اللہ کہتا ہے تو گویا اللہ میاں کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے اور بزبانِ حال کہتا ہے کہ اے اللہ میاں! اپنے دروازۂ قرب کو کھول دیجئے ؎

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی دروازے کو کھٹکھٹاتا رہے گا، تو ایک دن اس دروازے سے کوئی نہ کوئی سر ضرور برآمد ہوگا، یعنی دروازہ کھل ہی جائے گا۔ اسی طرح

جو بندہ ذکر کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، اس کے نتیجہ میں ایک دن اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب سے نواز ہی دیں گے۔

بندے کا زمین پر یوں اللہ کو پکارنا پایۂ عرش کو ہلا دیتا ہے، اس بندے کی آواز عرش پر زلزلہ لاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کو جوش آتا ہے۔ اللہ کو ہماری پوری خبر ہوتی ہے کہ میرا یہ بندہ مجھے کس طرح یاد کر رہا ہے۔ جب بندہ روزانہ اس طرح ان کا دَر کھٹکھٹاتا رہتا ہے تو آخر ایک دن وہ اپنا دروازہ کھول دیتے ہیں اور ولایت کے اعلیٰ مقام سے مشرف فرماتے ہیں۔

مقامِ عشقِ حقیقی پر دو اشعار کی شرح

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خوب تر زیں سم ندیدم شربتے
زیں مرض خوشتر نباشد صحتے

اللہ کی محبت کا زہر ایسا جاں فزا ہے کہ دنیا کا کوئی شربت اس سے زیادہ لذیذ نہیں اور اللہ کے عشق و محبت کا یہ رَوگ وہ رَوگ ہے جو انبیاء علیہم السلام کی جانوں کو لگایا جاتا ہے، لاکھوں صحتیں اس رَوگ پر قربان ہیں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

جب تک میرا کام نہ بن جائے میں اللہ کی طلب سے اپنا ہاتھ نہ کھینچوں گا۔ یا تو یہ تن اللہ کے پاس پہنچ جائے یا جان ہی اس سے باہر آجائے، یعنی ان کی راہ میں، ان کو پانے کی کوششوں میں کمی نہیں کروں گا۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب کیفیتِ عشقیہ

ارشاد فرمایا کہ اَبر میں اللہ کے عاشقوں کا دل گھبرایا کرتا ہے۔ اس کی وجہ

یہ ہے کہ ہر عاشق اپنے محبوب کو بے حجاب دیکھنا چاہتا ہے۔تو سات آسمانوں کے حجاب ہی کیا کم تھے کہ ایک حجاب اَور تان دیا گیا۔بس پھران کے قلب سے آہ نکلتی ہے جوتمام حجابات کو چیر کرساتویں آسمان پر پہنچ کر پایۂ عرش کو ہلا دیتی ہے۔یہ وہ آہ ہے جو دل میں شدید تعلق مع اللہ اورانابت الی اللہ سے پیدا ہوتی ہے۔لیکن انابت تو قلب کی ایک حالت تھی، وہ لوگوں پر کیسے ظاہر ہوتی ؟اس کے ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کوآہ سےنوازتے ہیں ؎

آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

بس! پھر یہ آہ لوگوں کو بتلاتی ہے کہ یہ صاحبِ آہ کوئی معمولی انسان نہیں، اللہ کا مقرب اورمحبوب ہے۔

متقی علماء کا مقام

ارشاد فرمایا کہ مصری علماء عمل سے کورے ہیں، جامعہ ازہر میں داڑھی منڈا کر، ٹائی لگا کر حدیث کا درس دیتے ہیں۔ ہمارے متقی علماء سے ان کا کیا مقابلہ، ان کی زبانیں ہمارے علماء کے پاؤں کی خاک چاٹنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔

مومن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق کیسا ہونا چاہیے؟

۱۵/جمادی الثانیہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۸/اگست ۱۹۷۱؁ء

ارشاد فرمایا کہ مومن کو اپنے اللہ کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہونا چاہیے جیسا مچھلی کو پانی کے ساتھ ہے کہ اگر کانٹا اس کے منہ میں پھنس بھی جاتا ہے اور شکاری اس کو پانی سے نکالنا چاہتا ہے تو وہ اپنی پوری قوت صَرف کردیتی ہے کہ پانی سے نہ نکلے۔ اگر چہ اس کشمکش میں کانٹا اس کے گال کو پھاڑے ڈالتا ہے لیکن وہ چاہتی ہے کہ اگر موت بھی آئے تو پانی ہی میں آئے۔ پانی اس کا محبوب ہے، اس لئے وہ چاہتی ہے

کہ محبوب کے قدموں ہی پہ دم نکلے۔

اسی طرح نفس وشیطان گناہ کے کانٹے پر لذت کا چارہ لگا کر مومن کی روح کی مچھلی کو پھنسانا چاہتے ہیں اور اگر کبھی وہ نفس و شیطان اور معاشرے کی دعوتِ گناہ کے فریب میں آکر اس کانٹے کو کھا بھی لے تو اس مومن کو چاہیے کہ اپنی پوری قوت صَرف کردے کہ دریائے قرب سے نہ نکلے اور اگر جان نکلے تو کلمہ ہی پر نکلے، اللہ کے قدموں ہی میں موت آئے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شانِ زہد

ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے گئے، اس وقت مسلمانوں پر فتوحات کا باب کھل چکا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دنیاوی حالات بدل چکے تھے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پختہ مکانوں میں رہنے لگے تھے لیکن شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک ٹوٹا بوریا تھا اور گھر میں کوئی سامان ہی نہ تھا:

((اِنَّ عُمَرَ حِیْنَ قَدِمَ الشَّامَ قَالَ لِاَبِیْ عُبَیْدَۃَ اذْھَبْ بِنَا اِلٰی مَنْزِلِكَ ....قَالَ فَدَخَلَ فَلَمْ یَرَ شَیْئًا قَالَ اَیْنَ مَتَاعُكَ.... فَبَکٰی عُمَرُ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ قَدْ قُلْتُ لَكَ اِنَّكَ سَتَعْصِرُ عَیْنَیْكَ عَلَیَّ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ....قَالَ عُمَرُ غَیَّرَتْنَا الدُّنْیَا کُلَّنَا غَیْرَكَ یَا اَبَا عُبَیْدَۃَ))

(سیر اعلام النبلاء للذھبی: (دار الحدیث، القاھرۃ)، باب ابی عبیدۃ الجراح، ج ۳ ص ۱۳)

ان کی حالت کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ اے ابوعبیدہ! تم نے دنیا کے پردیس ہونے کا حق ادا کر دیا، حالانکہ اب تو مسلمانوں پر فتوحات کا دروازہ کھل گیا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّكَ غَرِیْبٌ کا جو سبق پڑھایا تھا، کہ دنیا میں ایسے رہ جیسے تُو ایک مسافر ہے، تم نے اس سبق کا پورا حق ادا کر دیا، تمہیں دیکھ کر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا۔

چمن کا رنگ گو تُو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی، نہ ہم نے آشیاں بدلا

علم کا مزہ کب ہے؟

۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ علم کا مزہ اس وقت ہے کہ پہلے قلب کو ماسوی اللہ سے خالی کیا جائے، پھر علمِ دین سیکھا جائے، کیونکہ پہلے شیشی کو گندگی سے صاف کرتے ہیں، پھر اس میں عطر رکھتے ہیں، اگر گندی شیشی میں عطر بھر دیا جائے تو عطر بھی گندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر دل میں دنیا کی محبت گھسی ہو اور اس گندگی کے ساتھ دل میں علم کا عطر رکھ دیا جائے تو بوجہ ظرف کی گندگی کے وہ علم بھی نافع نہیں رہتا۔ ایسا شخص علم کو دنیا کے عوض فروخت کر دیتا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ میں پہلے ماسوی اللہ ہی کی نفی کی گئی ہے کہ پہلے دل کو ہر شے سے خالی کرلو، پھر اس دل میں اللہ آئے گا۔ پہلے خلاء ہے، پھر ملاء ہے۔ خلاء معنی خالی کرنا، ملاء معنی بھرنا۔ پہلے ظرف کو خالی کیا جاتا ہے پھر خالی کرنے کے بعد اس کو بھرا جاتا ہے۔ لا الٰہ میں قلب کو غیر اللہ سے خالی کرنے کا درس ہے، بعد میں الا اللہ یعنی محبتِ الٰہیہ سے قلب کو بھرنے کا حکم ہے۔ اگر غیر اللہ سے ظرفِ قلب خالی نہ ہوگا تو اللہ کے آنے کی اس میں جگہ بھی نہ ہوگی۔

علم کا مزہ عمل سے ہے

۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۰/ اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ علم کا مزہ عمل سے ہے اور علم کا مقصود بھی عمل ہی ہے۔ جو مولوی علم تو حاصل کرتا ہے لیکن اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے دوست کے گھر کا پتا معلوم کرے کہ فلاں گلی فلاں طرف سے ہو کر

دوست کے گھر جاتی ہے لیکن کبھی اس راستے پر چلے نہیں، تو کیا وہ اپنے دوست تک پہنچ جائے گا؟ اسی طرح علم کا حاصل تو اللہ میاں کے راستے کو معلوم کر کے اس پر چلنا ہے۔ اگر اس راستے پر نہ چلو گے تو اللہ تک بھی نہیں پہنچو گے۔

علم کا مقصد اعمالِ صالحہ ہیں

یکم رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳/اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ علمِ ظاہری مقصود نہیں، مقصود تو حق تعالیٰ کے ساتھ والہانہ تعلق اور اللہ کا دردِ محبت ہے، علم تو ایک ظرف ہے جس کا مظروف یہی درد اور محبت ہے۔ محض علومِ ظاہری کی تحصیل میں انہماک اور اللہ کی محبت کے حصول سے انحراف ایسا ہی ہے جیسے کوئی خالی شیشیاں تو خرید لے لیکن ان میں عطر نہ بھرے۔ بتاؤ! ایسی شیشیوں کی کوئی قیمت لگے گی؟ ظرف کی قیمت تو مظروف سے ہے، شیشی کی قیمت تو عطر سے ہے، عطر ہی نہ ہو تو شیشی بے قیمت ہوتی ہے۔ پس وہ مولوی جن کے دل اللہ کی محبت سے خالی ہیں، یہ خالی شیشیاں ہیں، لیبل لگا ہوا ہے کہ یہ عطرِ حنا ہے لیکن اندر عطر کا پتا بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ نہ یہ خود مہک رہے ہیں، نہ دوسروں کو مہکا رہے ہیں۔ منبر پر چمک رہے ہیں لیکن تنہائیوں میں انہیں دیکھو تو اللہ کی محبت میں ایک آنسو بھی نہیں گراتے۔ پس جو شخص خود محبت سے خالی ہو، وہ دوسروں کو کیا محبت دے گا؟ جس نے خود اللہ کی محبت کی شراب نہ پی ہو، وہ دوسروں کو کیا پلائے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان کے مواعظ و تقاریر کسی ایک شخص کو بھی صاحبِ نسبت نہیں بنا سکتے۔

علومِ ظاہری تو صرف محمل ہیں، اگر خیمہ لگ جائے اور اعلان بھی ہو جائے کہ اس محمل میں لیلیٰ ہے، لیکن اندر لیلیٰ نہ ہو تو جو شخص اس محمل میں جھانک کر دیکھے گا، وہ محمل پر ہی تھوک دے گا اور نفرت کرے گا۔ پس ایسے علماء کے محملِ علم کو دیکھ کر عوام سمجھتے ہیں کہ یہ مولوی مولیٰ والا ہو گا لیکن جب اس محمل میں مولیٰ کو نہیں پاتے تو پھر ان کو مولویوں اور دین ہی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ علوم کے ایسے محمل سے بہتر ہے کہ

تمہارا محمل خواہ ٹوٹا پھوٹا سا ہو لیکن تمہارے قلب میں مولیٰ ہو، یعنی علم چاہے کم ہو لیکن اللہ کے درد اور محبت سے تمہارا دل لبریز ہو اور یہی جانِ علم ہے، ورنہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہوں گے لیکن ان میں دردِ دل نہ ہوگا ؎

اَیُّہَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَۃِ
کُلُّ مَا حَصَّلْتُمُوْہُ وَسْوَسَۃٌ
علم نبود اِلّا علم عاشقی
مابقی تلبیس ابلیس شقی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لغات کے حافظ ہونے سے کیا ہوتا ہے، سولاکھ پیالے ہوں اور خالی ہوں، اس سے بہتر ہے کہ ایک پیالہ ہو لیکن مملو ہو، بھرا ہوا ہو، یعنی علم اگرچہ کمّاً کم ہو مگر کیفاً زیادہ ہو۔ تھوڑا علم جس میں اللہ کی محبت کا رس بھرا ہو، اس سے جو منتفع ہوگا، مست ہو جائے گا، یعنی کسی اہلِ محبت سے جو علم حاصل کرے گا، وہ اللہ کی محبت کے رس اور نشہ سے مسرور ہو جائے گا۔

اللہ باوفا ہے، مجاز دھوکے باز ہے

۱۷؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۱۰؍اگست ۱۹۷۱؁ء

ارشاد فرمایا کہ مجاز دھوکے باز ہے، جہاں اس کی حاجت رُکی، اس نے دوسرے سے آشنائی کی۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ حاجت سے پاک ہے، اس لئے اپنے عاشقین کے ساتھ باوفا ہے۔

خواب اور حقیقت

ارشاد فرمایا کہ بیداری صرف اللہ کی یاد ہے، باقی ساری کائنات خواب ہے۔

ایک انمول نصیحت

ارشاد فرمایا کہ قبر میں تو بہر حال جانا ہی ہے، لہٰذا حسینوں سے دل لگا کر قبر میں چلے جانے سے بہتر ہے کہ اللہ سے دل لگا کر قبر میں جاؤ۔

وظیفہ کی حیثیت

۱۸ / جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۱ / اگست ۱۹۷۱ء

(ایک صاحب ملازمت کے لئے پریشان تھے، ان کو ایک وظیفہ بتلانے کے بعد)

ارشاد فرمایا کہ وظیفہ اللہ پر حکومت نہیں کرتا، یہ تو بس ایک درخواست ہے۔ جو چیز مانگی ہے، اگر وہ مل جائے تو شکر کرنا اور اگر نہ ملے تو راضی رہنا۔ آج کل لوگ وظیفہ بتاتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ایسا مجرب ہے، ویسا مجرب ہے۔ پھر اگر اس وظیفہ کا اثر محسوس نہیں ہوتا تو شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارے رب نے تمہاری کیا سنی؟ اس طرح اللہ کے وجود ہی میں شک ڈال دیتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات ایمان ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بتا دیا کہ وظیفہ درخواست ہے، اللہ پر حکومت نہیں ہے کہ کام ضرور ہی ہو جائے گا، اگر تمہارے لئے مناسب نہیں ہوگا تو اللہ نہیں دے گا۔ اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہنا ہی عبدیت ہے:

((فَقَدْ رُوِیَ فِی الْحَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَآئِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَلْتَمِسْ رَبًّا سِوَائِیْ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، باب عیادۃ المریض و ثواب المرض، ج ۴ ص ۳۹)

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے فیصلہ سے راضی نہیں ہے اور میری دی ہوئی تکلیف پر صابر نہیں ہے تو وہ جائے میرے علاوہ کسی اور کو اپنا رب بنا لے۔

درسِ تسلیم و رضا

۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۴ / اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ سے اپنی مرادیں مانگو لیکن اگر تمہاری مرادیں پوری نہ ہوں تو بھی مست، خوش اور راضی رہو کہ اس آرزو کو پورا نہ کرنے میں میری ہی مصلحت ہے۔

اگر آرزو پوری ہونے پر ہی خوش ہوئے تو کیا ہوئے، مزہ تو جب ہے کہ جب حق تعالیٰ درد دیں، تب بھی مست رہو کہ وہ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے ۔

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
بہر خوشنودی شاہ فرد خویش

میں اپنے محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کی خوشنودی و رضا کے لئے اپنے درد وغم پر خود عاشق ہوں ۔

عاشقم بر لطف و بر قہرش بہ جدّ
اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد

میں محبوب کے لطف وکرم اوران کی طرف سے ابتلائے غم پر عاشق ہوں، الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ کے لطف وقہر جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، میں دونوں پر عاشق ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے الطاف وکرم اوران کی طرف سے آنے والی مصیبت اورغم دونوں پر راضی ہوں، کیونکہ دونوں میرے فائدے کے لئے ہیں۔

ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے

ارشاد فرمایا کہ دنیا کی زندگی پردیس ہے۔صبح وشام ہورہی ہے، دن گذر رہے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ ہماری عمر بڑھ رہی ہے، حالانکہ عمر ہر روز گھٹ رہی ہے۔ ہر سانس جو آپ نے لے لی، زمین وآسمان کے تمام خزانے دے کر اس سانس کو واپس لینا چاہو تو نہیں مل سکتی ۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم　　　چپکے چپکے، رفتہ رفتہ، دم بدم
سانس ہے اِک رہروِ ملکِ عدم　　　خود بخود اِک روز یہ جائے گا تھم

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دعائے ہدایت کی تلقین

ارشاد فرمایا کہ اپنی ہدایت کو اللہ سے مانگو کہ اے اللہ! کیا تُو ان نافرمانیوں کے ساتھ مجھ کو اپنے پاس بلائے گا؟ یا اللہ! تیری محبت تو ماں باپ کی محبت سے بھی زیادہ ہے۔ اے اللہ! کیا تیری رحمت کو جوش نہ آئے گا؟ کیا تُو مجھے دوزخ میں جلائے گا؟ اے اللہ! آپ کو آپ کی اس رحمت کا صدقہ اور آپ کے نبیٔ رحمت کا صدقہ کہ آپ میری ہدایت کا ارادہ فرما لیجیے۔

حدیث اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ... الخ کی عاشقانہ شرح

ارشاد فرمایا کہ حدیثِ پاک کی دعا ہے:

((اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۷ ص ۲۸۵ رقم ۲۰۹۹۰)

اے اللہ! اپنے ذکر کے ذریعہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دیجیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں اللہ کے قرب کی نعمتیں پوشیدہ ہیں لیکن تالے لگے ہوئے ہیں، جس سے قرب کا وہ خزانہ نظر نہیں آتا، ذکر ان تالوں کی کنجی ہے۔ جب تالے کھلیں گے تو خزانۂ قرب ہاتھ آجائے گا۔ لیکن کنجی خود تالہ نہیں کھولتی، اس وقت کھولتی ہے جب کسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، یعنی ذکر کسی اللہ والے کے مشورے سے کرو۔

آیت یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کے عاشقانہ رموز

۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷؍ اگست ۱۹۷۱ء

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ﴾

(سورۃ المآئدۃ: آیۃ ۵۴)

جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی (بیان القرآن)۔ اس آیت کے جز یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗٓ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا معمولِ محبت بیان فرمادیا، سارے عالم کے لئے اپنا دستورِ محبت پیش فرمادیا اور سارے عالم کے لوگوں کو بتادیا کہ محبت جانبین یعنی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ یُحِبُّهُمْ میں اللہ تعالیٰ کا اپنی محبت کو مقدم فرمانا بڑے اہم اَسرار کی طرف دلالت کرتا ہے۔ ان میں سے ایک نازک اور روح کو وجد میں لانے والے رمز کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ہم بندوں سے محبت کرتے ہیں، پھر ہماری محبت کے ردعمل میں بندے ہم سے محبت کرتے ہیں، یعنی بندوں کی محبت ہماری محبت کا ردعمل ہے۔ حق تعالیٰ کی یہ رحمت وشفقت اور غلاموں کی یہ عزت افزائی کہ اللہ کی محبت کو بندوں کی محبت پر تقدم حاصل ہے، عاشقین کی روحوں کو وجد میں لانے کے لئے کافی ہے۔

اور یہ قاعدہ ہے کہ جو محبت میں پہل کرتا ہے اس میں محبت زیادہ ہوتی ہے، پھر حق تعالیٰ کی محبت کی قوت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ وہ جس بندے سے محبت فرمائیں، بھلا پھر ممکن ہے کہ بندہ ان سے محبت نہ کرے؟ وہ تو مجبورِ محبت ہوجائے گا۔ بھلا جس بندے سے حق تعالیٰ خود محبت فرمائیں، پھر وہ ناکام ہوسکتا ہے؟ ان کی محبت کا اثر کماً اور کیفاً اس بندے کو حق تعالیٰ کا دیوانہ بنادیتا ہے۔ اللہ کی محبت کے راستے میں ناکامی اسی وجہ سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت ہر وقت بندے کی طرف متوجہ ہے۔ اللہ کے تمام عاشقین کامیاب ہیں، اس لئے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ فرمایا کہ یہ سب فلاح پانے والے ہیں۔ اور ہر چیز کا ردعمل باعتبار اس شے کی قوت کے ہوتا ہے، جتنی قوی وہ شے ہوگی، اتنا ہی قوی اس کا ردعمل ہوگا اور کیونکہ حق تعالیٰ کی قوت بے مثل ہے، اس لئے اس کا ردعمل بھی بے مثل ہوتا ہے، اس یُحِبُّهُمْ کا ہی ردعمل ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں جان تک دے دیتا ہے۔

قلبِ شکستہ پر انعامِ قربِ الٰہی

ارشاد فرمایا کہ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

تو ڑ ڈالے مہ و خورشید ہزاروں ہم نے
تب کہیں جا کے دِکھایا رخِ زیبا تُو نے

مہ وخورشید کو توڑنے کا مطلب یہ ہے کہ سالک کو اللہ کے راستے میں حسینوں سے صرفِ نظر کرنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ نفس سے مغلوب ہو کر کسی حسین کی صورت سالک کے دل میں بیٹھ جاتی ہے لیکن پھر وہ شکستِ آرزو کرتا ہے اور اپنے آئینۂ دل کو توڑ دیتا ہے، یعنی اللہ کی رضا کے لئے مجاز سے حقیقت کی طرف امالہ کرتا ہے اور اس امالہ الی الحقیقۃ کی وجہ سے اس کی آرزوئیں ٹوٹ جاتی ہیں اور کسرِ آرزو سے کسرِ دل ہوتا ہے۔ جب دل ٹوٹتا ہے تو دل میں جتنی صورتیں اور بت تھے وہ بھی ٹوٹ جاتے ہیں، کیونکہ کسرِ ظرف کسرِ مظروف کو مستلزم ہے۔ اس طرح دل کے آئینہ میں مہ وخورشید جیسی ہزاروں صورتیں دل کے ٹوٹنے سے شکستہ ہو جاتی ہیں اور دل کے شکستہ ہوتے ہی حق تعالیٰ اس دل میں آجاتے ہیں از روئے حدیثِ قدسی:

((اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، ج ۴ص ۸ ۔ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف: ص ۱۶۳)

میں ٹوٹے ہوئے دل میں رہتا ہوں، مہ وخورشید کے توڑنے سے یہی مراد ہے۔ دوسرے مصرع میں اصغر گونڈوی نے کس لطیف پیرائے میں اپنی روح پر حق تعالیٰ کی تجلیات کے نزول اور ورود کا سوال کیا ہے، جس کو رُخِ زیبا سے تعبیر کیا ہے۔

اَلتَّجَلِّیْ عَلَی التَّجَلِّیْ نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ

۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۸/اگست ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ امتی کے استغفار میں اور نبی کے استغفار میں یہ فرق ہے کہ امتی کے استغفار سے ظلمت دور ہوتی ہے اور نور عطا ہوتا ہے اور نبی کے استغفار سے

جلوے پر جلوہ چڑھایا جاتا ہے، کیونکہ نبی تو معصوم ہوتا ہے، ظلمت کا وہاں کیا کام! جن تجلیاتِ قرب میں نبی ہر وقت ہوتا ہے، استغفار سے مزید تجلیات اسے عطا ہوتی ہیں۔ لہٰذا! امتی کا استغفار تَجَلِّیٌ عَلَی الظُّلُمَاتِ ہے اور نبی کا استغفار تَجَلِّیٌ عَلَی التَّجَلِّیْ ہے، نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ ہے۔ پس نبی کو ہر استغفار سے تجلیاتِ قرب میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا جب ان کو نئی تجلی کے انوار نصیب ہوتے ہیں تو نبی استغفار کرتا ہے کہ پہلے میں اس مقام پر کیوں نہ تھا۔ ثابت ہوا کہ نبی ما تقدّم (مستقبل) کو دیکھ کر ما تأخّر (ماضی) سے استغفار کرتا ہے۔

اللہ کی محبت کا لطفِ بے مثال

ارشاد فرمایا کہ جس طرح اللہ کی ذاتِ پاک لا مثل لہٗ ولا شریک لہٗ ہے، اسی طرح دنیا میں اس کی محبت کا لطف بھی لا مثل لہٗ ولا شریک لہٗ ہے۔

سوختہ جانی اور دنیائے فانی

۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱؍ اگست ۱۹۷۱ء بوقت گیارہ بجے صبح

ارشاد فرمایا کہ سوختہ جانی (اللہ کے عشق میں جلنا) اور دنیائے فانی، یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ایں خیال است ومحال است وجنوں

اللہ تعالیٰ کو بھی چاہتے ہو اور دنیائے حقیر کو بھی، یہ محال ہے اور پاگل پن ہے۔ دنیائے حقیر سے مراد وہ دنیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے، ورنہ جو دنیا اللہ سے غافل نہ کرے وہ دنیا حقیر نہیں ہے، وہ آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

قرآنِ پاک کی رو سے دین کی مجلس کا ایک ادب

ارشاد فرمایا کہ دین کی مجلس کا ادب یہ ہے کہ جس شخص سے دین سیکھنے جاؤ اس کے سامنے کسی کتاب کا مطالعہ بھی نہ کرو، حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ھُوَ شَہِیۡدٌ ۝﴾

(سورۃ قٓ: آیۃ ۳۷)

اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس فہیم دل ہو یا وہ کم از کم (دل سے) متوجہ ہوکر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو۔ (بیان القرآن)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین کا نفع ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کے سینوں میں ہمارے لئے قلبِ مضطر ہو، یعنی ایسا دل ہو جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی کی باتوں کا فہم رکھتا ہو، حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہو، یا اگر کسی کے پاس ایسا دل نہ بھی ہو تو کم از کم اتنا تو ہو کہ وہ ہمارے دین کی بات کو کان لگا کر سنتا ہو اور سنتے وقت وہ دل سے حاضر بھی ہو، یہ نہیں کہ جسم تو مجلس میں ہے اور دل کہیں اور ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسائل السلوک'' میں لکھا ہے کہ اس آیت میں کلامِ شیخ کے نافع یعنی فائدہ مند ہونے کی شرائط بیان ہوئی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہدایت کے حصول میں متوجہ ہو کر سننے کو بڑا دخل ہے، لہٰذا جب شیخ کے پاس حاضر ہو تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

صحبتِ شیخ کا فائدہ

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کمزور ہو اور محلہ میں اس کے دشمن بھی ہوں جو اکثر اس کی پٹائی کرتے رہتے ہوں تو اگر ایسے شخص کو کسی پہلوان کی دوستی اور اس کی معیت حاصل ہو جائے تو اس کے قلب کو ایک اطمینان رہتا ہے کہ میں کمزور ہوں تو کیا ہوا، ایک طاقتور میرے ساتھ ہے۔ اس پہلوان کی مصاحبت اور دوستی کی وجہ سے مجھ پر دشمن حملہ کرتے ہوئے ڈریں گے اور اگر حملہ کر بھی دیا تو وہ پہلوان میری مدد کرے گا۔ اسی طرح وہ شخص جو نفس و شیطان کے ہاتھوں پٹتا رہتا ہے، یعنی گناہ کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، وہ جب کسی اللہ والے کی خدمت میں رہ پڑتا ہے تو اس کے قلب کو بھی ایک اطمینان نصیب ہو جاتا ہے کہ اگرچہ میری روح ابھی کمزور ہے اور میرے دشمن، نفس و شیطان قوی ہیں لیکن میں اس اللہ والے کا مصاحب ہوں، اس

اللہ والے کی قوتِ روحانی کی وجہ سے میرے دشمن مجھ پر حملہ کرتے ہوئے ڈریں گے اور اگر حملہ کر بھی دیں، یعنی گناہ کرا بھی دیں تو اس اللہ والے کی مدد میرے ساتھ ہوگی اور یہ کوئی ایسا گُر مجھے بتا دے گا کہ نفس و شیطان چت ہو جائیں گے۔ وہ گُر کیا ہے؟ وہ گُر اللہ سے گریہ، تضرع، توبہ اور انابت الی اللہ ہے۔

دعوتِ انبیاء علیہم السلام محض خیالی نہیں ہوتی

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی تم سے کہے کہ میرا خیال ہے کہ فلاں کام میں بہت نفع ہے لیکن اس کام کے کرنے میں جان کا بھی ڈر ہے کہ شاید جان جاتی رہے تو تم کہتے ہو کہ میاں! میں خیالات پر جان نہیں دوں گا، جان ایسی چیز نہیں ہے کہ محض خیالات پر دے دی جائے، تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گردنیں محض خیالات پر کٹ گئی تھیں؟ اگر ہمارا خدا خیالی تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے خون کو کیوں سستا کر دیا؟ خیالات پر گردنیں نہیں کٹتیں، خیالات تو کیا، کسی بہت بڑے نفع کے یقین پر بھی جان نہیں دی جاسکتی، جب جان سے بڑھ کر کوئی چیز ملتی ہے تب آدمی جان دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل کی آنکھوں نے اللہ کو دیکھ لیا تھا، اس وجہ سے انہیں جان دینا آسان ہو گیا۔ اگر ان کا دل اللہ کو نہ دیکھ لیتا تو وہ اپنی گردنیں نہیں کٹوا سکتے تھے۔ نبی جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ کوئی خیالی دعوت نہیں ہوتی، وہ دل کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھتا ہے، پھر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾

(سورۃ یوسف: آیۃ ۱۰۸)

اللہ تعالیٰ قرآن میں اعلان فرما رہے ہیں کہ اے ہمارے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں جو تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں تو میں دلیل کے ساتھ، سمجھ بوجھ کر دے رہا ہوں اور اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ جسم کی آنکھوں سے تو اس دنیا میں کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا لیکن دل کی

آنکھیں اللہ کو دیکھتی ہیں اور دل اللہ کی معیت کو محسوس کرتا ہے۔جس طرح تم بھی دنیا میں بہت سی چیزوں کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارا دل انہیں محسوس کرتا ہے، تم خوشی کو بغیر آنکھوں سے دیکھے ہوئے کہتے ہو کہ آج میرے دل میں بہت خوشی ہے، اور اس دعویٰ پر قرآن سر پر رکھ سکتے ہو حالانکہ خوشی مخلوق ہے۔مخلوق پر تو بغیر دیکھے یقین کرتے ہو لیکن نبی اگر خبر دیتا ہے کہ جس طرح تم خوشی کو محسوس کرتے ہو، اسی طرح میں اللہ کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور دل کی آنکھوں سے دیکھ کر تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں، اور جو لوگ میری اتباع کر رہے ہیں، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، یہ بھی دل کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہے ہیں، اور آئندہ بھی جو میری اتباع کریں گے، میری اتباع کی برکت سے ان کے دل کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور ان کے دل بھی اللہ کو دیکھ کر لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں گے۔تو نبی کی خبر پر تم بغیر دیکھے ایمان لانے کو کیوں تیار نہیں؟ حالانکہ وہ خیالی دعوت نہیں دیتا بلکہ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ فرمایا، وہ دلیل پر قائم ہے، یعنی دل کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ کر دعوت دے رہا ہے۔

نصیحت کا ایک انوکھا انداز

یکم رجب المرجب ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۲۳؍اگست ۱۹۷۱؁ء

(حضرت والا مدظلہ سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جن کے داڑھی تھی لیکن سر پر انگریزی بال تھے، دورانِ گفتگو حضرت والا نے ان کو نصیحت فرمائی۔)

ارشاد فرمایا کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی تھی اور تم انگریزی بالوں کی گردن پر چھری رکھتے ہوئے کانپ رہے ہو۔

تعلق مع اللہ کا فیض

ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

نواب رام پور نے ایک قاصد بھیجا۔ قاصد گنج مرادآباد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت شاہ صاحب بخاری شریف کا درس دے رہے تھے۔ قاصد نے دورانِ درس ہی عرض کیا کہ حضور! نواب صاحب نے پیغام بھیجا ہے کہ اگر آپ رام پور تشریف لے چلیں تو نواب صاحب ایک لاکھ روپیہ پیشِ خدمت کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں! ایک لاکھ روپے پر ڈالو خاک، تم میری بات سنو، پھر یہ شعر پڑھا ؎

جو دل پہ ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

پس اللہ والوں کے قلوب پر جو نعمتیں نازل ہوتی ہیں، اہلِ دنیا کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اللہ کی نسیمِ کرم کے جو جھونکے ان کی جانوں تک پہنچتے رہتے ہیں، اگر بادشاہوں کو ان کی لذت کا علم ہو جائے تو اپنی بادشاہتیں چھوڑ دیں۔ حق تعالیٰ کے ان نفحاتِ کرم کی لذت کو ان کا دل ہی محسوس کرتا ہے، حروف والفاظ ان کا احاطہ نہیں کرسکتے ؎

بوئے آں دلبر چو پراں می شود
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

اس محبوبِ حقیقی کی خوشبو کے نفحات جب جان میں آتے ہیں تو الفاظ ان کی لذت کے بیان سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بوئے دلبر کہاں سے آتی ہے؟ مے خانۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آتی ہے ؎

خاصہ آں خمرے کہ از خُمّ نبی ست
مستی او دائمی، نے یک شبی ست

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خُمِ محبت ومعرفت، خُمِ سنت وشریعت سے جو مے عطا ہوتی ہے اس کا نشہ ایک رات کا نہیں ہوتا، دائمی ہوتا ہے جو کبھی نہیں اترتا۔ دنیا کی شراب کا نشہ تو ذرا سی ترشی سے اتر جاتا ہے، ذرا سا رنج دنیا کے سارے عیش کو تلخ کر دیتا ہے

لیکن مے خانۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو اللہ کی محبت کا نشہ ملتا ہے، اس نشہ کو تلواریں بھی نہیں اتار سکتیں، گردنیں کٹ جاتی ہیں، لیکن یہ نشہ نہیں اترتا۔ یہ ایسی مستی ہے کہ جس کے آگے اللہ کے عاشقین اپنے خون کو سستا کر دیتے ہیں۔

دین محض کتابوں سے نہیں ملتا

۵؍رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۸؍اگست ۱۹۷۱ء، بین العصر والمغرب
(لاہور سے جناب غلام سرور صاحب اور ان کے ایک ساتھی کی آمد پر)

ارشاد فرمایا کہ دین محض کتابوں سے نہیں ملتا، دین تو اولیاء اللہ کی صحبت سے ملتا ہے۔ آگ کے خواص پر اگر کوئی ہزاروں کتابیں مطالعہ کر ڈالے، جن میں آگ کے خواص، اجزاء اور استعمال اور اس سے استفادہ پر ریسرچ اور تحقیق کی گئی ہو تو اگر وہ عمر بھر بھی مطالعہ کرتا رہے تو کتابوں سے اس کو آگ کی گرمی نہ ملے گی۔ آگ تو خارج میں جہاں جل رہی ہوگی وہیں سے ملے گی۔ اسی طرح اللہ کی محبت کی آگ پر ہزاروں کتابیں پڑھ ڈالو، محبت کی یہ آگ کتابوں سے نہ ملے گی، یہ تو انہی دلوں سے ملے گی جن دلوں میں یہ آگ لگی ہوئی ہے اور وہ اولیاء اللہ کے قلوب ہیں، جو اس آگ کے حامل ہیں۔ کتابیں اور کاغذ آگ کو نہیں لے سکتے، اگر آگ کتاب میں آجائے تو کتاب ہی جل جائے۔ مومن کا قلب ہی اس آگ کا تحمل کر سکتا ہے۔ حدیثِ قدسی ہے:

((فِي الْحَدِيْثِ الْقُدْسِيِّ لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ
وَلٰكِنْ يَّسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ کتاب الرقاق؛ ج۹ص۴۱۶؛ رقم۵۲۲۸)

کہ نہ سمایا میں زمینوں میں نہ آسمانوں میں، لیکن مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں۔ اس بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

در دل مومن بگنجیدم چو ضیف

میں مومن کے دل میں مہمان کی طرح سما جاتا ہوں۔ پس مومن کا قلب اللہ کی محبت کی آگ کا خزانہ ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

((لِكُلِّ شَيْءٍ مَّعْدِنٌ وَّمَعْدِنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیة)، کتاب الاخلاق، ج ۳ ص ۱۴۱، رقم ۵۶۳۵)

ہر شے کو اس کے خزانے سے حاصل کیا جاتا ہے، پانی کو پانی کے خزانے سے، لوہے کو لوہے کے خزانے سے حاصل کرتے ہیں، پس اللہ کی محبت کا معدن وخزانہ عارفین کے قلوب ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ قلوب العارفین کے علاوہ کہیں سے نہ ملے گی۔

اجتماعی اصلاح انفرادی اصلاح پر موقوف ہے

(ایک صاحب نے کہا کہ دین کا کام منظم واجتماعی طریقہ پر ہونا چاہیے۔ اس پر حضرت والا دامت برکاتہم نے نصیحت فرمائی۔)

ارشاد فرمایا کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام کی ابتداء کس طریقہ پر ہوئی تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ایک صدیق تیار کیا، پھر ایک فاروق تیار کیا، رضی اللہ عنہما پہلے افراد نے اپنے آپ کو تبدیل کیا، پھر انہی افراد سے جماعت بن گئی، کیونکہ کلیہ ہے کہ افراد سے قوم بنتی ہے، قوم سے افراد نہیں بنتے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ معاشرے نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنایا تھا یا صحابہ نے معاشرہ بنایا تھا؟ معاشرہ و جماعت نے صدیق و فاروق کو نہیں بنایا تھا، بلکہ صدیق وفاروق سے معاشرہ و جماعت بنی۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا انتظار کیا تھا کہ ابھی معاشرے کے حالات ناسازگار ہیں، اس لئے ابھی ہم اسلام کو قبول نہیں کرتے، جب معاشرہ بدلے گا تب ہم بھی بدل جائیں گے؟ ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ جب اسلام لاتا تھا تو اپنے مخالف معاشرے سے ٹکرا جاتا تھا۔ انہوں نے زمانے کو بنایا، زمانے نے انہیں نہیں بنایا۔ اگر صحابہ بھی ہماری طرح ہوتے تو آج ہم رام چند اور کرشن چند ہوتے۔ یہی اسلام کی چودہ سو برس کی تاریخ ہے کہ

افراد سے معاشرہ تبدیل ہوا ہے۔

آج کل لوگ یہ کہتے ہیں کہ دینی کام منظم و اجتماعی طریقہ پر ہونا چاہیے کہ پہلے معاشرہ تبدیل ہو، پھر معاشرے کی تبدیلی کے ساتھ اس کے افراد بھی تبدیل ہو جائیں گے۔ تو یہ نسخہ قرآن کے سراسر خلاف ہے اور یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو کچھ کرنا نہیں چاہتے اور اپنے آپ کو تبدیل کرنے کا ارادہ نہیں کرتے۔ ایک سلطنت ہر شخص کے اندر موجود ہے۔ پہلے اپنے نفس پر اسلام کو نافذ کرو، پہلے اپنے نفس پر اسلام کی سلطنت کو قائم کرو۔ ہر شخص کو اپنے نفس پر اسلامی حکومت قائم کرنے کا اختیار اللہ نے دیا ہے۔ اگر اپنے نفس کو محکوم بنالیا تو گویا ایک سلطنت کو محکوم بنالیا۔ معلوم ہوا کہ ایک انفرادی حکومت تو آپ کا نفس ہے اور آپ کی اجتماعیت آپ کا گھر ہے۔ اپنے بعد اپنے گھر کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے، اللہ نے ہر شخص کی اپنی اصلاح کا یہ طریقہ قرآن میں ذکر فرمایا ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾

(سورۃ التحریم: آیۃ ٦)

تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (تفسیر بیان القرآن)، پہلے اپنے نفس کو اور اس کے بعد اپنے گھر کو جہنم سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اُمت کا غم کب معتبر ہے؟

۱۳؍شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۴؍اکتوبر ۱۹۷۱ء بروز پیر

(احقر کی پھوپھی کو بیعت فرمایا، پھر مغرب کے بعد بھائی جان اور والد صاحب کے سامنے ایک مثال اجمالاً بیان فرمائی، بعد میں اپنے مکان ۴۔جی ۱۲ / ۱ ناظم آباد تشریف لانے کے بعد احقر راقم الحروف سے مندرجہ ذیل تفصیل بیان فرمائی)

ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قوم قوم چلاتے رہتے ہیں کہ قوم برباد ہوگئی، تباہ ہوگئی اور اس پر غم کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اپنی درستگیٔ اعمال سے بے خبر ہیں، ان کا یہ غم،

غمِ نامعتبر ہے، کیونکہ جس کو اپنا غم نہیں ہو، اسے دوسرے کا غم کرنا حماقت ہے۔ جس قیدی کی خود اپنی فائل سیاہ ہو اور جو مقدمہ پیش آنے والا ہے، اس کے لئے اس کی فائل میں کوئی ثبوت اور صفائی موجود نہ ہو، وہ قیدی اگر دوسرے قیدیوں کا غم کرنے لگے کہ افسوس! جیل کے قیدی تباہ وبرباد ہو گئے تو کیا اس کا یہ غم معتبر کہلائے گا؟ اور کیا ایسا غم کرنا اس کی حماقت نہ ہوگی؟ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنی فائل درست کرے اور اپنی جان کو بچائے۔ پس جو لوگ اپنے اعمال کی فائل سے بے خبر ہیں، نہ روزہ ہے، نہ نماز ہے، نہ حج ہے، نہ زکوٰۃ لیکن قوم قوم چلا رہے ہیں اور دوسروں کا غم کھا رہے ہیں ان کی اپنی فائل سیاہ ہو رہی ہے اور ان کا یہ غم نامعتبر ہے۔

اس کے برعکس جس قیدی کی اپنی فائل درست ہو، ثبوت اور صفائی موجود ہو تو اس کو ایک طرح کا اطمینان ہوتا ہے کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ! بَری ہو جاؤں گا۔ وہ اگر دوسروں کا غم کرتا ہے تو اس کے لئے بجا ہے اور دراصل اس کو قوم کا غم، اس کا اپنا غم ہے، کیونکہ اس نے اپنی فائل درست کر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں صرف انبیاء اور اولیاء کی جانیں سکون واطمینان سے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی فائلِ اعمال درست کر رکھی ہے، ان کا ہر معاملہ صاف ہے۔ اہل اللہ پہلے اپنا غم کھاتے ہیں، ایک عمر تک مجاہدات کر کے، تقویٰ اختیار کر کے، نافرمانیوں سے بچ کے اپنی فائل کو درست کرتے ہیں اور پھر جب انہیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ اللہ کے فضل سے مقدمہ سے رہائی کے لئے کافی مواد مہیا ہو گیا تب ان کو اُمت کا غم دیا جاتا ہے، کیونکہ ان کا اپنا معاملہ اللہ سے صاف ہوتا ہے، اس لئے ان کا منہ اس لائق ہے کہ قوم کا غم بیان کریں۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۴؍ جولائی ۱۹۷۱ء

(آج حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے فی البدیہہ مندرجہ ذیل تین مصرعے کہے۔ جامع) ؎

بنامِ محمد ؐ شکار ہوگئے ہم
بجامِ محمد ؐ نثار ہوگئے ہم
بکامِ محمد ؐ فگار ہوگئے ہم

ؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(فگار معنی چھلنی، گھائل)

ارشاد فرمایا کہ قافیہ کو نہ دیکھو، الفاظ تو چھلکا ہیں، چھلکے کو نہ دیکھو، بلکہ اس میں جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا رس ہے، اس کو دیکھو۔

اللہ والوں کا حوصلہ

۶/رجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۹/اگست ۱۹۷۱ء، (بروز اتوار صبح دس بجے کے بعد)

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ بازِ شاہی شیرِ نر کا شکار کرتا ہے کیونکہ اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے، اس لئے وہ شیر کے علاوہ دوسرے جانوروں کی طرف نظر کرنے کو اپنی توہین سمجھتا ہے۔ یہ بلند حوصلگی اس کو کیوں نصیب ہوتی ہے؟ اس وجہ سے کہ بادشاہ کے پنجہ پر اس کی پرورش ہوتی ہے، تقرُّبِ سلطانی کی وجہ سے نگاہِ سلطان کا فیض اس کو پہنچتا ہے، جو اس کو جنگل کے بادشاہ کے شکار پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ کی جانیں مثل بازِ شاہی کے سلطان السلاطین کی مقرب ہوتی ہیں، اس لئے نگاہِ حق کا فیضان اُن پر ہوتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے ان کے قلوب کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا شکار دنیا اور دنیا کی فانی لذات اور نعمہائے فانیہ نہیں ہوتیں، ان کے قلوب صدارت اور وزارت پر نہیں گرتے، امارت و بادشاہت پر نہیں گرتے، خزائن السماوات والارض پر نہیں گرتے، ان کا حوصلہ تو اللہ سے اللہ کو مانگتا ہے اور وہ بزبانِ حال کہتے ہیں ؎

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی! میں تجھ سے طلب گار تیرا

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر اللہ مل گیا تو ساری کائنات مل گئی، بلکہ دونوں جہان مل گئے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات سے ان کی صفات مُنفَكّ (جدا) اور منفصِل (الگ) نہیں ہوسکتیں۔ پس جب اللہ دل میں آئے گا تو مع اپنی صفات کے آئے گا، جب وہ منعم دل میں آئے گا تو مع اپنی نعمتوں کے آئے گا۔

جو تُو میرا تو سب میرا، فلک میرا زمیں میری
اگر اِک تُو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

اس لئے اہل اللہ صرف اللہ کے غلام ہوتے ہیں اور ساری کائنات ان کی غلام ہوتی ہے۔

تفسیرِ عشقِ بے زباں

ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات حق تعالیٰ کے حضور میں بندے کی زبان بند ہوجاتی ہے، منہ سے کچھ نہیں کہہ پاتا، لیکن آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہتا ہے اور اس کی بے زبانی ہی زبان بن جاتی ہے۔

گرچہ تفسیرِ زباں روشن گر است
لیک عشق بے زباں روشن تر است

میں اس کی مثال یہ دیا کرتا ہوں کہ اگر کسی محبوب کے دو عاشق ہوں اور دونوں پر ایک لمبی مدت فراق یعنی جدائی کی گذر جائے، اس کے بعد اچانک اس محبوب سے ملاقات ہوجائے اور وہ محبوب پوچھے کہ بتاؤ ہمارے فراق میں تم پر کیا گذری؟ تو ایک شخص تو زبان سے فراق کا اضطراب بیان کرنے لگتا ہے، لیکن دوسرا اس سوال پر کچھ نہیں کہتا، اس کی زبان بند ہوجاتی ہے، لیکن آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور ہر دَم ایک آہ کرتا ہے، گویا تفسیرِ قالی نہیں کر رہا، تفسیرِ حالی کر رہا ہے، اس کا حال اس کے جذبات کی تفسیر کر رہا ہے۔

لب ببستند و بہ ہر موئے زبانم دادند
پا ببستند و بہ ہر سوئے نشانم دادند

ترجمہ: میرے ہونٹ تو بند کر دیئے لیکن میرے بال بال کو زبان بنادیا اور میرے پاؤں تو باندھ دیئے لیکن ہر گلی کو اپنا نشان بنادیا۔ اس کا تو پورا وجود زبان بن گیا، بتاؤ! کس کی تفسیر قوی تر ہوگی؟

اسی طرح ایک شخص کعبہ کو جاتا ہے، راستہ بھر سوچتا ہے کہ اپنے اللہ سے کعبہ میں بہت کچھ کہوں گا، لیکن جب کعبہ کے دروازے کو دیکھتا ہے تو زبان تو بند ہو جاتی ہے، لیکن آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ جاتا ہے۔ اس کے عشق کی یہ تفسیرِ بے زبان پایۂ عرش کو ہلاتی ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لاتی ہے ؎

بے سوالی بھی نہ خالی جائے گی
دل کی بات آنکھوں سے پالی جائے گی

حق تعالیٰ کی ذات علیم و خبیر ہے، وہ اپنے بندوں کی کیفیات و جذبات سے باخبر ہے خدا کی ذات بندوں کی محبت کی خریدار ہے۔

قادر اور عبدالقادر

۷؍رجب المرجب ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۳۰؍اگست ۱۹۷۱؁ء

ارشاد فرمایا کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا سائنس داں مجھے ہفتہ بھر کا پروگرام لکھ کر دے دے کہ میں فلاں وقت فلاں کام کروں گا، فلاں بج کے فلاں منٹ اور فلاں سیکنڈ پر ہگوں گا، پھر دیکھتا ہوں کہ اس کے عزائم و ارادے فسخ ہوتے ہیں کہ نہیں؟ ہر روز مقررہ سیکنڈ پر اپنا لینڈ اتار کر ہی دکھا دے، کانکھ کانکھ کر مر جائے گا، لیکن لینڈ نہ اترے گا (کانکھنا معنی وہ آواز جو سخت قبض میں پاخانہ کرتے وقت نکلتی ہے) اگر آپ قادرِ مطلق ہیں اور غلام نہیں ہیں تو آپ کے ارادے اور عزائم کیوں فسخ ہو رہے ہیں؟ پس یا تو قادر بن کر دکھا دو، ورنہ عبدالقادر بن جاؤ۔ تم اپنا قادر ہونا ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ پاخانہ جیسی حقیر چیز تک پر تو تمہیں قدرت نہیں،

یعنی خود اپنے اوپر تمہیں قدرت نہیں، محتاج ہو، غلام ہو، لمبی چوڑی اسکیم بناتے ہو، سوچتے کچھ ہو اور ہو کچھ جاتا ہے، ارادے ٹوٹ جاتے ہیں، پھر بھی جو اللہ کو نہ پہچانے وہ بے وقوف ہے۔ بعض اللہ والوں سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ تو انہوں نے جواب دیا عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَآئِمِ، میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔

کون سا تقویٰ معتبر ہے؟

۱۲ /رجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۴ /ستمبر ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ جو عابد صحبت یافتہ و تربیت یافتہ نہ ہو، وہ بہت خطرہ میں ہوتا ہے، اس کے تقویٰ کا کوئی اعتبار نہیں، تقویٰ وہی معتبر ہے جو مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سے حاصل ہو۔

ایک عاشقانہ دعا

(بعد عصر)

ارشاد فرمایا کہ اللہ ہم سب کو قتیلِ محبتِ الٰہیہ کر دے۔ (قتیل، فعیل کے وزن پر بمعنی مقتول ہے۔ جامع)

فائدہ صرف عاشقِ مولیٰ بننے میں ہے

۱۳ /رجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۵ /ستمبر ۱۹۷۱ء بروز اتوار بین الظہر والعصر

(صرف احقر میر راقم الحروف حاضرِ خدمت تھا اور حضرت والا کے سر میں مالش کر رہا تھا)

ارشاد فرمایا کہ معشوق بننے میں فائدہ نہیں، عاشق بننے میں فائدہ ہے۔ بس اللہ کے عاشق بنے رہو، معشوقیت حیاتِ نفس کی دلیل ہے۔

ثمرۂ استغفار

ارشاد فرمایا کہ استغفار سے نفس کے خس و خاشاک جلتے ہیں، یعنی

تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور اللہ کے ذکر سے رنگِ گلشنِ قرب پر نکھار آتا ہے ؎

نکھرتا آرہا ہے رنگِ گلشن
خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں
(اصغر گونڈویؒ)

انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

ارشاد فرمایا کہ کیسی عظیم اور باکمال ذات ہے اللہ کی کہ ہمارے اسی جسم میں آنتیں ہیں، جن میں پاخانہ بھرا ہوا ہے اور اسی جسم میں قلب ہے، جس میں ایمان ہے، خود وہ ذاتِ پاک قلب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ضدین کو جمع فرما دیتے ہیں، یہ ان کی قدرتِ کاملہ ہے۔ باپ کی منی اور ماں کا حیض کہ جس کے خروج سے وہ دونوں ناپاک ہوجاتے ہیں اور مسجد میں نہیں جاسکتے، اسی ناپاک منی اور حیض سے مضغۂ انسانی یعنی جسمِ انسانی کی ابتدائی شکل کو پیدا فرما دیا اور اس کو پاک بھی کر دیا، اب اس کو مسجد میں بلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں سجدہ کر اور **وَاقْتَرِبْ** اور ہم سے قریب ہو جا۔ کبھی کہتے ہیں ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جا، پھر کہتے ہیں ہمارے سامنے جھک جا، پھر کہتے ہیں ہمارے قدموں میں گر جا۔ نماز کیا ہے؟ ان کی محبت کے آداب ہی تو ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبدیت وفنائیت

ارشاد فرمایا کہ آج میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامۂ مبارک کی زیارت کی، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شاہِ مصر کے نام ارسال فرمایا تھا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگوٹھی کی وہ مہر بھی تھی جس میں **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ** لکھا ہوا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب دیکھو کہ مہر پر پہلے ''اللہ'' کا نام لکھا ہوا ہے، پھر ''رسول'' اور سب سے نیچے ''محمد'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھو! یہ ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب کہ اپنا نام نیچے رکھا اور اللہ کا نام اوپر، پھر لکھا ہے

مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ، یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے، جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ یہ ہے نبی کی عبدیت اور فنائیت کہ اپنی عبدیت کو رسالت پر مقدم فرمایا کہ محمد پہلے اللہ کا بندہ ہے، بعد میں رسول ہے۔ پھر شاہِ مصر کو کس شانِ بے نیازی سے خطاب فرمایا ہے، اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی، سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کو قبول کرے، یعنی ابھی تم بوجہ کفر کے ہمارے سلام کے قابل نہیں ہو، ہمارا یہ سلام مشروط ہے تمہاری ہدایت کے ساتھ۔

مکہ کا وہ یتیم بچہ جس کے پاس نہ فوج ہے نہ لشکر، کس حوصلہ اور شانِ بے نیازی کے ساتھ شاہوں کو اسلام پیش کر رہا ہے کہ کوئی لمبے چوڑے القاب وآداب نہیں ہیں۔ آگے صرف دو لفظ ہیں اَسْلِمْ تَسْلَمْ ، اسلام لے آ، سلامتی پا جائے گا۔ اس شخص میں جو یتیم اور اُمی تھا، شاہوں کو اس شان سے خطاب کا حوصلہ کیسے آ سکتا تھا؟ اگر وہ اللہ کا نبی نہ ہوتا تو یہ حوصلہ ناممکن تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کے لئے یہ ایک واقعہ ہی کافی وافی ہے، لیکن ان آنکھوں کے لئے جو دیدۂ مجنوں رکھتی ہوں، جیسے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے لیلیٰ سے کہا ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی؟
کز تو مجنوں شد پریشان و غوی؟

کیا تُو وہی لیلیٰ ہے کہ جس پر مجنوں دیوانہ وفریفتہ ہو گیا ہے؟ ؎

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

مجھے تو تجھ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ تو لیلیٰ نے کیا جواب دیا ؎

گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

لیلیٰ نے کہا کہ خاموش ہو جا، کیونکہ تُو مجنوں نہیں ہے ؎

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھیں ہوتیں تو میری محبت میں دونوں عالم تیرے نزدیک بےقدر ہوجاتے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود ان قصوں سے دنیوی محبوبوں کی محبت بیان کرنا نہیں ہوتا، بلکہ ان دنیوی قصوں اور مثالوں سے اللہ کی محبت کو سمجھاتے ہیں، ورنہ اللہ والوں کو اِن سڑنے گلنے والی لاشوں سے کیا مطلب؟ لیکن کیونکہ مولانا جانتے ہیں کہ آج کل لوگوں کا مذاق خراب ہوگیا ہے، لوگ دنیا کی محبتوں کو تو سمجھ لیتے ہیں، لیکن اللہ کی محبت ان کی سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے مولانا پہلے مجازی محبت کا ذکر کرتے ہیں، تاکہ لوگ شوق سے پڑھیں، بعد میں مولانا ان مثالوں سے لوگوں کو اللہ کی محبت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ جس طرح شکاری جب کسی چڑیا کا شکار کرتا ہے تو پہلے اس چڑیا کی آواز کی مشق کرتا ہے، تاکہ چڑیا اس آواز سے فریب کھا کر جال میں پھنس جائے، اسی طرح مولانا اپنے مقامِ بلند سے نزول کر کے لوگوں کی بولی بولنا شروع کرتے ہیں، مجاز کا جال لگاتے ہیں اور اس جال میں پھانس کر حقیقت کی طرف متوجہ کردیتے ہیں، دنیوی حسن کی مثال دے کر حق تعالیٰ کے حسن و جمال کی طرف روحوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ کیسے؟ یہ آگے معلوم ہوگا۔ فرماتے ہیں ؂

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

کیا اللہ کا عشق، لیلیٰ کے عشق سے کم ہے؟ ایک سڑنے گلنے والی لاش کی محبت میں تو دونوں عالم بے قدر ہوجاویں، حالانکہ قبر کھول کر اگر لیلیٰ کی سڑی ہوئی لاش مجنوں کو دِکھادی جاتی تو وہ اس عشق سے توبہ کرلیتا اور ہاتھ مَلتا کہ ہائے زندگی کہاں ضائع کردی۔

صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت وفوائد کی تفہیم ایک مثال سے

۱۳/ شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۷۱ء بروز پیر

ارشاد فرمایا کہ بعض دفعہ ایک عمر گذر جاتی ہے، آدمی اللہ والوں کے پاس

آتا جاتا رہتا ہے، لیکن بظاہر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور بظاہر کوئی ترقی نہیں معلوم ہوتی، ایسے وقت شیطان سالک کو مایوس کرتا ہے کہ کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں، لہٰذا اللہ والوں کے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو چھوڑ دینا چاہیے، لیکن اس کا اہل اللہ سے یہ تعلق نفع سے خالی نہیں۔ اس کی ایک عجیب وغریب مثال اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالی، جو مایوس لوگوں کے لئے سرمایۂ حیات ہے اور مایوسیوں کی گود میں امید کا چاند طلوع کرنے والی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ وہ پودا جو زمین کے اندر ہوتا ہے، زمین سے باہر آنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن اس کے اوپر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ جو اس کی نمو یعنی ترقی سے مانع ہوجاتا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری ہے جڑوں کو خشک نہ ہونے دیا جائے، پانی مستقل دیا جاتا رہے، ممکن ہے کبھی پتھر ہٹ جائے اور باہر نکلنے کا راستہ ہموار ہوجائے اور پھر جب پتھر ہٹے گا تو کیونکہ اس کی جڑیں تازہ ہوں گی، اس لئے پودا ایک دَم زمین سے باہر آجائے گا اور بیل بوٹے لگ جائیں گے۔

اسی طرح بعض لوگوں کے نفس کا پتھر اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ ان کے دین کے پودے پر سے ہٹتا ہی نہیں۔ ایسے وقت میں سالک کو چاہیے کہ مایوس نہ ہو، اہل اللہ کے پاس آتا جاتا رہے، یہی وہ پانی ہے جو اس کے دین کے پودے کی جڑوں کو خشک نہ ہونے دے گا۔ آخر کار کبھی تو یہ پتھر ہٹے گا ہی، بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ خواہشات میں بھی ضعف آتا جائے گا اور نفس کا یہ پتھر خود بخود گل جائے گا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ اہل اللہ کی صحبت بے کار نہیں تھی، یہی پانی اس کے ایمان کے پودے کی جڑوں کو تازہ رکھتا ہے، جس کی وجہ سے پودا زمین سے باہر آجاتا ہے اور اعمال کے پھول پتے لگ جاتے ہیں۔

اہل اللہ کا جلیس وصحبت یافتہ چاہے آخر عمر میں سہی، جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس حال میں اللہ سے ملتا ہے کہ اس کا اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ اللہ والوں کی صحبت نہیں اٹھاتے، وہ بوڑھے ہوجاتے ہیں، لیکن گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور انہیں فکر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ آخرت کا انہیں خیال بھی نہیں آتا، کیونکہ ایک تو ان کی خواہشاتِ نفسانیہ کا پتھر سخت تھا، دوسرے انہوں نے اپنے دین وایمان کے پودے کی جڑوں میں اہل اللہ کی صحبت کا پانی بھی نہ دیا کہ جس سے ان کے ایمان کے پودے کی جڑیں ہی خشک ہوگئیں اور ان کا یہ پودا ہی مرجھا گیا۔ اس وجہ سے ان کی آخر عمر بھی غفلت و بے فکری میں گذر جاتی ہے اور اسی مجرمانہ حالت میں وہ اللہ کے پاس جاتے ہیں۔

گناہ چھوڑنے کی ایک زبردست ترکیب

۲۰/شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۰/اکتوبر ۱۹۷۱ء

بروز اتوار بوقت ساڑھے گیارہ بجے دوپہر

(سامعین میں احقر، آزاد صاحب کشمیری اور فرقان صاحب موجود تھے)

ارشاد فرمایا کہ کبھی آدمی لاکھ اپنے ارادہ وعزم کو استعمال کرتا ہے لیکن گناہ نہیں چھوڑ پاتا، کیونکہ شیطان بھی اپنی پوری قوت استعمال کرتا ہے، مگر ایک ترکیب ایسی ہے اگر کوئی اس پر عمل کرنے لگے تو ان شاء اللہ! بہت جلد گناہ چھوٹ جائیں گے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا تہجد چھوٹ گیا، شیطان نے اٹھنے کے وقت ان کے پاؤں دبائے، جس سے خوب اچھی نیند آگئی۔ صبح کو جب اٹھے تو نمازِ فجر ادا کی اور اشراق کے وقت بارہ رکعات پڑھیں اور پھر سجدے میں گر کر خوب روئے۔ شیطان یہ سب دیکھ رہا تھا اور ہاتھ مَل رہا تھا کہ ہائے! میں نے تو اس کا تہجد اس لئے چھٹوایا تھا کہ یہ اللہ سے دور ہوجائے گا، لیکن یہ تہجد نہ پڑھنے سے اللہ سے دو فٹ ہی دور ہوا تھا، مگر اس رونے کے بعد تو یہ ہزاروں فٹ اللہ سے قریب ہوگیا۔ اب تو اس کا ہر آنسو شہید کے خون کے برابر وزن کیا جارہا ہے، لہٰذا میں نے بُرا کیا جو اس کا تہجد چھڑادیا، تہجد پڑھنے سے یہ اتنا مقرب نہ ہوتا جتنا رونے سے ہوگیا۔

اسی طرح گناہ نہ کرنے میں تو نفس کی پوری مخالفت کرو، لیکن اگر بشریت غالب ہو جائے اور گناہ سرزد ہو جائے تو بس! پھر یہی ترکیب ہے کہ دو نفل پڑھو اور سجدے میں گر کر آنسوؤں کا دریا بہا دو، پھر شیطان کے سینہ پر سانپ لوٹ جائے گا کہ ہائے! میں نے تو گناہ اس کو اللہ سے دور کرنے کے لئے کرایا تھا، لیکن گناہ کر کے جو یہ توبہ کر رہا ہے اور اللہ کے سامنے رو رہا ہے، اس سے تو یہ اَور زیادہ مقرب ہوا جا رہا ہے، کیونکہ اس کے رونے سے رحمت کے مارے عرشِ الٰہی لرز رہا ہے اور اس کے ہر آنسو کا قطرہ شہید کے خون کے برابر وزن کیا جا رہا ہے۔ گناہ کرا کے میں نے اس کو خدا سے جتنا دور کیا تھا، اس سے کہیں زیادہ اس کے ندامت کے آنسوؤں نے اس کو اللہ سے قریب کر دیا۔ لہٰذا یہ بندہ اس قابل نہیں ہے کہ میں اس سے گناہ کراؤں، اچھا ہے کہ یہ گناہ نہ کرے، کیونکہ گناہ کرنے کے بعد یہ رو دھو کر پہلے سے زیادہ اللہ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ پس شیطان پھر گناہ نہ کرائے گا، بلکہ اگر تم خود گناہ کرنا بھی چاہو گے تو وہ نہ کرنے دے گا، کیونکہ اس کا مشن تو صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ سے دور رہے۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ سوکھی ساکھی توبہ نہ کرو، صرف زبان سے ہی نہ کہو کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ، بلکہ آنکھوں سے گناہ کیا ہے تو آنکھوں سے کہو، یعنی آنسو نکالو کہ وہ آنسو ہی زبان بن جائیں اور وہ آنسو ہی اللہ سے فریاد کریں۔ جب اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ تو یہ سمجھو کہ اس وقت حق تعالیٰ آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ ہاتھ ان کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ کے اس غلام کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق نہیں۔ میری زندگی کا تو ہر جز آپ کی مرضی کے خلاف اور آپ کے قہر کے سائے میں ہے۔ اے اللہ! میرے اوپر رحم فرما دیجئے اور میرے ہر شعبۂ زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق بنا دیجئے۔ اے اللہ! میرے ارادے وعزائم، نفس کے مقابلہ میں شکست کھا جاتے ہیں۔ اے اللہ! آپ میری ہدایت کا ارادہ فرما لیجیے، آخر میں کب تک خوار رہوں گا، بس اب رحم فرما دیجئے۔

غرض اللہ میاں سے خوب باتیں کرو۔ پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شروع کرو اور جب دیکھو کہ دل میں اسٹیم پیدا ہونے لگی اور دل کی مشین اس قابل ہوگئی کہ آنکھوں میں آنسوؤں کا پانی پھینک دے، بس! فوراً اللہ کے قدموں میں گر جاؤ۔ پہلے آدمی اپنے محبوب سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہے اور جب جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو محبوب کے قدموں میں گر جاتا ہے اور اس کے پاؤں پکڑ کر مچل جاتا ہے کہ بس! اب تو معاف کردو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

((اَلسَّاجِدُ یَسْجُدُ عَلٰی قَدَمِ الرَّحْمٰنِ))

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی: (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)، ج ٦ ص ۱۷)

کہ مومن جب سجدے میں سر رکھتا ہے تو اس کا سر اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں کے درمیان ہوتا ہے۔

اللہ کے عاشقوں کی ایک عجیب شان

۲۳ر شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۱ء بوقت سوا آٹھ بجے صبح

آج حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا ؎

طریقِ عشق میں دیکھے کوئی جولانیاں دل کی
کہ دم میں دونوں عالم سے گذر کر پہلی منزل کی

اور فرمایا کہ یہ شعر مجھے بہت پسند ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگ صرف عالمِ آخرت تک ہی محدود رہ جاتے ہیں، ان کی نگاہ جنت اور جنت کی نعمتوں سے آگے نہیں جاتی۔ اگرچہ یہ بھی حالِ محمود ہے لیکن خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عاشقین کی یہ شان بیان فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جانوں کا رابطہ براہ راست حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کے شوق میں بعض دفعہ جنت سے بھی صرفِ نظر ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، جب نبی جنت کا خواہش مند اور مشتاق ہے اور تمنا کرتا ہے کہ:

((وَمِنَ الْمَأْثُوْرِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ))
(ردالمحتار علی الدر المختار (حاشیۃ ابن عابدین): فصل فی الاحرام، ج ۲ ص ۴۸۴)

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رضامندی اور جنت مانگتا ہوں، تو یہ عاشقین کیسے جنت سے بے نیاز ہو سکتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے عاشقین جنت کی تمنا اس حیثیت سے کرتے ہیں کہ جنت حق تعالیٰ کا محلِ وصال، محلِ لقاء اور محلِ دیدار ہے، یعنی وہ جنت کی تمنا اس لئے کرتے ہیں کہ وہاں حق تعالیٰ کی لقاء و ملاقات ہوگی۔ اس لئے حق تعالیٰ کے دیدار کے شوق میں ان کی نظر بدل جاتی ہے اور جنت اور جنت کی نعمتوں کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی شخص صدرِ مملکت کا عاشق ہو اور وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ اے اللہ! راولپنڈی کے ایوانِ صدر میں مجھے داخل فرمادے تو یہ دراصل ایوانِ صدر کا طالب نہیں ہے، بلکہ صدر کا طالب ہے کہ ایوانِ صدر میں صدرِ مملکت کی لقاء و ملاقات نصیب ہو جائے گی۔

عبادات میں کمیت نہیں، حصولِ کیفیت کی کوشش کرنا چاہیے

۲۶ /شعبان ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۱۷/۱۰/اکتوبر ۱۹۷۱؁ء

(بروز اتوار بوقت صبح نو بجے سے بارہ بجے تک حضرت والا دامت برکاتہم مستقل تقریر فرماتے رہے۔ احقر راقم الحروف، مفتی وجیہ صاحب اور دیگر کئی علماء موجود تھے۔)

ارشاد فرمایا کہ عبادت میں کمیت و تعداد پر زور نہ دو، بلکہ عبادت میں کیفیت پیدا کرو۔ جب اللہ اللہ کرو تو ہر مرتبہ درد و محبت و کیفیت و گریہ کے ساتھ، اس طرح اللہ کہو کہ گویا تمہارا سینہ حق تعالیٰ کی محبت میں پاش پاش ہے۔ اگر بالفرض حقیقت میں دل کے اندر محبت نہ بھی ہو تو بھی عاشقوں کی نقل کرلو، ان کی سی آواز بہ تکلف بنالو۔ امید ہے کہ اللہ اس نقل کی برکت سے فضل فرمادیں گے اور اپنی محبت عطا فرمادیں گے کہ یہ ہمارا بندہ ہمارے پیاروں کی نقل کر رہا ہے۔ محبت و درد اگرچہ اس کے اختیار میں

نہیں ہے، لیکن کیفیتِ محبت کی نقل کررہا ہے، جو اختیاری ہے۔ پس اس کے بس میں جتنا اختیار تھا، اس نے استعمال کرلیا، اس نقل کی وجہ سے میں اس پر فضل فرماتا ہوں اور اس بندے کو اپنا بنا تا ہوں۔

درد اور محبت سے ایک بار اللہ کہنا بغیر درد اور محبت کے ایک لاکھ بار اللہ کہنے سے افضل ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عام می خوانند ہر دم نام پاک
ایں اثر نکند چوں نبود عشقناک

عام لوگ ہر وقت سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ رہے ہیں، لیکن باوجود اس کثرتِ ذکر کے یہ ولی اللہ کیوں نہیں ہو رہے؟ مراد ولایت سے ولایتِ خاصہ ہے۔ تو وہ اس لئے ولی اللہ نہیں ہو رہے ہے کہ ان کا ذکر عشق سے لبریز نہیں ہے، عشق کی وہ تڑپ اور قلب کا وہ اضطرار اور بے چینی جو حق تعالیٰ کے عاشقین کو والہانہ محبت پر مجبور کرتی ہے، ان کو نصیب نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے دیکھو کہ میں کیا کرتا ہوں، تھوڑا سا ذکر کرلیتا ہوں، تھوڑی سی تلاوت کرلیتا ہوں اور تھوڑے سے نوافل پڑھ لیتا ہوں۔ میاں! زیادہ وظائف و نوافل سے کیا ہوتا ہے، ارے! اللہ اور رسول پر جان قربان کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ عارف کی دو رکعات غیر عارف کی لاکھ رکعات سے افضل ہوتی ہیں، عارف کو یہ فضیلت اسی کیفیتِ محبت اور اللہ کے ساتھ اس کے قلبی تعلق کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کمیت کوئی چیز نہیں ہے، کیفیت اصل چیز ہے۔ اس کی ایک عجیب مثال حق تعالیٰ نے اس ناکارہ کے دل میں یہ ڈالی کہ فرض کرو کہ ایک مجلس میں حضرت شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں اور اللہ کی محبت میں نکلا ہوا ایک آنسو ان کے چہرے پر چمک رہا ہے اور اسی مجلس میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود ہیں اور ایک آنسو ان کی آنکھ سے نکل کر چہرے پر ڈھلک آیا ہے اور اسی مجلس میں حضرت

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ان تمام اولیاء اللہ کی آنکھوں سے بھی ایک ایک آنسو اللہ کی محبت میں نکل آیا ہے اور اسی مجلس میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور یہی ایک آنسو چشمِ صدیق سے بھی نکلا ہے اور ان کے رخسارِ مبارک پر ڈھلک آیا ہے اور اسی مجلس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی موجود ہیں اور ایک آنسو رخسارِ نبوت پر بھی چمک رہا ہے۔ تو بتاؤ کیا حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا آنسو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آنسو کو پاسکتا ہے اور کیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا آنسو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آنسو کو پاسکتا ہے اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آنسو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے آنسو کو پہنچ سکتا ہے؟ اور کیا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا آنسو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آنسو کو پاسکتا ہے؟ ایک لاکھ صحابہ اور قیامت تک آنے والی تمام امت کے آنسوؤں کو اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو تمام امت کے آنسو سے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا آنسو اور تمام انبیاء علیہم السلام کے آنسو سے سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آنسو وزن میں بڑھ جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ اگرچہ کمیت اور حجم کے اعتبار سے ہر شخص کا آنسو برابر ہے لیکن اس کی قیمت قلب کی کیفیت، یقین و اخلاص اور محبت و تعلق مع اللہ کی وجہ سے بڑھی ہے، کیفیت کے اختلاف سے ہر آنسو کی قیمت اور مقبولیت مختلف ہوگئی۔

اسی طرح ایک آہ یہ عشرتؔ بھی کرتا ہے اور ایک آہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی کیا کرتے تھے، تو کیا عشرتؔ کی آہ خُلتِ نبوت کی آہ کو پاسکتی ہے؟ اس کی آہ تو میں اکثر سنتا ہوں لیکن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آہ اگرچہ سنی نہیں، لیکن ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

کیا آہ تھی وہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں قیامت تک کے لئے اس کو محفوظ فرمالیا:

﴿اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ ۝﴾

(سورۃ التوبۃ: آیۃ ۱۱۴)

واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے۔ (بیان القرآن) اواہ کے معنی ہیں رحیم المزاج لیکن اس کے ایک اَور معنی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں:

((قَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاَوَّاہُ قَالَ الْخَاشِعُ الدَّعَّاءُ الْمُتَضَرِّعُ ثُمَّ قَرَأَ: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ))

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبھانی: (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)، ج ۲ ص ۵۳)

اللہ سے بہت ڈرنے والے، بہت مانگنے والے اور بہت گڑگڑانے والے کو اَواہ کہتے ہیں۔ تو تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت آہ کرنے والے، اور وہ یہ آہ کیوں کیا کرتے تھے؟ کیونکہ وہ منیب بھی تھے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ۝﴾

(سورۃ هود: آیۃ ۷۵)

ان کی انابت الی اللہ اور اللہ تعالیٰ سے شدید تعلق و محبت ان کو آہ پر مجبور کرتی تھی اور اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ میں اللہ تعالیٰ نے معلول کو پہلے بیان فرما دیا اور علت کو مؤخر فرما دیا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کمیت کے پیچھے نہ پڑو، پہلے یہ کیفیت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

آب کم جو، تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

پہلے پانی کی تلاش کرتے ہو، حالانکہ پہلے اللہ کی محبت کی پیاس اور طلب قلب میں پیدا کرلو، پھر جب پیاس لگے گی، تب پانی کی صحیح قدر معلوم ہوگی، ورنہ بغیر پیاس کے پانی پیو گے تو دو چار گھونٹ پی کر چھوڑ دو گے اور کہو گے کہ پانی میں کچھ مزہ نہیں۔ اسی طرح اگر اللہ کی محبت کی پیاس قلب میں نہ ہوئی اور عبادت کا پانی پینا شروع کر دیا تو کچھ دن بعد سب چھوڑ بیٹھو گے کہ ذکر و تلاوت، نماز روزہ میں کچھ مزہ نہیں، مزہ تو جب آتا جب پیاس ہوتی۔ لہٰذا اللہ کی پیاس پیدا کرو پھر عبادت میں مزہ آئے گا۔

لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ذکر وعبادت ہی چھوڑ دو، بلکہ یہ مطلب ہے کہ صحبتِ اہل اللہ کا اہتمام کرلو اور اللہ کی محبت کی پیاس حاصل کرلو تو ذکر وعبادت کی کیفیت ولذت ہی کچھ اَور ہوگی۔

عمل کا ماضی، حال اور مستقبل

۲۸/شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۱ء

بعد مغرب مقام مدرسہ روضۃ العلوم

ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ عمل کر کے بھی ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ سے عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے اعمال کے ماضی، حال اور مستقبل تینوں حالتوں کو معاف فرمادیجیے۔ عمل کا ماضی عمل کی نیت ہے کہ نہ معلوم عمل شروع کرنے سے پہلے دل میں کیا نیت تھی؟ نہ معلوم اس وقت اخلاص تھا بھی یا نہیں؟ نہ معلوم اس وقت دل کے اندر کیا چھپا ہوا تھا؟

اور عمل کا حال وہ وقت ہے کہ جس وقت عمل جاری ہوتا ہے، اس حال میں اللہ کی جس عظمت و کبریائی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے تھا، نہ معلوم اس عظمت کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ مثلاً وعظ وتبلیغ میں اللہ کے دین کو جس حسن وخوبی کے ساتھ پیش کرنا چاہیے تھا اور حق تعالیٰ کی جس عظمت وجلالتِ شان کا استحضار چاہیے تھا، نہ معلوم اس کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ بلکہ ممکن ہے عین وعظ وتبلیغ کے دوران اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے بجائے قلب کی گہرائیوں میں طلبِ جاہ کا بُت چھپا ہوا ہو۔

اور عمل کا مستقبل عمل کر چکنے کے بعد کا زمانہ ہے، یہ وقت بھی اندیشہ سے خالی نہیں۔ ممکن ہے کہ عمل کا ماضی بھی درست ہو، یعنی عمل شروع کرنے سے پہلے نیت بھی درست اور صحیح تھی اور عمل کا حال بھی صحیح ہو، یعنی جس وقت عمل کررہا تھا، اس وقت بھی حق تعالیٰ کی رضا ہی مقصود تھی، لیکن ممکن ہے کہ عمل کر چکنے کے بعد قلب کی

حالت بدل جائے، مثلاً قلب میں بڑائی آجائے کہ واہ! میں نے ایسا کام کیا جو بڑے بڑے نہیں کر سکتے۔

بڑوں کی صحبت کا ایک بڑا فائدہ۔ تکبر سے حفاظت

۱۷/رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۷/نومبر ۱۹۷۱ء
بوقت گیارہ بجے صبح
(احقر، فرقان صاحب اور حضرت والا دامت برکاتہم کے صاحبزادے
مولانا مظہر صاحب مدظلہ موجود تھے)

ارشاد فرمایا کہ بڑوں کی صحبت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کتنے ہی بڑے درجات پر پہنچ جائے، کبھی اپنے کو بڑا محسوس نہیں کرتا۔

ہر گناہ میں تین اسراف لازم ہیں

ارشاد فرمایا کہ اسراف کی تین قسمیں ہیں: ایک وقت کا اسراف، دوسرے قوت کا اور تیسرے مال کا۔ ہر گناہ میں یہ تینوں اسراف ایک ساتھ ہوتے ہیں، مثلاً ایک شخص بدنگاہی کر رہا ہے تو جتنی دیر یہ بدنگاہی میں مصروف رہا، اتنے وقت کا اس نے اسراف کیا، کیونکہ جو وقت اس کو حق تعالیٰ کی مرضیات میں صرف کرنے کے لئے دیا گیا تھا، اس نے اس وقت کو مرضئ حق کے خلاف صرف کیا، یہ وقت دوبارہ اسے واپس ملنے والا نہیں، اس نے اسے ضائع کر دیا۔ دوسرے، اس کے ساتھ ہی وہ قوت کا اسراف بھی کر رہا ہے کہ آنکھوں کی جو بینائی اللہ نے اپنے اولیاء کو دیکھنے کے لئے، قرآن شریف پڑھنے کے لئے اور آیات اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے دی تھی، جس بینائی سے اللہ کی رضا حاصل کر سکتا تھا، یہ اُس بینائی کو اللہ کے حرام کئے ہوئے موقع پر خرچ کر رہا ہے، اس لئے یہ قوتِ بینائی کا اسراف ہوا۔ نمبر ۳: اس کے ساتھ ہی یہ شخص مال کا اسراف بھی کر رہا ہے، اس طرح

کہ جس مال سے اس نے روٹی حاصل کی تھی تو یہ قوتِ بینائی بھی تو اس روٹی کی ہی پیدا شدہ ہے تو جب یہ شخص اللہ کے دیئے ہوئے مال سے پیدا شدہ قوت کو اللہ کی مرضی کے خلاف صرف کر رہا ہے تو گویا مال ہی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف خرچ کر رہا ہے۔ اس طرح ہر معصیت کے ساتھ یہ تین قسم کا اسراف ہوتا ہے، اور ہر اسراف کے متعلق سوال ہوگا:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا﴾

(سورۃ اٰل عمرٰن: آیۃ ۱۴۷)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے۔ (بیان القرآن)

ایک عجیب عارفانہ دعا

ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! آپ ہمیں اپنا بنا لیجیے۔ اے اللہ! ہم تو اس قابل نہیں کہ آپ کے بن سکیں لیکن آپ تو اس قابل ہیں کہ ہمیں اپنا بنالیں۔ اے اللہ! اگر ہم آپ کے قابل نہیں تو ہمیں اپنے قابل بنالینا بھی تو آپ پر کچھ مشکل نہیں، کیونکہ اے اللہ! آپ قابل ہی نہیں، قابل گر بھی ہیں۔

راہِ ندامت راہِ عبادت سے اَسلم ہے

۲۱/رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۹/نومبر ۱۹۷۱ء قبیل عشاء

ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو راہِ ندامت سے مقبولیت، خلافت و نبوت عطا ہوئی اور شیطان کو راہِ تکبر و ہٹ دھرمی سے مردودیت ملی۔ اس کی مردودیت میں اس کی عبادت اس کے کچھ کام نہ آئی۔ معلوم ہوا کہ بندہ مقبول اسی وقت ہوتا ہے کہ جب عبادت اور ندامت ساتھ ساتھ ہوں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ راہِ عبادت سے راہِ ندامت اَسلم ہے، یعنی عبادات زیادہ ہوں، لیکن ندامت،

گریہ وزاری وشکستگی کی کمی ہو تو یہ شخص خطرہ میں ہے، لیکن جس کی عبادات تو کم ہوں، لیکن گناہ تو درکنار عبادات پر بھی اس کو ندامت طاری ہو کہ جو اِن عبادات کا حق تھا، وہ ادا نہ ہوسکا اور نہ معلوم یہ عبادت مقبول بھی ہے یا نہیں؟ تو یہ شخص مردودیت سے محفوظ رہے گا۔ نیز یہ نعمتِ ندامت و گریہ وزاری، اہلِ محبت پر آسان ہے۔ کثرتِ عبادت اچھی چیز ہے لیکن جب ندامت کے ساتھ ہو، جس عبادت کے بعد ندامت پیدا نہ ہو، وہ عبادت خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ شیطان نے ایک ہزار سال عبادت کی، لیکن اپنے قصور پر ندامت نہ ہونے سے وہ اس کے کچھ کام نہ آئی۔ لاکھوں فرشتے جو سراپا خیر ہیں، ہر وقت عبادت میں مصروف ہیں، ان سے قصور ہو ہی نہیں سکتا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام جو اُن پر فوقیت لے گئے وہ اسی رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کی وجہ سے تھا اور خَلِیْفَۃُ اللہِ فِی الْاَرْضِ کے مقام پر فائز ہوئے۔ زمین وآسمان نے ندامت کا یہ منظر اس مجموعۂ خیر وشر سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں پر بشریت کی فوقیت صرف ندامت ہی کی وجہ سے ہے کہ اس بشر سے قصور تو سرزد ہو جاتا ہے لیکن پھر یہ سراپا ندامت میں ڈوب کر، گریہ وزاری کر کے پایۂ عرش کو ہلا دیتا ہے، اور فرشتوں سے بازی لے جاتا ہے ؎

مرکب توبہ عجائب مرکب است
تا فلک تازد بہ یک لحظہ ز پست

توبہ کی سواری عجیب سواری ہے جو ایک لحظہ میں آدمی کو پستی سے عرش تک پہنچا دیتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے واقعات میں علمِ عظیم

۲۳؍شوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۲؍نومبر ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ آج صبح تلاوت کے وقت یہ علوم عطا ہوئے جو اس سے پہلے میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھے تھے۔ جب حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تو اُن کی قوم نے کہا:

﴿اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیۡ سَفَاہَۃٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ٦٦)

ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں۔ اس پر جوابِ رسالت علیہ السلام تھا:

﴿یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ سَفَاہَۃٌ وَّ لٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ٦٧)

اے میری قوم، مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگارِ عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ پہلی آیت میں تین تاکیدیں ہیں ایک تو اِنَّ، دوسری لَنَرٰىکَ کا لام، تیسرے یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے، جو تاکید کے لئے لایا جاتا ہے۔ یعنی قوم کا اپنے زعم میں بڑا سائنسی اور تحقیقی قول یہ تھا کہ تحقیق! ضرور بالضرور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تُو پسماندہ، رجعت پسند اور بے وقوف ہے۔ لیکن جوابِ رسالت دیکھو کہ نبی کے اندر کتنی بلند حوصلگی، عالی ظرفی، امت کے ساتھ شفقت، ضبط و تحمل اور وقار ہوتا ہے، ہم آپ ہوتے تو جواب دیتے کہ ذرا انتظار کرو، جب قبروں میں جاؤ گے اور ڈنڈے پڑیں گے تب پتا چلے گا کہ میں بے وقوف تھا یا تم لوگ بے وقوف تھے لیکن حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ یٰقَوۡمِ اے میری قوم! قَوۡمِ کا زیر یائے متکلم کے حذف پر دلالت کرتا ہے۔ یٰقَوۡمِ میں نبی کی اپنی امت کے ساتھ کیسی شفقت جھلک رہی ہے کہ اے لوگو! تم چاہے میری کتنی ہی تکذیب کرو اور مجھے کتنی ہی اذیتیں پہنچاؤ لیکن تم ہو میری ہی قوم۔ ہم آپ ہوتے تو غضب میں آکر کہہ دیتے کہ تم لوگ مجھ سے نہیں ہو، میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے بعد لَیۡسَ بِیۡ سَفَاہَۃٌ فرمایا، بِیۡ کا با، الصاق کے لئے ہے لَیۡسَ سے اسی الصاق کی نفی کی ہے کہ میرے اندر تو کوئی سفاہت و بے وقوفی ہے ہی نہیں۔ جس سفاہت کو الزام تراشی کر کے تم اسے میرے ساتھ چپکانا چاہتے ہو،

میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں تو اللہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ کس وقار اور تمکنت کے ساتھ حضرت ھود علیہ السلام نے جواب دیا ہے کہ آج کل کے کفار کو تو ایمان لانے کے لئے یہی ایک آیت کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کس ضبط و تحمل اور شفقت و ترّحم کے ساتھ قوم کی اذیتوں کو برداشت کیا ہے اور دین کی تبلیغ کی ہے، یہ ان کے مخلص ہونے اور ان کی دعوت کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے معذب ہونے کے بعد ان کی تباہی کا منظر دیکھ کر منہ پھیر کر چلے گئے، آپ سے ان کی تباہی دیکھی نہ گئی:

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ﴾

(سورۃ الاعراف: آیات ۷۹،۷۸)

پس ان کی قوم کو زلزلہ نے آ پکڑا، سو وہ اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے، اس وقت صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے گئے، اس کے بعد فرمایا:

﴿يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ○﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ۷۹)

کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آج کل بھی جو لوگ وارثینِ انبیاء یعنی علماء و اولیاء اللہ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو معذب کئے جانے والے ہیں، کیونکہ ناصحین (نصیحت کرنے والوں) سے بغض رکھنا عذاب کی علامت ہے۔ پس ایک عذاب تو اِن کی عقلوں پر نازل ہو ہی چکا، جس کی وجہ سے انہیں دین اور اہلِ دین کے ساتھ بغض و عداوت ہے اور دوسرا عذاب جسم و روح پر قبروں میں ہوگا۔ سب سے پہلے عقل پر عذاب آتا ہے، پھر اس کے بعد جسم پر نازل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہمارے اپنے ہیں

حضرت والا دامت برکاتہم کے احباب میں سے ایک صاحب حاضر ہوئے، ان کو کھانسی ہو رہی تھی، فرمایا کہ جانتے ہو کھانسی کی وجہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ سینہ میں غیر گھس گیا ہے۔ بلغم پھیپھڑوں کے لئے غیر ہے، پس معلوم ہوا کہ غیر جہاں بھی گھستا ہے، تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ دل اللہ کا گھر ہے، اس گھر میں جب اس کا مالک ہوگا تو آرام ہی آرام اور چین ہی چین ہوگا اور جب اس میں غیر گھس جائے گا تو اسی وقت سے تکلیف اور بے چینی شروع ہو جائے گی، کیونکہ چین اپنے ہی سے ملتا ہے، یہ غیر سے نہیں مل سکتا اور اللہ ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہمارا اپنا ہے۔ پس اس کے علاوہ جو چیز دل میں آئے گی دل کو بے چین کر دے گی۔ اور غیر کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ سے دور کر دے غیر ہے اور جو چیزیں جان کو اللہ سے قریب کر دیں وہ غیر اللہ نہیں ہیں، جیسے شیخ کہ ممکن ہے اس سے خون کا کوئی رشتہ بھی نہ ہو، اپنے گاؤں اور شہر کا بھی نہ ہو لیکن وہ اپنوں سے زیادہ اپنا ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس اللہ کا آشنا ہوتا ہے، جو اپنوں کا اپنا ہے، جو ہماری جانوں کی بھی جان ہے، جو ہماری جانوں سے زیادہ ہم سے قریب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ﴾

(سورۃ قٓ: آیۃ ۱۶)

ہم انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں، پس جو چیز کہ جان کو اللہ سے آشنا کر دے اور قریب کر دے وہ غیر نہیں ہے۔ اس لئے وہ شیخ اگرچہ بیگانہ ہے لیکن ہزار ایسے اپنے اس پر فدا ہوں جو اللہ سے بے خبر اور غافل ہیں ۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

(ترجمہ: ہزار اپنے جو خدا سے بیگانے اور غافل ہیں وہ اپنے نہیں ہیں، میں اُس بیگانے

اور اجنبی شیخ پر فدا ہوں جو خدا کا آشنا ہے۔ وہ اگرچہ میرے خون کا رشتہ دار نہیں لیکن اللہ کا عاشق ہے، اس لئے وہ میرا اپنا ہے۔ جامع)

اس کے علاوہ جب بلغم پھیپھڑے میں گھستا ہے جب بھی تکلیف دیتا ہے اور جب نکلتا ہے تب بھی تکلیف دیتا ہے، معلوم ہوا کہ غیر جب گھستا ہے تب بھی تکلیف دیتا ہے اور جب نکلتا ہے تب بھی تکلیف دیتا ہے۔ اسی دل میں اگر کسی حسین کو گھسا لو تو بے چینی شروع ہو جاتی ہے اور جب اس کو دل سے نکالا جاتا ہے تو بھی سخت مجاہدہ اور تکلیف ہوتی ہے لیکن نکالنا ضروری ہے، چاہے کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ جس طرح اگر بلغم کو کوئی اس ڈر سے نہ نکالے کہ نکالنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے تو وہ کھانسی دمہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور لوگ دور سے دیکھ کر ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ دمہ کا مریض ہے۔ اسی طرح اگر غیر کو دل سے نہ نکالا اور اس کے عشق میں مبتلا رہا تو یہ مرض اتنا بڑھتا ہے کہ پھر لوگوں میں شہرہ ہو جاتا ہے اور دور سے دیکھ کر ہی لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں کہ یہ آدمی بڑا لُچّا اور بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔

مگر جس طرح بلغم کو خود نہیں نکال سکتے بلکہ کسی ڈاکٹر سے رجوع کر کے نسخہ لکھواتے ہو اور دوا اور پرہیز میں اس ڈاکٹر کے حکموں کی تعمیل کرنی پڑتی ہے، تب بلغم سینہ سے نکلتا ہے، ورنہ اگر کوئی اپنی مرضی سے کتابیں دیکھ کر عمر بھر دوا کرتا رہے یا پرہیز کرتا رہے تو بھی کھانسی کو آرام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دل کو غیر سے خالی کرنا ہو تو کسی طبیبِ روحانی سے رجوع کرنا پڑے گا، اس کی دوا اور پرہیز یعنی اس کی تجویزات کی اتباع کرنی پڑے گی، تب دل پاک ہوگا اور اس میں اللہ آئے گا یعنی دل میں اللہ کی تجلیاتِ خاصّہ کا نزول ہوگا۔

۴ رشوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳ رنومبر ۱۹۷۱ء

(آج صبح حضرتِ اقدس دامت برکاتہم احقر کے والد صاحب سے ملنے تشریف لے گئے اور ان کے سامنے یہ مضمون بیان فرمایا، پھر احقر سے نقل فرمایا، کیونکہ

حضرت والا جب صبح گھر تشریف لے گئے تھے تو احقر وہاں موجود نہ تھا۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ اپنوں ہی میں جینا ہو اپنوں ہی میں مرنا ہو، غرض اپنوں ہی میں زندگی کے صبح و شام گذریں، کیونکہ دل اپنوں ہی میں لگتا ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ کون زیادہ تمہارا اپنا ہے:

﴿نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ﴾

(سورۃ ق: آیۃ ۱۶)

ہم تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں۔ تمہاری جان جتنی تمہاری اپنی ہے، ہم اس سے زیادہ تمہارے اپنے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ سب کے پاس تمہارا دل بہلتا ہے لیکن ہمارے پاس نہیں بہلتا۔

انوکھی عیدی

پھر فرمایا کہ آپ کے والد صاحب کو ایک عیدی بھی دے آیا ہوں اور وہ عیدی یہ دعا ہے:

((اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنۡ نَّفۡسِیۡ وَ اَھۡلِیۡ وَمِنَ الۡمَآءِ الۡبَارِدِ))

(رواہ الترمذی۔ مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)، باب جامع الدعاء، ص ۲۱۹)

کہ اے اللہ! اپنی محبت میرے دل میں میری جان سے زیادہ اور میرے اہل وعیال سے زیادہ اور جتنا پیاسے کو ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ محبوب کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ مبارک تو اللہ کی محبت سے بھرا ہوا تھا ہی، آپ کو تو محبت کا یہ مقام جس کا اس دعا میں ذکر ہے حاصل تھا ہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے یہ دعائیں مانگی ہیں کہ ہم طریقۂ دعا و فریاد سیکھ لیں۔ یہ دعا عجیب ہے۔ پس مانگتا رہے ایک دن قبول ہو جائے گی۔ اور جس کو ایسی محبت اللہ سے نصیب ہوگئی تو بس! پھر کیا ہے، کام بنا ہوا ہے، وہ اللہ کا ہو جائے گا اور پھر گناہ بھی نہیں کرے گا،

کیونکہ گناہ آدمی اپنی جان کو ہی تو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے۔ جب اللہ کی محبت جان سے زیادہ نصیب ہوجائے گی تو گناہ کیسے کر سکے گا؟ ایسے شخص سے تو اگر گناہ سرزد ہو بھی جائے تو وہ اپنی جان ہی سے عاجز و بے زار ہوجائے گا۔ پس اس دعا میں ایک طرح سے اصلاحِ نفس و گناہوں سے حفاظت کی بھی دعا ہے۔

ذکر نفی و اثبات کا عجیب مراقبہ

ارشاد فرمایا کہ لا الٰہ کا ذکر اس طرح کرو کہ جب لا الٰہ کہو تو یہ سوچو کہ لا الٰہ کی ''ہا'' پایۂ عرش سے ٹکرا رہی ہے، اور زمین سے عرش تک تمام چیزوں کی نفی کر رہی ہے اور یہ ''ہا'' قاصد بھی ہے کہ پایۂ عرش سے ٹکرا کر اللہ کا نورِ خاص عرش سے فرش پر لا رہی ہے اور اللہ کا وہ نورِ خاص تمہارے قلب میں داخل ہورہا ہے۔

مراقبہ برائے ذکرِ درود شریف

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے شیخ یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درود شریف اس طرح پڑھو کہ پڑھتے ہوئے یہ سوچو کہ گنبدِ خضرا کے نیچے روضۂ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبز چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں اور جب میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی کہہ رہا ہوں تو آسمان سے اللہ کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہورہی ہے اور اس رحمتِ خاصّہ کی بارش کی چھینٹیں مجھ پر بھی پڑ رہی ہیں۔

اہل اللہ کی مسرت اسبابِ مسرت کی محتاج نہیں

۱۴؍شوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۳؍دسمبر ۱۹۷۱ء قبیل عصر

ارشاد فرمایا کہ اسبابِ مسرت کے ہوتے ہوئے خوشی منانا تو دنیا جانتی ہے، تمام انسان، کافر بلکہ کتے اور سور بھی اسبابِ مسرت سے خوش ہونا جانتے ہیں لیکن

میں چیلنج دیتا ہوں کہ اسبابِ مسرت کے نہ ہوتے ہوئے پوری دنیائے کفر ذرا خوشی منا کر دکھا دے۔ اسبابِ مسرت کے نہ ہوتے ہوئے بھی خوشی منانا یہ صرف انبیاء و اولیاء کی پاک جانوں کا کام ہے۔ یہ طاقت صرف ایمان و اسلام میں ہے کہ جس کی بدولت جان کو ایسی مستی نصیب ہوتی ہے جو اسبابِ مسرت کی محتاج نہیں ہوتی۔ اہلِ دنیا تو اسبابِ مسرت کے باوجود عین حالتِ مسرت میں بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ اسباب مجھ سے چھین نہ لئے جائیں، کہیں میری بیوی نہ مر جائے، کہیں میرے بچہ کو موت نہ آجائے، کہیں میری تجارت میں گھاٹا نہ آجائے۔ ان کی تو خوشی بھی ہزاروں غموں کے ساتھ ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی جان کا سہارا دنیاوی اسباب کو بنا رکھا ہے، جن کو ہر وقت خطرۂ فنا لاحق ہے۔ اس لئے ان کی خوشی بھی ہر وقت معرضِ خطر میں ہے لیکن اس کے برعکس اللہ والے ہیں کہ چاہے جسم پر پیوند لگے ہوئے ہیں، چاہے فاقے ہو رہے ہیں، مسرت کے بظاہر کوئی اسباب موجود نہیں لیکن جان ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں مست ہے، کیا مجال کہ ان کی خوشی اور مستی میں ذرہ برابر بھی کمی آجائے۔ ان کی خوشی اسبابِ مسرت کی محتاج نہیں، کیونکہ ان کی جانوں کا سہارا دنیاوی اسباب نہیں ہیں، بلکہ وہ ذات پاک ہے جس کو کوئی نہیں چھین سکتا اور جو کبھی فنا نہیں ہو سکتی، لہٰذا ان کی خوشی بھی لافانی ہو جاتی ہے۔ یہی بات تھی کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سات جنازے رکھے ہوئے تھے لیکن ان کی جانِ پاک اس حالت میں بھی مست اور راضی برضا تھی اور مثنوی کا یہ شعر زبان پر تھا ؎

در کفِ شیرِ نرِ خونخوارۂ
جز کہ تسلیم و رضا کو چارۂ

ترجمہ: میں تقدیرِ الٰہی کے خونخوار پنجے میں جکڑا ہوا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے بجز تسلیم و رضا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اہل اللہ کی جانوں کو تو وہ قوت عطا ہوتی ہے جو عین غم کو بھی عین خوشی بنادیتی ہے، پھر بتاؤ! وہ اسبابِ مسرت کے کیسے محتاج ہوسکتے ہیں؟ آج یہ مقام اگرچہ ہماری عقلوں میں نہ آتا ہو لیکن ایک عمر اہل اللہ کی صحبت وخدمت کے بعد جب قلب میں اللہ کا تعلق راسخ ہوجاتا ہے، تب یہ مقام نصیب ہوتا ہے۔ کسی کو اگر عطر نصیب نہیں تو عطر کی دکان پر ہی پڑا رہے، عطر کی خوشبو سے کچھ تو اندازہ ہوگا کہ صاحبِ عطر کو کیسا عطر نصیب ہے؟ اور اللہ کا تعلق اور محبت تو بڑھانے سے بڑھتی ہے، پس! اہل اللہ کی خدمت میں پڑا رہے اور ان کی جوتیاں اٹھاتا رہے، ان شاء اللہ! محروم نہ رہے گا۔

روحِ کامل اور نورِ تام

۲۱/ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۸/جنوری ۱۹۷۲ء

ارشاد فرمایا کہ جسمِ انسانی کا کمال یہ ہے کہ اس سے دوسرے انسان پیدا ہونے لگیں، یعنی اس میں توالد وتناسل کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔ جس وقت جسم میں یہ صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے اس وقت وہ جسم انسانِ کامل کہلاتا ہے۔ اور اگر کسی میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہو یعنی نامرد ہو تو چاہے وہ شخص کتنا ہی فربہ وتندرست ہوجائے، وہ جسم، ناقص ہی رہتا ہے۔ اسی طرح روحِ انسانی کا کمال یہ ہے کہ اس سے دوسری مردہ روحوں کو حیات عطا ہونے لگے اور دوسری بے جان روحیں اس کی صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت سے زندہ ہوجائیں۔ پس جس روح میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی، سمجھ لو کہ وہ روح کامل ہوگئی اور اس کا نور تام ہوگیا، اگر یہ صلاحیت نہیں ہے تو نور ناقص ہے۔ لہٰذا جن روحوں کا نور ابھی ناقص ہے وہ اللہ ہی سے مانگیں کہ وہ ان کے نور کو کامل کردے، حق تعالیٰ نے یہ دعا قرآن میں بتائی:

﴿رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○﴾

(سورۃ التحریم: آیۃ ۸)

اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے نور کو تام کر دیجئے، یعنی مکمل کر دیجئے اور چونکہ ہمارے نور کے تام ہونے میں ہمارے معاصی حائل ہیں لہٰذا وَاغْفِرْ لَنَا آپ ہمیں معاف فرما دیجئے، کیونکہ جب آپ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے تو معصیت کی ظلمت نور کے تام ہونے میں کیونکر حائل ہوگی، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک! آپ ہر چیز پر قادر ہیں، گناہوں کو چھڑا دینا بھی آپ ہی کا کام ہے اور آپ اس پر قادر ہیں۔

امیدِ فضل وکرم

ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے بڑی بڑی امیدیں رکھو سوائے نبوت کے، کیونکہ نبوت تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ لہٰذا نبوت کا مانگنا تو کفر ہے لیکن ولایت کی تمام نعمتیں اور مقامات آج بھی اللہ تعالیٰ قلب میں عطا فرما سکتے ہیں اور عطا فرما رہے ہیں۔ نبوت و ولایت کا محل صرف قلب ہے، یہ نعمت حق تعالیٰ قلب ہی کو عطا فرماتے ہیں، خارج میں کسی اور چیز کو نہیں دیتے، کیونکہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے:

((فِي الْحَدِيْثِ الْقُدْسِيِّ لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ
وَلٰكِنْ يَّسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ))

(مرقاة المفاتيح: (رشيديه)، كتاب الرقاق، ج۹ ص۴۱۶؛ رقم ۵۲۲۸)

نہ سمایا میں زمینوں میں نہ آسمانوں میں لیکن مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں، اس بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

در دل مومن بگنجیدم چو ضیف

میں مومن کے دل میں مہمان کی طرح سما جاتا ہوں۔ پس اللہ سے بڑی بڑی نعمتوں کے امیدوار رہو، یہ نہ سوچو کہ میرا دل اس قابل ہی نہیں جس میں وہ آئیں، کیونکہ وہ ایسا نعمت دہندہ ہے جو ظرف ساز بھی ہے۔ تم ولایت کی اعلیٰ ترین نعمتوں کا سوال کرتے رہو، وہ جب نعمت دینا چاہیں گے اور دیکھیں گے کہ مظروف کی بہ نسبت اس کا ظرف

تنگ ہے تو ظرف کو بھی بڑا کردیں گے اور اس میں نعمت عطا فرمادیں گے، کیونکہ اللہ کو کسی مادّے کی حاجت نہیں۔ وہ تو کُنۡ کہتے ہیں کہ ہوجا فَیَکُوۡنُ پس وہ ہوجاتا ہے۔ دل کو نعمت کے قابل بنادینا بھی ان ہی کا کام ہے۔ کوئی فقیر اگر منعم یعنی نعمت دینے والے کے پاس اپنا چھوٹا سا پیالہ لے کر جائے جس کے یہاں بڑے بڑے کاسۂ مظروف بھی بن رہے ہوں اور کہے کہ حضور مجھے پانچ سیر گیہوں دے دیجئے اور وہ منعم کہے کہ تُو پیالہ تو اتنا چھوٹا لایا ہے اور پانچ سیر گیہوں مانگتا ہے۔ تو وہ فقیر کہے کہ حضور، بے شک میرا پیالہ تو پانچ سیر گیہوں کے بھی قابل نہیں لیکن آپ تو ظرف ساز بھی ہیں، آپ مجھے پیالہ بھی دے دیجئے اور بھیک بھی دے دیجئے۔ تو وہ منعم اس کو بھیک دینے کے لئے ظرف بھی عطا فرماتا ہے اور بھیک بھی دیتا ہے، تو کیا حق تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ وہ ہمیں اپنی ولایت کی اعلیٰ ترین بھیک بھی عطا فرمادیں اور دل کا ظرف بھی اس کے قابل بنادیں؟

دو عظیم الشان نعمتیں

۲۱/ ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۸/ جنوری ۱۹۷۲ء بعد عشاء

ارشاد فرمایا کہ رات میں نے خواب دیکھا کہ میں تم سے (یعنی احقر میرؔ راقم الحروف سے) کہہ رہا ہوں کہ اس بات کو نوٹ کر لینا کہ اگر بندے کو اللہ سے یقین کا تعلق ہوجائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے اور اگر اللہ کو بندے سے رضا کا تعلق ہوجائے تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے۔

قرب و رضائے حق کا تعلق اعمال سے ہے

۲۲/ ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۹/ جنوری ۱۹۷۲ء، بوقت صبح گیارہ بجے

ایک صاحب نے خط میں لکھا کہ جب سے بیوی آئی ہے، حضرت کے پاس زیادہ نہیں رہ پاتا، اس لئے کیفیاتِ قرب میں کمی محسوس ہورہی ہے۔ جواب میں تحریر

فرمایا کہ یہ کمی مضر نہیں، کیونکہ معاش کے لئے یا بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لئے شیخ سے دوری مضر نہیں، بلکہ قرب اَور بڑھتا ہے، اگرچہ محسوس برعکس ہورہا ہو۔قرب و رضائے الٰہی کا تعلق اعمال سے ہے، کیفیات سے نہیں ہے، خوب سمجھ لیں۔

عشقِ حقیقی کی رفتار

آج حضرت والا دامت برکاتہم نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا اور فرمایا کہ اسے نوٹ کرلو۔

عشرتِ عشقِ حقیقی ہر کہ یافت
او ز غیر حق سوئے حق زود تاخت

(ترجمہ: اللہ کی محبت کا مزہ جس کو مل گیا وہ غیر اللہ سے اللہ کی طرف بہت تیزی سے دوڑتا ہے۔جامع)

حقیقی بادشاہت

(آج بعد العصر میڈیکل کالج کے ایک طالب علم حاضرِ خدمت ہوئے، ان کے سامنے کی گئی تقریر کے چند اقتباسات)

ارشاد فرمایا کہ دنیا کے بادشاہوں کی بادشاہت بھی کوئی بادشاہت ہے کہ ووٹ لینے کے لئے عوام کے سامنے ہاتھ جوڑے جارہے ہیں، پھر اگر عوام نے ووٹ دے دیئے تو بادشاہ سلامت عوام کا شکریہ ادا کر رہے ہیں کہ آپ کا شکریہ، میں آپ ہی کی وجہ سے آپ کا بادشاہ بنا ہوں۔ یہ ایسی بادشاہت ہے جو عوام کے شکریوں سے بنتی ہے، پھر اگر عوام ناراض ہوگئے تو بادشاہت کا تختہ ہی الٹ گیا۔تو یہ بھی کوئی بادشاہت ہے جو خود اپنی رعایا کی محتاج ہو۔ایک اللہ کی بادشاہت ہے کہ آسمان پھٹ رہا ہے، ستارے ٹوٹ رہے ہیں، سورج اور چاند گر رہے ہیں، سمندر اُبل رہے ہیں، ساری کائنات نیست و نابود ہورہی ہے لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ

فرمارہے ہیں:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝﴾

(سورۃ المؤمن: آیۃ ۱۶)

آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی، جو واحد وقہار ہے، ہم آج بھی تنہا بادشاہ ہیں، ہماری بادشاہت زمین وآسمان اور شمس وقمر کی محتاج نہیں تھی، آج کچھ باقی نہیں لیکن ہماری بادشاہت میں ذرہ برابر فرق نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء کو بھی اپنی عبادت کے صدقہ میں ایسی ہی بادشاہت عطا کرتے ہیں کہ پیٹ پر بھوک سے پتھر بندھے ہوئے ہیں لیکن دل کی عیش ومستی اور سکون کا وہ عالم ہے کہ دنیا کے بادشاہ تصور میں بھی نہیں لاسکتے۔ انبیاء اور اولیاء کے قلوب کو جو بادشاہت عطا ہوتی ہے وہ امتیوں اور مریدوں کی محتاج نہیں ہوتی کہ اگر ایک امتی بھی کسی نبی پر ایمان نہ لائے تو وہ پھر بھی نبی ہے اور اس کی شانِ نبوت میں ذرہ برابر کمی نہیں آسکتی۔ سینکڑوں نبی مظلوم قتل کردیئے گئے لیکن کیا ان کے مقامِ نبوت کو کوئی چھین سکا؟ میدانِ محشر میں ان کا وہی مقام ہوگا جو اللہ نے انہیں عطا فرمادیا۔ یہ بادشاہت انبیاء و اولیاء کے قلوب کو عطا ہوتی ہے، بظاہر نہ فوج ہے، نہ لشکر لیکن قلب کا وہ عالم ہے کہ جو سلطانوں کو بھی نصیب نہیں۔ دوسرے کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں کیا نصیب ہے لیکن ان کا قلب محسوس کررہا ہے کہ اللہ میاں نگاہِ کرم سے دیکھ رہے ہیں، اس دل کے سامنے ساری بادشاہتیں کیوں نہ ہیچ ہوجائیں گی۔

ہر وقت باخدا رہنا کسے کہتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ساتھ جیو، اللہ کے ساتھ مرو، اللہ کے ساتھ اٹھو، اللہ کے ساتھ بیٹھو، اللہ کے ساتھ کھاؤ، اللہ کے ساتھ پیو یعنی کوئی لمحہ اللہ سے غافل نہ رہو۔ اگر ملازمت پر بھی جاؤ تو بھی اللہ کے ساتھ جاؤ، یعنی بس یہ نیت کرلو کہ چونکہ حلال رزق کی طلب کا اللہ میاں نے حکم دیا ہے اس لئے جارہا ہوں، بس

اب دفتر میں بیٹھے ہو، بظاہر اللہ اللہ نہیں کررہے، بلکہ فائل پر حساب لکھ رہے ہو لیکن ہر حرف پر نیکیاں لکھی جا رہی ہیں، باخدا رہنا یہی ہے۔

اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ

ارشاد فرمایا کہ واسطۂ رسالت وولایت کے بغیر براہ راست کوئی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا، جس طرح آپ براہ راست آگ پر روٹی نہیں پکا سکتے، بلکہ آگ پر لوہے کا توا رکھتے ہیں جو آگ کا تحمل کر کے حرارت کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، پھر آپ اس توے پر روٹی پکاتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء کے قلوب پہلے اللہ کے جلووں اور تجلیات کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں، پھر ہم اور آپ اپنے یقین و ایمان کی روٹی اس پر ڈالتے ہیں، جس سے ہمارا یقین بھی گرم ہو جاتا ہے، یعنی یقینِ کامل پیدا ہو جاتا ہے۔

خلوت مع اللہ

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی دن کاموں وغیرہ کی وجہ سے تھک جاؤ تو اس دن کا ذکر یہ ہے کہ جتنی دیر ذکر کرتے تھے اتنی دیر کے لئے قبلہ رو ہو کر صرف خاموش اللہ کے پاس بیٹھ جاؤ اور یہ مراقبہ کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یہ **اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی** کا مراقبہ ہے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا ہوا ہے، اس سے قرب بہت بڑھتا ہے۔ اس مراقبہ کی بدولت ہر وقت آدمی کو یہ دھیان رہنے لگتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، بازار میں چل رہا ہے تب بھی محسوس کر رہا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اُٹھ رہا ہے، بیٹھ رہا ہے، کھا رہا ہے، پی رہا ہے لیکن ہر وقت یہی خیال بندھا ہوا ہے۔ یہ مراقبہ ہے تو پانچ منٹ کا لیکن اس کا اثر دن بھر رہے گا، جس طرح گھڑی میں چابی تو تھوڑی ہی دیر دی جاتی ہے لیکن اس کی ہی بدولت گھڑی سارا دن چلتی رہتی ہے، اسی طرح یہ مراقبہ اگرچہ پانچ منٹ کا ہے لیکن اس کی بدولت

ہر وقت حضوری حاصل رہتی ہے۔

پس! اللہ کے سامنے بیٹھ جاؤ اور یہ مراقبہ کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ بھی تمہیں نہیں دیکھ رہا، جس طرح جب ایک اندھا تمہارے پاس آتا ہے تو تم تو اس کو دیکھتے ہو لیکن وہ تمہیں نہیں دیکھتا۔ اللہ نے دنیا ہی میں ایسی مثالیں دِکھا دی ہیں کہ جن سے اللہ کو پہچاننا آسان ہو گیا ہے۔ لہٰذا تھک جانے کے بعد یہی ذکر ہے، اس سے بھی ذکر کی طرح دل کو سکون ملے گا اور قرب میں ترقی ہو گی۔ اگر کوئی بچہ بیمار ہو اور ضعف اتنا بڑھ جائے کہ اماں اماں بھی نہیں کہہ سکتا لیکن اگر اس کی چارپائی ماں کے پاس لا کر ڈال دی جائے اور وہ اپنی کمزور نگاہوں سے صرف ماں کو دیکھتا رہے تو کیا اس کے دل کو سکون نہیں ملے گا؟ ماں کے قرب سے اس کے دل کو چین اور ٹھنڈک ملے گی، پس اسی پر قیاس کرلو کہ اللہ ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں، ان کے پاس اگر صرف بیٹھے ہی رہو اور مجبوری کی وجہ سے ان کا نام نہ لے پاؤ تو کیا دل کو سکون نہ ملے گا؟

(ایک اور مثال: احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس سال تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل دسمبر میں احقر حضرت والا دامت برکاتہم کے ساتھ حضرت مفتی شفیع صاحب دامت برکاتہم کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے گیا تو وہاں حضرت والا نے ایک اور مثال ارشاد فرمائی)

ایک بچہ جو خوب طاقتور ہے اور اپنی کڑک دار آواز سے ابّا ابّا کہہ رہا ہے اور باپ کے نام کی رٹ لگا رہا ہے اور ایک بچہ بہت بیمار اور کمزور ہے وہ صرف ایک بار اپنی کانپتی ہوئی آواز میں ابّا کہتا ہے تو بتاؤ! باپ کی رحمت دونوں بچوں میں سے کس کی طرف زیادہ جوش مارے گی؟ باپ کے نزدیک اپنے کمزور بچے کا ایک بار ابّا کہنا طاقتور بچے کے ایک لاکھ بار ابّا ابّا کہنے کے برابر ہو گا اور کمزور بچہ کی طرف باپ کی رحمت جوش کرے گی۔ بس اسی سے سمجھ لو کہ ایک طاقتور شخص ہے، جو اپنی طاقتور آواز سے خوب اللہ اللہ کر رہا ہے، اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص ہے جو اپنی

بیماری وکمزوری کی وجہ سے کچھ زیادہ عبادت نہیں کر پاتا، البتہ دل میں روتا ہے کہ کاش! میرے اندر بھی طاقت ہوتی تو میں بھی خوب اللہ کو یاد کرتا اور وہ اپنی درد بھری اور کمزور آواز میں ایک بار اللہ کہتا ہے تو بتاؤ! اللہ کی رحمت کس کی طرف زیادہ جوش مارے گی؟ طاقتور کی طرف یا کمزور کی طرف؟ کمزور کی طرف۔

کامیابی کا پیش خیمہ

۲۴/ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۱/جنوری ۱۹۷۲ء، بعد ظہر

(احقر میر عرض کرتا ہے کہ آج آسمان پر بادل تھے جنہیں دیکھ کر حضرت والا مدظلہ نے فرمایا)

ارشاد فرمایا کہ آسمان پر بادل ہوتے ہیں تو طبیعت میں گھٹن محسوس ہوتی ہے، کیونکہ بادل فضائے بسیط کو تنگ کر دیتے ہیں۔ پھر اگر یہ بادل بغیر روئے آفاق میں منتشر ہو جاتے ہیں تو موسمِ بہار پھیکا ہوتا ہے اور اگر روتے ہوئے گذر جائیں تو موسمِ بہار رنگ پر آجاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ قبضِ باطنی جو گریہ وزاری کے ساتھ ہو، بسط کی کامیابی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

(قبض اور بسط تصوف کی دو اصطلاحوں کے نام ہیں، سالک کو یہ دو حالتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ حالتِ بسط میں ذکر میں دل خوب لگتا ہے، مناجات میں آنسو بہتے ہیں، گناہوں کے تقاضے کمزور رہتے ہیں، اور قبض کی حالت میں ذکر میں دل نہیں لگتا، کوئی کیفیت محسوس نہیں ہوتی اور گناہوں کے تقاضے شدید ہوتے ہیں۔ جامع)

ایمان بالغیب اور معرفتِ الٰہیہ

۲۴/ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۱/جنوری ۱۹۷۲ء، قبل عشاء

ارشاد فرمایا کہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ کافروں کے سامنے ان کے معبودانِ باطل کو پاش پاش کر دیتا، ان پر کسی جن وغیرہ کو مسلط کر دیتا، جو کافروں کے سامنے ان کے بتوں کو پٹک پٹک کے

دے مارتا اور وہ دیکھتے کہ بت خود بخود ٹوٹ رہے ہیں لیکن اللہ نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا کہ جس سے پردۂ غیب اُٹھ جاتا اور غیب کا راز فاش ہو جاتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کائنات میں بکھری ہوئی ہماری نشانیاں دیکھ کر ہمیں اپنی عقل سے پہچانو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی:

﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۲)

مومنین غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اگرچہ ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنے دلائل و نظائر، ماہ و انجم و شمس و قمر وغیرہ کی صورت میں کائنات کے ہر ذرہ میں بکھیر دیئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایمان محض عطائے خداوندی ہے۔

اللہ کو نہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ اس کو اس مثال سے سمجھو کہ ایک مادرزاد اندھا بچہ آغوشِ مادر کو صرف سونگھ کر پہچان لیتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ماں کا دودھ پیا ہے، ماں کا دودھ اس کے خون کے ذرہ ذرہ میں دوڑ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے خاص بندے جو اگرچہ اس دنیا میں ہم کو دیکھتے نہیں ہیں، آنکھیں تو ہم ان کو جنت میں دیں گے لیکن یہ ہمیں دنیا میں بھی پہچان لیتے ہیں:

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۵)

بس یہ لوگ ٹھیک راہ پر ہیں جو اِن کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے، کیونکہ ہماری ربوبیت ان کے خون کے ذرہ ذرہ میں داخل ہے اور ان کی رگ رگ میں دوڑ رہی ہے اس لئے یہ بواسطۂ ربوبیت ہمارا راستہ دیکھ لیتے ہیں اور ہم تک پہنچ جاتے ہیں۔ سورج نے ان کا غلّہ پکایا ہے، چاند نے اس غلّہ کو ٹھنڈک پہنچائی ہے تاکہ جل نہ جائے، سمندروں سے ہواؤں نے پانی لے کر اس پر برسایا ہے، پھر یہ غلّہ انہوں نے کھایا ہے۔ ہماری ربوبیت تو ان کے جسم کے ذرہ ذرہ میں شامل ہے،

جس کے واسطہ سے وہ ہمیں پہچان لیتے ہیں اور جس طرح بچے کو اگر ماں کی گود سے کسی اور کی گود میں دے دو تو سمجھ جاتا ہے کہ میں کسی اور کی آغوش میں ہوں، یہ میری ماں کی آغوش نہیں ہے اور رونے لگتا ہے اور بزبانِ حال کہتا ہے کہ کس ظالم نے مجھے آغوشِ ربوبیتِ مادر سے جدا کردیا۔ چاہے شروع میں کوئی مٹھائی کی تھوڑی سی لذت چکھا کر اسے اپنی گود میں لے بھی لے اور ماں سے دور کردے لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر اسے ماں کا خیال آتا ہے اور اماں اماں چلّاتا ہوا ماں کی طرف بھاگتا ہے۔ پھر اگر اس کے سامنے ہزار لڈو پیش کرو تو وہ لڈو کی مٹھاس اور لذت کی طرف التفات ہی نہیں کرتا۔

اسی طرح اگر شیطان مومن کو گناہوں کی لذت دے کر حق تعالیٰ سے دور کر بھی دے مگر صرف تھوڑی ہی دیر کے لئے کہ جب تک گناہ کی لذت باقی رہتی ہے، وہ غافل رہتا ہے، پھر جیسے ہی گناہ کی لذت ختم ہوتی ہے مومن کو فوراً ہی احساس ہوجاتا ہے کہ ہائے! میں کس ظالم کی آغوش میں ہوں، یہ میرے رب کی آغوش نہیں ہے، پس وہ فوراً ہی روتا ہوا اپنے اللہ کی طرف بھاگتا ہے۔ پھر اگر شیطان دوبارہ اس کو گناہ کی لذت دِکھاتا ہے کہ یہ لے گناہ کا لڈو! تو مومن کہتا ہے کہ جا کمبخت! مجھے تیرا لڈو نہیں چاہیے، مجھے تو اپنا رب چاہیے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک والا نامہ بنام ایک مرید

۲۵/ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۲/جنوری ۱۹۷۲ء

(حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کا والا نامہ مکہ معظّمہ میں حضرت والا کے ایک مرید مولانا .... کے نام)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

عزیزِ قلبی، مولانا...... سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حسن کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی
فکر کے اہتمام سے ہوگی

راہِ سلوک میں قدم رکھنے کا مقصود حصولِ تقویٰ ہے اور ولایت اور تقویٰ، متقی اور ولی دونوں کُلّیوں میں نسبتِ تساوی ہے، یعنی یہ کُلّیانِ متساویان ہیں اور کُلّی متساوی کی تعریف یہ ہے کہ ایک کُلّی کا ہر فرد دوسری کُلّی کے ہر فرد پر صادق ہو۔ پس ہر متقی ولی ہے اور ہر ولی متقی ہے وَنَسْتَدِلُّ عَلَیْہِ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ خلاصۂ ماسبق یہ ہے کہ سلوک کا حاصل حصولِ ولایت ہے، یعنی تکمیلِ عبدیت کے بعد تاجِ ولایت کا حصولِ شرف ہے اور تقویٰ کا حاصل امتثالِ اوامر اور اجتناب عن النواہی ہے اور یہ دونوں باتیں محتاج ہیں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی اور یہ کُوْنُوْا کا امر محتاج ہے تفسیر وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کا۔

پس جس عبدِ منیب سے تعلق قائم کیا جاوے اس کی اتباع اس راہ میں بہت ضروری ہے اور اسی اتباع کا ایک فرد فرمانِ مرشد کے مطابق ذکر کا اہتمام ہے، یہی ذکر واسطہ بن جاتا ہے ذاکر اور مذکور میں تعلقِ کامل کا۔ ذکر کے تمام حروف یعنی ذال، کاف، را، ذاکر اور مذکور میں موجود ہیں۔ ذکر کا نور روح کی طاقت کو امتثالِ امر اور اجتنابِ معاصی کے لئے مضبوط کرتا ہے اور نفسِ امارہ کو مضمحل کرتا ہے کہ نور سے ظلمت کا گریزاں ہونا مشاہد ہے۔ ہمارے وہ مشائخ و بزرگانِ دین جو سہارن پور، دیوبند اور تھانہ بھون میں مدفون ہیں اور ان کے بڑے دادا مکہ شریف میں مدفون ہیں، یعنی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کو جو کچھ ملا ذکر کی پابندی سے ملا۔ پس ترکِ ذکر کے بعد کیا ملے گا، اگر فرصت نہ ہو تو پانچ منٹ یا دس منٹ گھڑی دیکھ کر اللہ کا نام لے لیا کریں، مجھے امید ہے کہ آپ فوراً شروع کر کے مجھے اطلاع کریں گے

اور مجھے مسرور کریں گے۔ اپنے احبابِ خصوصی سے بھی اس قسم کے اصلاحی خط کا ذکر کردیا کریں، بلکہ سنادیا کریں۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل نسبتیں ارشاد فرمائیں۔ جامع:

(۱)......ولی اور انسان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

(۲)......ولی اور ابیض میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

(۳)......ولی اور فاسق میں نسبت تباین کی ہے۔

۲۹/ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۶/جنوری ۱۹۷۲ء

آج حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا کا یہ ترجمہ فرمایا کہ ''راضی ہوا میں اللہ سے اس کی ربوبیت کی تمام شانوں پر۔''

عالمِ دنیا کا ہر جز حادث ہے

ارشاد فرمایا کہ یہ عالم حادث ہے، لہٰذا اس عالم کا وصال بھی حادث ہے، کیونکہ وصال بھی تو اسی عالم کا ایک جز ہے، پس جب عالم متغیر ہوگا تو وصال بھی متغیر ہوگا، اور ہر شے اپنی ضد سے متغیر ہوتی ہے، پس وصال فراق سے متغیر ہوجاتا ہے، اسی لئے حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یعنی طمع مدار دوام وصال را

اور عالمِ آخرت کیونکہ عالمِ دوام ہے، حادث نہیں ہے، اس لئے وہاں کا وصال بھی غیر متغیر ودائم ہوگا۔

خاک اور خالقِ پاک

احقر سے مزاحاً فرمایا کہ وہ بادہ وساغر، یعنی جمالِ مجازی جو آپ کو لاغر کئے دے رہے تھے اگر آپ کو مل ہی جاتے تو کیا ہوتا؟ یہی کہ خاک بعوض خاک بِک جاتی اور اب خاک بعوض خالقِ پاک بِک رہی ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مزاح (بعد عصر)

حضرت والا دامت برکاتہم کے صاحبزادے مولانا مظہر صاحب مدظلہ نے درمیانِ گفتگو کہا کہ فلاں سیاسی معاملہ میں برطانیہ، روس اور امریکہ وغیرہ کی بے عزتی ہوجائے گی، اس پر حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ بے عزتی تو اس کی ہو جس کے پاس عزت ہو، جس کے پاس عزت ہی نہ ہو اس کی بے عزتی کیا ہوگی، کیونکہ ہر نفی کے لئے اثبات ضروری ہے، پس جس کے پاس اثبات ہی نہ ہو تو اس کی نفی کیا ہوگی، البتہ منفی عنہ منفی عنہ سے مل کر مثبت ہوجاتا ہے، اس لئے بے عزتی پر اگر ان کی مزید بے عزتی ہوجائے تو ان کو کچھ عزت مل جائے گی۔

آج حضرت والا نے فی البدیہہ یہ شعر ارشاد فرمایا کہ ؎

دیکھئے کیا رنگ لاتا ہے شہیدوں کا لہو
اس کی رحمت سے ملے مجھ کو مرا جام و سبو

اہل اللہ کے دوامِ سکون کا راز

۳؍ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰؍جنوری ۱۹۷۲ء، یوم الخمیس بوقت نو بجے صبح

ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ کے دوامِ سکون کا راز یہ ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ماوراء الافلاک، عالمِ لامکان کی اس ذاتِ پاک سے ہوتا ہے جو دائم و باقی ہے اور جس میں حدوث و تغیر نہیں، اور نہ وہ عالم تابع شمس و قمر ہے کہ تغیرِ وقت کے ساتھ تغیرِ شے لازم آئے، اس لئے ان کا سکون بھی دائمی اور غیر متغیر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کا تعلق ماتحت الافلاک سے ہے، ان کا سکون اور مزہ بھی عارضی اور متغیر ہوتا ہے، کیونکہ حدوث و تغیر اور فنا اس عالم ماتحت الافلاک کی خاصیت ہے کہ یہ عالم تابع اوقاتِ شمسی و قمری ہے، پس اس عالم کے حدوث و تغیر کے ساتھ ان کے سکون کو بھی فنا و تغیر لاحق ہوجاتے ہیں۔

اطلاعِ حالات سے اعراض محرومی کا سبب ہے

۴؍ذوالحجہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۲۱؍جنوری ۱۹۷۲؁ء
بوقت پونے دس بجے صبح یوم الجمعہ

ارشاد فرمایا کہ جوشخص اپنے شیخ کو اپنے حالاتِ باطنی کی اطلاع نہیں کرتا، اللہ اس کو محروم رکھتا ہے، کیونکہ شیخ تو آپ کے حالات سے بے خبر ہے لیکن اللہ باخبر ہے اور اللہ دل کو دیکھتا ہے کہ یہ شخص اگرچہ ہماری نافرمانیوں میں مبتلا ہے لیکن اس کو ہماری ناراضگی پر صبر اور اطمینان ہے۔ اگر اس کو ہم سے محبت ہوتی تو کبھی ہماری ناراضگی پر مطمئن نہیں رہ سکتا تھا، کیونکہ محبت تو یہ ہے کہ محبوب کی ذراسی ناراضگی پر دل بے چین اور بے قرار ہوجائے۔

شیخ سے اپنے حالات چھپانے کے اسباب

طالب کے شیخ سے اپنے حالات چھپانے کے تین اسباب ہیں:

(۱)...... یاتو یہ چھپانا بوجہ حبِ جاہ کے ہوتا ہے کہ طالب یہ سمجھتا ہے کہ میں شیخ کی نظر میں حقیر ہوجاؤں گا اور مجھے خلافت وغیرہ نہ ملے گی۔

(۲)...... یا یہ کہ طبعی خجلت اور حیا غالب ہوتی ہے۔

(۳)...... اور یا یہ کہ وہ اپنے گناہ پر قائم رہنا چاہتا ہے اور معصیت اس کو اتنی محبوب ہوچکی ہے کہ اس کو ترک نہیں کرنا چاہتا۔ بہر حال جو بھی سبب ہو اس کو ترک کردے اور ہمت کرکے اپنے حالات کی اطلاع کرے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○﴾

(سورۃ الشمس: آیات ۹،۱۰)

یقیناً کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا (اس کے مقدمات اختیار کرکے) اور برباد ہوگیا وہ شخص کہ جس نے اس کو (فجور میں) دبادیا،

یعنی اپنے عیوب کو چھپایا اور تزکیہ نہ کرایا اور نافرمانیوں میں مشغول رہا۔ بلی اپنے گُو کو مٹی میں دبا دیتی ہے لیکن کب تک؟ آخر ایک دن بدبو پھیل جاتی ہے اور اس کا گُو سب پر عیاں ہوجاتا ہے۔ پس اسی طرح جو شخص شیخ سے اپنے عیوب کو چھپاتا ہے، وہ آخر کب تک چھپائے گا؟ ایک دن شیخ پر اس کے حالات کھل جاتے ہیں اور اللہ شیخ کے دل کو اس سے پھیر دیتا ہے، کیونکہ اس نے راستہ کا حق ادا نہیں کیا۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا شخص خائن فی الطریق ہے اور اللہ کی محبت کے حقوق کو پامال کر رہا ہے اور اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے، یہ اللہ کے راستہ میں محروم رہے گا۔

ایک لطیف نکتۂ قرآنیہ

۱۴/رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۹۷۱ء بروز پیر

فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾

(سورۃ الشمس: آیۃ ۸)

اس آیت میں فجور کو تقویٰ سے پہلے بیان فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ مادّۂ فجور جو انسان کے اندر رکھ دیا، اُس مادّہ کے تقاضوں کے خلاف عمل کرنے سے دل میں غم کی آگ پیدا ہوتی ہے، اسی حرارت سے تقویٰ کا پھل تیار ہوتا ہے۔ اگر فجور و نافرمانی کے تقاضے نہ ہوتے تو تقویٰ بھی پیدا نہ ہوتا، تقویٰ ان تقاضوں کو کچلنے سے ہی پیدا ہوتا ہے، اس لئے اللہ نے قرآنِ پاک میں فجور کے بیان کو تقویٰ پر مقدم فرمایا۔

اللہ کی رضا کی قیمت

۶/ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳/جنوری ۱۹۷۲ء

ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضا اور دین کی حفاظت کے لئے اگر نبی کی صحبت سے بھی محروم ہونا پڑے تو ایسا ہی کرنا پڑے گا، اللہ کی ذات ایسی قیمتی ہے۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو

بے دردی سے قتل کیا تھا تو حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

((وَيْحَكَ يَا وَحْشِيُّ غَيِّبْ عَنِّيْ وَجْهَكَ فَلَا اَرَاكَ فَكُنْتُ اَتَّقِيْ اَنْ يَّرَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ ﷺ))

(السنن الکبریٰ للبیہقی :(دار الکتب العلمیۃ)، ج۹ ص ۱۶۵)

اے وحشی! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تم میرے سامنے نہ آؤ، یہ بھی آپ نے کس مشفقانہ انداز میں فرمایا اور یہ فرمانا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ ہی کے فائدے کی رعایت سے تھا، کیونکہ ان کو دیکھ کر حضور ﷺ کو چچا کا غم یاد آجاتا جو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے باطن کے لئے مضر ہوتا۔ ایمان لانے کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی محبت کا کیسا جوش ہوتا ہوگا لیکن فرمانِ نبوت کی تعمیل میں عمر بھر حضور ﷺ کو اپنا منہ نہیں دکھایا۔

محبت کی باتیں

۱۱/ذوالحجہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۲۸/جنوری ۱۹۷۲؁ء یوم جمعہ بعد مغرب

(احقر، احقر کا چھوٹا بھائی قاسم جمیل اور ایک نابینا حافظ صاحب موجود تھے)

ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہہ دوں کہ اس قلم کو سید الانبیاء ﷺ کی نگاہِ مبارک نے دیکھا ہے تو اس قلم کی کتنی محبت معلوم ہوگی کہ اس کو چومو گے اور آنکھوں سے لگاؤ گے۔ ایک چیز آج بھی ہم سب لوگوں کے سامنے ایسی ہے جس کو حضور ﷺ نے دیکھا ہے اور وہ چاند ہے۔ چاند کو جب دیکھا کرو تو سوچا کرو کہ یہ وہی چاند ہے جو نگاہِ پاک رسالت ﷺ کا دیکھا ہوا ہے، حضور ﷺ کی نگاہیں اس پر پڑی ہیں، اس طرح چاند کے واسطہ سے نگاہِ رسالت ﷺ کا مشاہدہ کرلو۔

جب کوئی مکہ سے آتا ہے تو اللہ کا عاشق کہتا ہے کہ میں مکہ کو تو نہیں دیکھ سکتا لیکن چلو! ان نظروں کو دیکھ لیں جن نظروں نے کعبہ کی زیارت کی ہے ؎

ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

عاشقین گویا یوں بالواسطہ مکہ کی زیارت کر لیتے ہیں۔ پس جن کے دل کو لگی ہوتی ہے وہ چاند کو دیکھ کر نگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدے کے تصور سے اپنے جذبۂ محبت کو تسکین دیتے ہیں۔ اور یہ بات تو دور رہنے والوں کے لئے ہے، اگر میرے ساتھ حج کو چلو گے تو بتاؤں گا کہ یہ کعبہ شریف ہے کہ اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا ہے اور یہ زمینِ مطاف ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ مبارک چلے ہیں، یہ تصور کرو، پھر طواف کا مزہ دیکھو۔

قرآنِ پاک کا اندازِ محبت

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کے دوست کو مارا جارہا ہو اور محبوب دیکھ بھی رہا ہو اور اسے معلوم بھی ہو کہ اس کو لوگ صرف اس لئے مار رہے ہیں کہ یہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ محبوب کہتا ہے کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اس کا قصور صرف یہ ہے کہ یہ ہمیں چاہتا ہے، ذرا قرآن کا اندازِ محبت دیکھو، فرماتے ہیں:

﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝﴾

(سورۃ البروج: آیۃ ۸)

اور ان کافروں نے ہمارے ان عاشقوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے (بیان القرآن)۔ ہمارے عاشقین کو جو ستایا جارہا ہے تو ہمارے ان عاشقین کا کوئی جرم نہیں ہے، نہ انہوں نے قتل کیا ہے، نہ جیب کاٹی ہے، نہ چوری کی ہے، نہ ڈاکہ ڈالا ہے، ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم پر ایمان لائے ہیں۔ یہ قرآن کا اندازِ محبت ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی اور توکل علی اللہ کی برکات

۱۷؍ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۳؍فروری ۱۹۷۲ء

(بعد نمازِ عشاء بروز جمعرات، مدرسہ روضۃ العلوم)

(احقر عرض کرتا ہے کہ ایک مولوی صاحب جو حضرت والا مدظلہ کے مدرسہ روضۃ العلوم میں

استاد تھے، انہوں نے مدرسہ پر قبضہ کرلیا اور اعلان کیا کہ یہ میرا مدرسہ ہے۔ حضرت والا نے صبر فرمایا اور احقر سے فرمایا کہ قبضہ کرلیا تو کیا ہوا، مقصود تو کام ہے، وہ بھی تو دین ہی کا کام کریں گے۔ دو روز بعد حضرت والا مدظلہ کے دوست مفتی عاشق الٰہی صاحب دامت برکاتہم دار العلوم کورنگی سے تشریف لائے اور حضرت والا سے تمام صورتِ حال دریافت کی اور فرمایا کہ جن لوگوں نے مدرسہ کے قیام میں مالی تعاون کیا ہے، وہ آپ کے اعتماد پر کیا ہے، ان قابض مولوی صاحب کے اعتماد پر نہیں کیا، لہٰذا مدرسہ سے ان کا انخلاء واجب ہے۔ پھر مدرسہ سے ان موذی مولوی صاحب کے انخلاء کے بعد درج ذیل ملفوظ ارشاد فرمایا۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے میرے اوپر ایسے کرم فرمائے ہیں کہ آج ان ہی کی غلامی کی برکت سے ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کی توفیق ہوجاتی ہے۔ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے اللہ والے بزرگ گذرے ہیں، جنہوں نے خود لکھا ہے کہ میں اپنے وقت کا قطب ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت یا غم آجائے تو فوراً تدبیر نہ کرو اور نہ ہی تدبیر کے متعلق سوچو، اگر تدبیر کا خیال بھی آئے تو استغفار کرو، بلکہ پہلے دو نفل پڑھ کر اللہ سے اپنا غم کہہ دو اور اپنی تمام قوتوں کی اور اپنی سب تدابیر کی نفی کردو کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اے اللہ! میرے اندر کوئی قوت نہیں ہے، نہ میری تدبیر میں کوئی دَم ہے، اصلی قوت آپ کی ہے، اگر آپ اپنی مدد میرے ساتھ شامل کردیں تو میری یہ مصیبت دور ہوجائے گی، اس کے بعد تدبیر کرے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی دعا رَد نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ مجھ پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے، اگرچہ یہ پہلے ہی تدبیر کرسکتا تھا لیکن اس نے نہ اپنا غم کسی سے ظاہر کیا، نہ کوئی تدبیر کی، بلکہ میرے پاس آکر مجھ سے اپنا غم کہہ رہا ہے۔ یہ جانتا ہے کہ میرے علاوہ کوئی کارساز نہیں ہے، پس اللہ کی رحمت کو جوش آتا ہے، جو شخص اپنی قوت کی نفی کرتا ہے، اللہ پھر اپنی قوت دِکھاتا ہے اور اپنی مدد ظاہر فرماتا ہے۔

مجاہدات کا انعام

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہلے غم دیتے ہیں اور غم ومصیبت پر صبر کرنے پر نعمتیں عطا فرماتے ہیں، اسی طرح مجاہدات کی تکلیف کے بعد اپنے قرب کی لذت چکھاتے ہیں، گذشتہ دو دن اور دو رات کی گھٹن اور سخت صدمہ کے بعد (جو مولوی موذی کی وجہ سے ہوا تھا۔ جامع) اس وقت اللہ نے وہ نعمت عطا فرمائی ہے جو زندگی بھر نصیب نہ ہوئی تھی، جس کا اظہار آپ لوگوں پر کرتا ہوں۔ جہاں دونوں پسلیاں ملتی ہیں ان کے درمیان لطیفۂ روح ہے۔ لطیفۂ قلب سے ذکر اکثر مشائخ تعلیم فرماتے ہیں لیکن اس وقت جو میں نے ذکر کیا تو اس طرح کیا کہ پہلا اللہ لطیفۂ روح پر کہا اور دوسرا اللہ لطیفۂ قلب پر، اس طرح اللہ اللہ کہنے میں آج روح نے ذکر کیا۔ بال سفید ہونے کو آئے لیکن اس وقت سے قبل روح کے ذکر کا مزہ نہ ملا تھا اور وہ مزہ ایسا ہے جو الفاظ میں نہیں آسکتا۔ اس غم سے جو کلیجہ منہ کو آ گیا تھا، اس کے بدلہ میں آج اللہ میاں نے یہ نعمت دی کہ جا، آج ہم تیری روح کو ذاکر بناتے ہیں۔ الفاظ اس مزے کی کیفیت کے بیان سے قاصر ہیں، بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر پوری کائنات کی سلطنت مجھے پیش کی جاوے اور کہا جاوے کہ یہ سلطنت لے لو اور یہ مزہ ہمیں دے دو تو میں اس سلطنت پر ٹھوکر ماردوں گا، کیونکہ سلطنت بھی مخلوق ہے، اس کی لذتیں بھی مخلوق ہے، اور ہمارا تعلق اس ذات سے ہے جو اِن سلطنتوں کا خالق ہے، پس ظاہر ہے کہ خالق کے تعلق سے جو مزہ ملے گا وہ تمام لذتوں سے بڑھ کر ہوگا۔

دعائے مغفرت کا انوکھا انداز

ارشاد فرمایا کہ یوں دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! جب سے میں بالغ ہوا ہوں اور احکامِ شریعت کا مکلف ہوا ہوں، اس وقت سے لے کر آج تک میرے گناہ سنگین اور شدید ہیں، کماً بھی اور کیفاً بھی، زماناً بھی اور مکاناً بھی، یعنی کمیت وتعداد کے

اعتبار سے بھی میرے جرائم و گناہ سنگین ہیں، کیفیت کے اعتبار سے بھی سنگین ہیں اور زمانے کے اعتبار سے بھی سنگین ہیں کہ ان اوقات میں بھی گناہ سرزد ہوئے ہیں جو آپ کے نزدیک مبارک ہیں، مثلاً کوئی جمعہ کے دن گناہ کرے یا رمضان میں گناہ کرے یا لیلۃ القدر میں گناہ کرے تو یہ گناہ اَور زیادہ سنگین ہوجاتا ہے بوجہ زمانہ کی تشریف و تعظیم کے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے بھی میرے گناہ سنگین ہیں، مثلاً ایسے مقامات پر بھی گناہ سرزد ہوئے ہیں جو آپ کے نزدیک مکرم ہیں، مثلاً مسجد میں گناہ صادر ہوجانا یا کسی بزرگ کی صحبت میں رہتے ہوئے گناہ کرلینا یا اَور کسی مقامِ مقدس پر گناہ کرنے سے گناہ اَور زیادہ شدید و سنگین ہوجاتا ہے بوجہ مکان کی تشریف و تعظیم کے۔

اے اللہ! میرے گناہ ہر اعتبار سے بڑے اور سنگین ہیں لیکن اے اللہ! میرے گناہوں کی بڑائی آپ کی عظمت و رحمت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ آپ کی عظمت میرے گناہوں سے بھی بڑی ہے، پس آپ معاف فرمادیجئے۔ اے اللہ! اگر آپ مجھے دوزخ میں ڈالیں تو یہ آپ کا عین عدل ہوگا لیکن اے اللہ! میں ضعیف و کمزور ہوں، میں آپ کے عذاب کا تحمل نہیں کرسکتا، میں آپ کو اپنے اس ضعف و کمزوری کا واسطہ دیتا ہوں جو دوزخ کے عذاب کو برداشت نہیں کرسکتی کہ آپ مجھے معاف فرمادیجئے اور جہنم سے بچالیجیے۔ دنیا میں جب مجرم قانون اور عدالتوں سے مایوس ہوجاتا ہے تو بادشاہ سے رحم کی درخواست کردیتا ہے، اے اللہ! اصلی بادشاہ تو آپ ہیں، آپ ہی سے فریاد کرتا ہوں کہ میں قانون کے اعتبار سے تو مستحقِ نار ہوں لیکن آپ کے مراحمِ خسروانہ سے رحم کی درخواست کرتا ہوں کہ اس عذاب کے مستحق کو صرف اپنے رحم و کرم کے صدقہ میں عذاب سے بچالیجیے اور سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرمادیجئے، کیونکہ اے اللہ! آپ کا فیصلہ آپ پر حاکم نہیں، آپ کا محکوم ہے، لوح و قلم آپ کے محکوم ہیں، قضا و قدر آپ کی محکوم ہے، پس

اے اللہ! وہ سوءِ قضا جو آپ کے علم میں ہے اس کو حسنِ قضا سے مبدل فرما دیجئے۔

اہلِ عقل کون لوگ ہیں؟

۲۰/ذوالحجہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۶/فروری ۱۹۷۲؁ء
(بروز اتوار، مدرسہ امداد العلوم، موسیٰ کالونی، کراچی)

ارشاد فرمایا کہ ہر شخص خود کو عقل مند کہتا ہے لیکن دراصل کون لوگ عقل مند ہیں اور کون بے وقوف ہیں؟ یہ میں قرآن کی ایک آیت سے ثابت کروں گا کہ قرآن نے کن لوگوں کو عقل مند بتایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝﴾

(سورۃ اٰل عمرٰن: آیۃ ۱۹۰)

بلاشبہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں نشانیاں ہیں اہلِ عقل کے لئے لیکن یہ اہلِ عقل کون ہیں؟ روس اور امریکہ بھی دعویٰ کر سکتے تھے کہ ہم اولو الالباب یعنی اہلِ عقل ہیں، کیونکہ ہم نے زمینوں اور سمندروں کے خزانوں کی تحقیق کی ہے اور آسمانوں، ستاروں اور چاند کے سربستہ رازوں کو فاش کیا ہے، ہم مفکرِ اعظم ہیں لیکن لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ کے فوراً بعد اَلَّذِیۡنَ کا اسمِ موصول اس ابہام کو رفع کر رہا ہے، یہ اَلَّذِیۡنَ روس و امریکہ اور دنیائے سائنس کو کان پکڑ کر زمرۂ اولوا الالباب و اولیاء سے نکال رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ دراصل اولوا الالباب کون ہیں؟ وہ ہیں:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ﴾

(سورۃ اٰل عمرٰن: آیۃ ۱۹۱)

جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے، یعنی کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اہلِ عقل وہی ہیں جو

اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اللہ کو یادنہیں کرتا، وہی سب سے بڑا بے وقوف ہے۔

شیخ سے محبتِ للّٰہی کا ایک خاص انعام

ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے کہ باپ اپنے بچے کو یتیم چھوڑ کر دنیا سے گیا ہے، پھر وہی یتیم بادشاہ ہوگیا ہے۔جس طرح یہ ضروری نہیں کہ جس بچہ کو باپ یتیم چھوڑ جائے وہ مفلس اور قلاش ہی رہے، اسی طرح اگر شیخ کسی کو نامکمل حالت میں چھوڑ کر چلا جائے اور اس کو اجازتِ بیعت نہ دے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ محروم رہے، بلکہ ممکن ہے کہ بعد میں اللہ کا فضل اس کو اپنی آغوش میں لے لے اور اپنے قرب کا اعلیٰ مقام عطا فرمادے اور ایسا مقام دے دے کہ جس پر خواص بھی فائز نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے، اگر کسی بندے نے کسی اللہ والے سے صرف اللہ کے لئے محبت کی ہے اور اس کی خدمت کی ہے تو اگر وہ شیخ اس کو اجازت نہ بھی دے تو بھی اللہ اس بندے کو ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ شیخ کو موت آسکتی ہے لیکن اللہ زندہ ہے۔

جو شخص خود واصل باللہ نہ ہو وہ دوسروں کو اللہ تک نہیں پہنچا سکتا

ارشاد فرمایا کہ فعلِ متعدی کے لئے فعلِ لازم کا وجود ضروری ہے، فعلِ لازم کا انتفاء فعلِ متعدی کے انتفاء کو مستلزم ہے اور فعلِ لازم میں جب قوت بڑھ جاتی ہے تو وہ فعلِ متعدی ہوجاتا ہے۔اس لئے جو شخص خود واصل باللہ نہ ہو وہ موصل الی اللہ کیسے ہوسکتا ہے یعنی جو خود اللہ تک نہیں پہنچا وہ دوسروں کو اللہ تک کیسے پہنچا سکتا ہے؟ جیسے اگر ایک شخص کے پاؤں میں آنے کا دَم نہیں ہے تو وہ کسی کو کیسے لاسکتا ہے؟ لائے گا تو اسی وقت جب کہ خود آنے کا دَم ہو۔اسی طرح وہ عالم جس کی روح میں اللہ تک پہنچنے کا دَم نہیں ہے وہ دوسروں کو کیسے اللہ تک پہنچا سکتا ہے؟

غلام کا اصل اعزاز

ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کسی حسین پر فدا ہو گئے تو حاصل یہ ہوا کہ ایک غلام غلام پر فدا ہو گیا، اس سے آپ کی کیا قیمت بڑھی؟ یا ہزاروں آدمی آپ کو سلام کر رہے ہیں، جدھر جاتے ہیں آپ کو لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں تو بھی آپ کی قیمت نہیں بڑھی، کیونکہ آپ بھی غلام ہیں اور آپ کو سلام کرنے والے بھی غلام ہیں، سب کو شمار کرلو تو میزان میں غلام ہی آئے گا۔ اس کے برعکس اگر آپ کا خالق اور مالک آپ سے راضی ہے اور آپ کا تعلق غلاموں سے ایسا نہیں جو مالک سے آپ کو غافل کر دے، تو اَب آپ کی قیمت بڑھ گئی کیونکہ غلام اور مالک کا میزان لگایا جائے گا تو میزان میں غلام نہیں آئے گا، مالک آئے گا۔ پس غلاموں کے کسی غلام کو سلام کرنے سے قیمت نہیں بڑھتی، ہاں اگر مالک اپنے غلام کو سلام کرے تو یہ غلام کا اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں مومنین کو سلام کریں گے:

﴿سَلٰمٌ ۖ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۝﴾

(سورۃ یٰسٓ: آیۃ ۵۸)

اہلِ جنت کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جنت میں ایک نور نمودار ہوگا اور آواز آئے گی: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ۔ غلام کا اصل اعزاز یہ ہے۔

((بَیْنَا اَھْلُ الْجَنَّۃِ فِیْ نَعِیْمِھِمْ اِذْ سَطَعَ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَھُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَیْھِمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ قَالَ وَ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی (سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ) قَالَ فَنَظَرَ اِلَیْھِمْ وَ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ فَلَا یَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْءٍ مِّنَ النَّعِیْمِ مَا دَامُوْا یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ حَتّٰی یَحْتَجِبَ عَنْھُمْ وَیَبْقٰی نُوْرُہٗ۔ رواہ ابن ماجۃ))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)، باب رؤیۃ اللہ تعالٰی، ص ۵۰۲)

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت نعمتوں میں ہوں گے کہ ان پر ایک نور چھا جائے گا، وہ سر اوپر اٹھا کر دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر جلوہ افروز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے اہلِ جنت! تم پر سلامتی ہو۔ پھر فرمایا کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ)۔ فرمایا اللہ ان کی طرف دیکھے گا اور یہ اللہ کی طرف دیکھیں گے اور جب تک یہ اس کی طرف دیکھتے رہیں گے تو کسی اَور نعمت کی طرف توجہ نہ کریں گے یہاں تک کہ اللہ ان سے حجاب فرمائے گا اور اس کا نور باقی رہ جائے گا۔ (ترجمہ از مظاہر حق (اردو شرح مشکوٰۃ شریف) جلد نمبر ۵)

عشق کس سے کریں؟

ارشاد فرمایا کہ

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حی و با قیوم دار

مرنے اور گلنے والی لاشوں سے عشق پائیدار اور باقی رہنے والا نہیں ہوتا، کیونکہ جو حسن خود اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتا وہ دوسرے کو کیا سنبھالے گا؟ ان حسینوں کا حسن تو خود ان کے اختیار میں نہیں، کسی وقت بھی زوال لاحق ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ اپنی زندگی بھی ان کے قابو میں نہیں۔ معشوق سامنے مر رہا ہے، عاشق صاحب کہہ رہے ہیں کہ تُو مرا تو میں مرا، تو وہ معشوق اپنے عاشق سے بزبانِ حال کہتا ہے کہ جب میں اپنے آپ ہی کو نہیں سنبھال سکتا اور مر رہا ہوں تو تجھے کیسے سنبھالوں گا؟ نہ میری اپنی زندگی میرے قابو میں ہے، نہ تیری زندگی میرے اختیار میں ہے، میں تو مجبورِ محض ہوں۔ بس یہ مردہ لاشیں محبت کے قابل نہیں ہیں، محبت تو اس ذات سے کرو جو قائم اور ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے، کیونکہ اللہ خود قائم ہے اور اپنے قیام میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں، اس لئے وہ ہم تم سب کو سنبھال لیتا ہے، پس اسی سے عشق کرو۔

اللہ کو نقد یاد کرو

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ کی یاد سے بھاگتے ہو تو ان کی روٹی بھی نہ کھاؤ، کیونکہ یہ روٹی ان ہی کے آفتاب نے پکائی ہے۔ کھیتوں میں اس روٹی کے دانہ کو آفتاب نے گرمی پہنچائی ہے، ان کے چاند نے اس دانہ کو ٹھنڈک پہنچائی ہے، ان کے پانی نے اس کو سیراب کیا ہے۔ اس ایک دانہ پر اتنے مراحل گذرے ہیں اور پوری کائنات اس کی خدمت میں لگی ہے، تب یہ روٹی آپ تک پہنچی ہے۔ وہ اللہ تو تمہیں نقد انعامات دے رہا ہے، پھر تم اس کی یاد کو کیوں ادھار کرتے ہو؟ کہ آج نہیں کل یاد کرلیں گے۔ پس اگر ان کی یاد کو ادھار کرتے ہو تو روٹی کو بھی ادھار کرو، اگر انہیں یاد نہیں کرتے تو تمہیں روٹی کھانے کا بھی حق نہیں ہے۔ اے شرفائے قوم! کیا شرافت کا تقاضا یہی ہے کہ منعم سے نعمتیں تو وصول کرتے رہو اور کبھی اس کا شکر ادا نہ کرو؟ جس کی نعمتیں کھاؤ کبھی اس کو یاد نہ کرو؟ شرافت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ تمہیں نقد انعامات دے رہا ہے تو اس کو نقد یاد کرو اور تمہارا ذرہ ذرہ اس کے شکر میں ڈوب جائے۔

خود پر اللہ کے احکام کو غالب رکھنے کا انعام

ارشاد فرمایا کہ جو اپنے پر اللہ کے احکام کو غالب رکھے گا، اللہ اس کو غالب رکھے گا اور اس کے عیش کو بھی غالب رکھے گا اور جو اللہ کے احکام کو پورا کرنے میں نرم ہو جائے گا تو مغلوب ہوتا جائے گا اور اس کا عیش بھی روز بروز زوال پذیر ہوتا جائے گا۔

فانی خوئے نشیمن سازی کی اصلاح کا غیبی انتظام

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۷۲ء قبل عشاء و بعد عشاء

بروز بدھ، مدرسہ روضۃ العلوم، کھنڈو گوٹھ، نارتھ ناظم آباد، کراچی

ارشاد فرمایا کہ گناہوں نے اپنا سہارا دکھا کر بے طرح بے سہارا کر دیا تھا

لیکن یوں کہئے کہ اللہ کی رحمت نے اس حالت میں بھی نہ چھوڑا اور اپنی آغوش میں لے لیا۔ گناہ بے سہارا کر دیتا ہے اور دل سہارا تلاش کرتا ہے، جب اس کو جائز سہارا نہیں ملتا تو ناجائز سہاروں کی طرف بڑھتا ہے، حالانکہ جائز سہارے سے محرومی کی حکمت یہ نہ تھی کہ ناجائز سہاروں کو تلاش کرے، بلکہ حکمت یہ تھی کہ فانی سہاروں سے صرفِ نظر کر لے اور سمجھ لے کہ اللہ میاں جس کو جائز سہارا نہیں دیتے، اس کی خوئے نشیمن سازی کی اصلاح کرتے ہیں، کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر اس کو جائز سہارا دے دوں گا تو یہ ہر شاخِ فانی کو اپنا نشیمن بنا لے گا اور شاخِ فنا کا ہو کر محروم رہ جائے گا۔

سالک گم گشتہ کا علاج اور اس کی مثال طائرِ گم گشتہ سے

ارشاد فرمایا کہ جس چڑیا نے اپنا نشیمن گم کر دیا ہو اور باوجود تلاش کے نہ مل رہا ہو تو ایسے طائرِ آشیاں گم گشتہ کو چاہیے کہ آبادی کو چھوڑ دے اور ویرانے کو اپنا نشیمن بنا لے اور تنہائی کی وحشت کو جھیل لے ورنہ کوئی معدہ اس کو دبوچ لے گا اور وہ کسی کا لقمہ بن جائے گی۔ اسی طرح جو سالک اللہ کے راستے کو بھول گیا ہو، تو اس کو چاہیے کہ تعلقاتِ غیر اللہ کی رونقوں کو چھوڑ دے اور ان تعلقات کو چھوڑنے کی تکلیف برداشت کر لے، دل تو ویران معلوم ہوگا لیکن دل کو نسبت مع اللہ کا ایسا خزانہ ملے گا کہ دل کی ویرانی پر شکر کرے گا، اگر ایسا نہ کیا تو نفس اس کو تباہ کر دے گا۔

خدا اور غیرِ خدا کو تلاش کرنے والی دو قومیں

ارشاد فرمایا کہ ایک قوم ہے کہ زمین پر اپنے اللہ کو تلاش کر رہی ہے اور اللہ زمین پر ان کو اپنے قرب سے مشرف فرما رہے ہیں اور ایک قوم ہے کہ جو چاند پر جا کر بھی پتھروں کو ڈھونڈ رہی ہے اور مادّی چیزوں کو طلب کر رہی ہے اور چاند پر جا کر بھی اللہ سے دور ہے۔ چونکہ ان کی عقلوں پر ہی پتھر پڑ گئے ہیں، اسی لئے چاند پر بھی پتھر تلاش کر رہے ہیں، اپنی اپنی قسمت اور اپنا اپنا حوصلہ ہے۔

(پھر حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ شعر پڑھا) ؎

میں نے پیا ہے چند دن اپنے جگر کا خوں
اپنے جگر میں ان کو بھی میں دیکھ رہا ہوں

انمول باتیں

احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ آپ میرِ سادہ ہیں یا میرِ رنگین؟ پھر فرمایا کہ اب آپ کا حجاب ہم سے اٹھ گیا، ورنہ اطلاعِ احوال کے بعد آپ پر خجلت طاری تھی مگر میری شوخئ طبع نے آپ کو سنبھال لیا اور آپ کو پھر سے شگفتہ کر دیا۔ آپ کی شگفتگی پھر سے کلی بن رہی تھی اور اپنی پنکھڑیوں کے اوراق کو سمیٹنے لگی تھی۔ (احقر اس جملہ کی بلاغت پر تڑپ گیا، عرض کیا کہ ایسا جملہ آج تک نہ سنا تھا۔ جامع) نہایت درد سے فرمایا کہ یہ ہماری باتیں نہیں ہیں، یہ باتیں کسی اور کی ہیں، پھر فرمایا کہ ؎

اس غمزدہ جگر پہ کوئی خاص نظر ہے

(پھر احقر اجازت لے کر کمر دبانے لگا تو پسلی سے چٹخنے کی آواز نکلی تو فوراً یہ شعر فرمایا) ؎

سو رہی تھیں وہ خوابِ کلفت میں
پسلیوں کو جگا دیا تُو نے

(واپسی میں مدرسہ سے گھر آتے ہوئے یہ شعر فرمایا جو اسی وقت وارد ہوا تھا۔ جامع) ؎

اس غمزدہ جگر پہ کسی کی نظر بھی ہے
شب ہائے غم پہ سایۂ لطفِ سحر بھی ہے

اگر دل غمزدہ ہے تو اس پر اللہ کی نظر بھی تو خاص ہوتی ہے۔ جس طرح رات کی تاریکیوں کو سحر اپنے سایۂ لطف میں لئے رہتی ہے، جس سے رات کی گھڑیاں کٹ جاتی ہیں، اسی طرح غم زدہ دلوں کے ایام اللہ تعالیٰ کے قرب کے سائے میں رہتے ہیں، جن کے سہارے ایامِ غم کٹ جاتے ہیں۔

۲۶/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۰/مئی ۱۹۷۲ء بروز بدھ
مدرسہ روضۃ العلوم، کھنڈو گوٹھ، نارتھ ناظم آباد، کراچی

اِک غمزدہ جگر پہ کسی کی نظر بھی ہے
شب ہائے غم پہ سایۂ لطفِ سحر بھی ہے

کی تشریح میں فرمایا کہ ہمارے غموم کو ان کی رحمت اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، ہمارے غم بھی ان کے سایۂ رحمت میں ہیں تو پھر کیا غم ہے، پھر ایک شعر پڑھا جو حضرت والا دامت برکاتہم ہی کا ہے ؎

عشق کی نامراد وادی میں
اپنے غم سے نباہ کرتا ہوں

دل کے عیش و آرام کو باقی رکھنے کا طریقہ

۱۳/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۷۲ء، بروز جمعرات

ارشاد فرمایا کہ میرا دل ہر وقت اللہ کے قرب کے گھونسلہ میں رہنا چاہتا ہے۔ گوشۂ عافیت وراحت کا عادی مشقت ومحنت سے بے زار ہو چکا ہے۔ یہ خود مشقت میں نہیں پڑنا چاہتا اور اپنے عیش میں ذرہ برابر کمی اس کو گوارا نہیں۔ اپنے آرام کے لئے یہ اپنی تمام جسمانی رعیت کو مشقت میں ڈالتا ہے لیکن جسم کو حرام تقاضوں پر عمل کرکے خود بے چین ہونے کو تیار نہیں۔ آنکھوں کو حکم دیتا ہے کہ خبردار! فلاں جگہ نہ دیکھنا، ورنہ ہم بے چین ہو جائیں گے، کانوں کو حکم دیتا ہے کہ گانے نہ سننا، غیبت نہ سننا، زبان سے کہتا ہے کہ خبردار! سنبھل کے رہنا، کسی کی غیبت نہ ہو جائے، کیونکہ تمہاری ان حرکتوں سے ہم بے چین ہو جائیں گے، تم ہمارے تابع ہو، میں تمہارا حاکم ہوں، پس میرا کہنا تم سب کو ماننا پڑے گا۔ غرض اپنے عیش کے لئے کیا کیا کرتا ہے۔ ساری دنیا آنکھوں، کانوں اور ہاتھ پاؤں کے آرام کے لئے لڑتی ہے اور اولیاء اللہ دل کے آرام کے لئے لڑتے ہیں، جو اللہ کی محبت واطاعت سے نصیب ہوتا ہے۔

وجودِ باری تعالیٰ پر دلیل

ارشاد فرمایا کہ اگر چاند سورج کو کسی نے پیدا نہیں کیا، یہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں اور خود اپنے مالک ہیں تو ان کی کشتی کیوں ڈوب جاتی ہے؟ کون ہے جو خود اپنی کشتی کو ڈبونا چاہتا ہے؟ آخر کیا بات ہے کہ ابھی مشرق میں چمک رہے ہیں اور تھوڑی دیر بعد چمک دمک سب غائب اور غروب ہوئے جا رہے ہیں؟ رات کو ابھی ایک ستارہ مغرب میں ہوتا ہے، صبح دیکھو تو مشرق میں ہے، مارے مارے پھر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی کے حکم کے اشارے پر چل رہے ہیں، جدھر کو وہ کہہ دیتا ہے اُدھر ہی کو چلے جاتے ہیں۔ غرض یہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اپنے اس تغیر و تبدل کے ساتھ خود اپنی محکومیت پر غمازی کر رہے ہیں کہ ہم کسی کے محکوم ہیں، جہاں ہمارا حاکم چاہتا ہے ہمیں لے جاتا ہے اور وہ حاکم اللہ تعالیٰ ہے، جو ہمارا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے۔

جنت میں دیدارِ الٰہی بقدرِ معرفت حاصل ہوگا

۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰؍ اگست ۱۹۷۱ء، بعد مغرب

ارشاد فرمایا کہ اگر نگاہ کمزور ہو تو کسی محبوب کو دیکھنے کے لئے پہلے عینک کے شیشہ کو منور کرتے ہیں، پھر شیشہ کو گرد سے بچاتے ہیں تاکہ اس محبوب کے جمال کا صحیح مشاہدہ ہو سکے۔ اسی طرح قلب سے اگر حق تعالیٰ کی تجلیات کا صحیح مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے دل کے آئینہ کو ذکر سے منور کر لو اور ذکر سے قلب کو صاف و منور کرنے کے بعد ضروری ہے کہ اب اس آئینہ کو گناہوں کی گرد سے بچایا جائے، یعنی تقویٰ اختیار کرو، پھر قلب کو حق تعالیٰ کی تجلیات و جمال کا صحیح مشاہدہ ہوگا۔ اگر کوئی آئینہ کو تو صاف کرے لیکن گرد سے حفاظت نہ کرے تو آئینہ گندہ ہو جاتا ہے اور پھر اس شیشہ سے صحیح نظر نہیں آتا، چیزیں دھندلی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی

ذکر تو کرتا ہے لیکن گناہوں سے نہیں بچتا تو گویا وہ دل کے آئینہ کو گرد آلود کرتا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ و رسول میں اور اللہ کے دین میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی، یہ قصور اُن کے دل کا ہے، کیونکہ ان کے دل کا آئینہ گرد آلود ہو رہا ہے۔

تیسرے یہ کہ آئینۂ دل کو گناہوں کی گرد سے بچانے کے لئے کسی اللہ والے سے تعلق ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر گناہوں سے حفاظت ممکن نہیں۔ اور جس نے اس دنیا میں اپنے قلب کی آنکھوں سے اللہ کو نہ دیکھا، یعنی ذکر و طاعات و اجتناب عن المعاصی کا اہتمام نہ کیا، اس کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا وہ مشاہدہ نہ ہو سکے گا جنہوں نے ذکر و طاعات و اجتناب عن المعاصی کے اہتمام سے معرفت حاصل کی یعنی جتنی معرفت دنیا میں جس کو حاصل ہوگی، اسی کے بقدر آخرت میں اس کا حصہ ہوگا جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

((اِنَّ اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَّمَنْ يَّنْظُرُ اِلٰی جِنَانِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَنَعِيْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَسُرُرِهٖ مَسِيْرَةَ اَلْفِ سَنَةٍ وَّاَكْرَمُهُمْ عَلَى اللهِ مَنْ يَّنْظُرُ اِلٰی وَجْهِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً۔۔۔۔ الخ۔ رواہ احمد والترمذی))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ، ص۵۰۱)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت میں سب سے کم درجہ والا وہ ہوگا جو اپنے باغات کو اور اپنی بیویوں کو اور اپنی نعمتوں کو اور اپنے خدام کو اور اپنی خوشیوں یعنی جنت کی نعمتوں کو ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا اور آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اہلِ جنت میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا دیدار صبح و شام کریں گے، صبح شام سے مراد کثرتِ دیدار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو جتنی معرفت ہوگی، اسی کے بقدر اس کو تجلیات و جمال کا احاطہ ہوگا، لیکن ظاہر بات ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کو جو احاطہ حاصل ہوگا،

وہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہ ہوگا اور جو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوگا، وہ امتیوں کو حاصل نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بقدرِ معرفت وقرب ہر ایک کو تجلیات وجمالِ الٰہی کا مشاہدہ ہوگا، اور کافروں کی آنکھیں چونکہ بالکل اندھی ہیں اور انہیں نورِ معرفت کا ذرہ بھی حاصل نہیں، اس لئے وہ وہاں بالکل اندھے ہوں گے اور اپنے رب کو بالکل نہ دیکھ سکیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا بَلْ سکتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○﴾

(سورۃ المطففین: آیۃ ۱۴)

ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد یعنی کفر وشرک کا زنگ بیٹھ گیا ہے، یعنی ان کے دل کی آنکھیں بالکل اندھی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا:

﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ○﴾

(سورۃ المطففین: آیۃ ۱۵)

وہ اپنے رب کے دیدار سے حجاب میں ہوں گے یعنی محروم کر دیئے جائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾

(سورۃ بنی اسرآئیل: آیۃ ۷۲)

جو شخص اس دنیا میں ہدایت کے راستہ سے اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی جنت کے راستہ سے اندھا رہے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی محبوب ایک تخت بچھا دے اور بہت تھوڑی مدت کے لئے اس پر جلوہ گر ہو اور یہ اعلان کر دے کہ جس نے اس تھوڑی سی مدت میں مجھے نہ دیکھا پھر میں اس کو کبھی اپنا جمال نہ دِکھاؤں گا۔ پس اسی طرح اس دنیا میں حق تعالیٰ نے اپنی آیات ونشانیاں بکھیر دی ہیں اور ذرہ ذرہ کو اپنے وجود کی نشانی اور دلیل بنا دیا ہے۔ پس جس نے ان آیات اور نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور ایمان بالغیب لے آیا اس کو جنت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا اور جس نے اس دنیا میں اللہ کو نہ پہچانا اور اسلام قبول نہ کیا اس کی سزا میں

اللہ آخرت میں بھی اس کو اپنے کو نہ دِکھائے گا اور ہمیشہ کے لئے محروم کر دے گا اور اس کو کبھی عذاب سے نجات نہ ہوگی۔

اللہ کی محبت کے غم کی عظمت

۱۴/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۸/اپریل ۱۹۷۲ء، بروز جمعہ

ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ کی محبت کا غم مل گیا اس کو سارے جہان کا عیش مل گیا، یہی وہ غم ہے جس میں عیش بھرا ہوا ہے۔ اہلِ محبت کا غم عیش الیم بھی ہے اور جامِ جم بھی ہے یعنی اللہ کے راستہ کا عیش حاصل کرنے میں تھوڑا سا غم اور الم اٹھانا پڑتا ہے لیکن اس کے بدلہ میں قربِ حق کا بے مثل اور لافانی لذتوں کا جامِ جم عطا ہوتا ہے اور جو شخص یہ غم نہیں لینا چاہتا اس کو دنیا میں عیش بھی کبھی نہیں مل سکتا۔

مولیٰ کے عاشق

۱۵/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۹/اپریل ۱۹۷۲ء، بروز ہفتہ

ارشاد فرمایا کہ جو مولیٰ کے عاشق ہیں وہ لیلیٰ کے چَیلہ (لاٹھی) مارتے ہیں اور حسینوں کے قلوب کے نازک شیشوں پر امرِ الٰہی کا پتھر مار دیتے ہیں یعنی انہیں خاطر میں بھی نہیں لاتے اور ان کا دل رکھنے کے لئے اللہ کو ناراض نہیں کرتے اور اگر وہ حسین قریب آنا چاہیں تو ان کا دل توڑ دیتے ہیں لیکن اللہ کے قانون کو نہیں توڑتے۔

معیارِ محبت

۱۶/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۳۰/اپریل ۱۹۷۲ء، بروز اتوار

(فرقان صاحب، آزاد صاحب وغیرہ موجود تھے)

ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کسی کی محبت پر ایک ضخیم کتاب لکھ دیں کہ میں آپ کی محبت میں تڑپ رہا ہوں، آپ کے بغیر میری زندگی موت ہے، راتوں کی نیند حرام ہے، ہر وقت آپ کی یاد دل کو تڑپاتی رہتی ہے تو آپ کی یہ کتاب محض ایک قول ہوگا،

محبت کی دلیل تو آپ کا عمل ہوگا۔اگر واقعی آپ کا دل اس کی یاد میں تڑپ رہا ہے اور آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، راتوں کی تنہائیوں میں اٹھ کر آپ اس کو یاد کر رہے ہیں اور اس محبوب کے ہر حکم پر جان دینے کے لئے تیار ہیں تو آپ کتاب لکھیں یا نہ لکھیں، آپ کا شمار عاشقین کی فہرست میں ہوگا۔اور اگر کتاب کے صفحات تو اظہارِ محبت سے بھرے ہوئے ہیں لیکن عمل، محبت اور محبت کے تقاضوں سے خالی ہے تو کہا جائے گا کہ یہ شخص منافق ہے۔پس آج کل بہت سے مصنفین ہیں کہ دین پر ان کی بڑی بڑی تصنیفات ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں دین کا بڑا درد ہے اور اللہ و رسول سے بڑی محبت ہے لیکن ان کی یہ محبت کتابوں کے صفحات تک ہی محدود ہے۔ان کی زندگی دیکھئے تو عمل سے یکسر خالی ہے، نہ تہجد ہے، نہ چاشت ہے، نہ اوابین ہے، نہ اشراق ہے، بلکہ فرائض تک میں غفلت ہے، کبھی ان کی آنکھوں میں اللہ کی محبت میں کوئی آنسو آپ نہیں دیکھیں گے۔محض تصنیفات، لٹریچر اور انشا پردازی سے کیا ہوتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کتابیں تصنیف نہیں کی تھیں، انہوں نے تو اللہ و رسول پر جان قربان کر کے دکھائی تھی، ان کی محبت کا پیمانہ ان کا عمل تھا۔باغ کھجوروں سے لدے ہوئے ہیں اور کھجوریں پکنے کے قریب ہیں، سال بھر کی روزی کا دارو مدار ان ہی کھجوروں پر ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جہاد کا حکم فرما رہے ہیں۔ہم آپ ہوتے تو کافر ہو جاتے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان ایسا تھا کہ ساری دنیا پر لات مار کر چل دیتے ہیں، جہاد کی صفیں باندھ رہے ہیں اور اللہ و رسول کے ہر حکم پر جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں۔یہ تھے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن پر آج کے بہت سے لٹریچر والے اعتراض کرتے ہیں۔کل میدانِ قیامت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسوں کا گریبان پکڑ کر پوچھیں گے کہ کس منہ سے تُو نے میرے اصحاب پر اعتراض کئے تھے؟ تیری ناپاک زبان تو میرے اصحاب کا نام لینے کے بھی قابل نہیں تھی چہ جائیکہ

تیری ناپاک زبان میرے صحابہ پر سب وشتم کرتی تھی، تب پتا چلے گا۔

طالبِ دین کا مقام

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کفارِ قریش کے رئیسوں اور سرداروں کو تبلیغ فرمارہے تھے کہ ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہٗ آگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ دین کی بات پوچھی۔ اس وقت ان کے سوال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک سے کچھ ناگواری ظاہر ہوئی، کیونکہ آپ کو یہ حرص تھی کہ اگر اس وقت یہ سردارانِ قریش ایمان لے آئے تو ان کی وجہ سے اللہ کے دین کو بہت قوت پہنچے گی۔ اس وجہ سے آپ کچھ چیں بجبیں ہوئے لیکن اللہ کو یہ بات پسند نہیں آئی اور فرمایا:

﴿وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ۝ وَهُوَ يَخۡشٰى ۝ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ۝﴾

(سورۃ عبس: آیات ۸ تا ۱۰)

جو شخص ہماری محبت کا درد لے کر آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ہم سے ڈرتا بھی ہے، آپ اس سے روگردانی فرمارہے ہیں، صرف اس خیال سے کہ ان کو دین پہنچ جائے جو ہماری طلب نہیں رکھتے، حالانکہ ان کا نفع مظنون ہے لیکن یہ جو ہماری محبت لے کر دوڑتا ہوا آیا ہے اس کا نفع یقینی ہے، پھر آپ اس کی طرف توجہ کیوں نہیں فرماتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں اپنے عاشقوں کا کیا مقام ہے کہ صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہٗ نابینا ہیں، مفلس ہیں، بے نام ونشان ہیں لیکن اللہ کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے کہ اپنے نبی پر کس انداز سے عتاب فرمایا۔ ہم آپ ہوتے تو اس واقعہ سے اکڑ جاتے کہ ہماری وجہ سے اللہ نے اپنے نبی کو تنبیہ فرمائی لیکن حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم اس واقعہ کے بعد سے شرمندہ شرمندہ رہتے تھے، غلبۂ ادب ومحبت کی وجہ سے ان پر شرمندگی طاری ہوگئی۔

راہِ سلوک میں مجاہدہ کی اہمیت

ارشاد فرمایا کہ اللہ کا راستہ چین سے بیٹھنے سے طے نہیں ہوتا، بے چینی سے

طے ہوتا ہے۔ اگر گناہ کے تقاضے ختم ہوجائیں تو اللہ کے راستہ کی ترقی بھی رک جائے، ان تقاضوں ہی کی وجہ سے ترقی ہوتی ہے کہ گناہ تمہیں اپنی طرف کھینچیں اور تم پوری محنت سے ان سے اپنا دامن چھڑا کر اللہ کی طرف بھاگتے رہو۔ اسی جہاد اور کشمکش سے یہ راستہ طے ہوتا ہے اور پرِ پرواز میں قوت آتی ہے، چین سے بیٹھو گے تو پَر ہی بیکار ہوجائیں گے۔ جب چڑیا اُڑتی ہے تو اس کو کتنی مشکلیں پیش آتی ہیں، کہیں باز گھات میں ہے، کہیں شکاری نشانہ لگا رہا ہے، کہیں بلی داؤ لگائے بیٹھی ہے۔ ان خطروں کی وجہ سے اس چڑیا کی رفتارِ پرواز تیز تر ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ جہاں ذرا سا بھی خطرہ ہوتا ہے، وہاں سے فوراً اُڑ جاتی ہے۔ اسی طرح کوّا ہے کہ اگر کوئی جھوٹ موٹ زمین پر ہاتھ لے جا کر اس کی طرف مارنے کا اشارہ کرتا ہے تو وہ فوراً اُڑ جاتا ہے، یہ سوچ کر کہ ممکن ہے کہ زمین سے اس نے ڈھیلا اٹھایا ہو اور مجھے مار دے، محض اس گمان پر وہ اس جگہ سے اُڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی جہاں گناہ کا یقین نہیں محض گمان بھی ہو تو اس جگہ سے بھی فوراً بھاگ جاؤ۔ ہماری جانیں اللہ کے راستہ کا پرندہ ہیں، جو ہر وقت اللہ کی طرف اُڑ رہی ہیں اور گناہ مثل باز اور شکاری کے ہیں، پس تم گناہوں کے بازوں اور شکاریوں سے اپنے کو بچاتے ہوئے اللہ کی طرف اُڑتے رہو۔ ان خطروں کی وجہ سے ہی اللہ کی طرف تمہاری پرواز کی رفتار تیز ہوجائے گی، جب یہ خطرے پیش آئیں تو اَور تیز بھاگو کہ جلدی سے اپنے اللہ کے پاس پہنچ جاؤ، ایسا نہ ہو کہ کہیں راستہ ہی میں ہلاک ہوجاؤ۔ اگر گناہ کے تقاضے اور اسباب ہی نہ ہوں تو پھر کوئی کیوں اللہ کی طرف بھاگے گا؟ چین سے بیٹھ جائے گا اور راستہ رُک جائے گا۔ پس جدوجہد کا حق ادا کرو، گناہ سے بچنے میں کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے سب جھیل لو، اس میں سستی نہ چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط﴾

(سورۃ الحج: آیۃ ۷۸)

اللہ کے راستے میں مجاہدہ کرو جیسا کہ مجاہدہ کرنے کا حق ہے۔ دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی کس طرح جہاد میں گذری ہے، ایک جہاد سے واپس آ کر بستر کھلنے نہ پاتا تھا کہ دوسرے جہاد کی تیاری شروع ہو جاتی تھی، آپ کی پوری حیاتِ طیبہ اسی حالت میں گذر گئی، صرف وفات سے چند سال قبل کچھ اطمینان ہوا۔

چراغ تب روشن ہوتا ہے جب اس میں تیل بتّی بھی ہو۔ علمِ عظیم

(فرمایا کہ آج صبح جب میں ٹہلنے گیا تو واپسی میں راستہ میں اللہ نے ایک علم عطا فرمایا، جس وقت یہ علم عطا ہوا اس وقت میں چلتے چلتے رُک گیا اور تھوڑی دیر تک کھڑا رہا)

(احقر سے فرمایا کہ اس کو نوٹ کر لینا۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ ایک چراغ دوسرے چراغ کو اس وقت روشن کرتا ہے جب اس میں تیل بتّی بھی ہو، اگر تیل بتّی ہی نہ ہو گی تو چراغ کس چیز کو روشن کرے گا۔ اسی طرح شیخ کا کام یہ ہے کہ طالب کے دل میں اللہ کی محبت کا چراغ روشن کر دے لیکن یہ چراغ کب روشن ہو گا؟ جب طالب کے دل کے چراغ میں ذکر و معمولات کی تیل بتّی بھی ہو، یعنی شیخ کی خدمت میں حاضری سے پہلے پابندی سے ذکر و معمولات کا اہتمام رکھے۔ یہ ذکر و معمولات ہی وہ تیل بتّی ہے کہ جس کو لے کر جب وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گا تو شیخ کے قلب میں جو اللہ کی محبت کا چراغ روشن ہے، وہ طالب کے دل کے چراغ کو روشن کر دے گا۔

ذکر و معمولات سے قلب میں شیخ کا نور اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور جو شخص ذکر و معمولات کا اہتمام نہیں کرتا اور شیخ کی خدمت میں جاتا ہے، وہ ایسا ہے کہ جیسے کسی چراغ میں تیل بتّی نہ ہو تو وہ دوسرے چراغ کے پاس لا کھ بیٹھے لیکن روشن نہ ہو گا، اسی طرح شیخ کی صحبت ایسے شخص کو مفید نہ ہو گی جو ذکر و معمولات کی پابندی نہ کرتا ہو۔ ایسے ہی جو شخص ذکر و معمولات تو خوب کرتا ہے لیکن شیخ کی خدمت میں نہیں جاتا تو وہ ایسا ہے کہ گویا چراغ میں تیل بتّی تو موجود ہے لیکن دوسرے

چراغ کی لو سے اپنے آپ کو قریب نہ کرے تو وہ بھی ہرگز روشن نہ ہوگا۔ بس ایسا شخص جو صرف معمولات پر اکتفا کر لے اور شیخ کی صحبت میں نہ بیٹھے اس کے دل میں بھی اللہ کی محبت کا چراغ روشن نہ ہوگا۔

گناہ چھوڑے بغیر کوئی ولی اللہ نہیں بن سکتا

۱۸/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲/مئی ۱۹۷۲ء

مدرسہ روضۃ العلوم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ گناہ بھی کرتا رہے اور اللہ کا ولی بھی ہو جائے، وہ سخت دھوکہ میں ہے۔ ایسا شخص چاہے کتنا ہی بڑا پیر ہو جائے، لاکھوں اس کے مرید ہو جائیں، کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے لیکن اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

گناہ سے بچنے کا ایک مختصر اور جامع مراقبہ

ارشاد فرمایا کہ اگر اچانک کوئی حسین سامنے آجائے اور دل کہے کہ اسے دیکھ لو تو تم فوراً آسمان کی طرف دیکھو کہ اوپر سے اللہ بھی ہمیں دیکھ رہا ہے۔

اصل سرمایہ

ارشاد فرمایا کہ ہر روز اگر ۵ روپے بچاتے ہو تو کتنی خوشی ہوتی ہے کہ آج ہم نے ۵ روپے بچا لئے۔ پھر اگلے دن ۵ روپے اور جمع کرتے ہو تو کتنے خوش ہوتے ہو کہ آج دس جمع ہو گئے۔ پھر اگلے دن اور ۵ جمع کرتے ہو تو اور خوشی ہوتی ہے کہ آج پندرہ ہو گئے۔ اسی طرح جتنے روپے بڑھتے جاتے ہیں، خوشی بڑھتی جاتی ہے۔ اے میرے دوستو! اس فانی چیز کے جمع کرنے پر تو اتنے خوش ہوتے ہو، حالانکہ یہ روپیہ زمین کے اوپر ہی رہ جائے گا، قبر میں ساتھ نہیں جائے گا لیکن اللہ کا نام جمع کرنے میں کیوں خوش نہیں ہوتے کہ آج ہم نے سو دفعہ اللہ کا نام لیا، کل سو دفعہ

جب اَور نام لوں گا تو ۲۰۰ ہو جائے گا، تیسرے دن ۳۰۰ ہو جائے گا۔ اس طرح ساٹھ سال کی زندگی میں لاکھوں دفعہ اللہ کا نام لے لوگے، یہ اصل سرمایہ ہے جو ساتھ جائے گا۔ قبر کی تاریکی میں یہی نام نور بنے گا، میدانِ قیامت میں یہی نام سایۂ عرش دلائے گا، جنت میں اسی نام کی بدولت اللہ کا دیدار نصیب ہوگا، میدانِ محشر میں جب حق تعالیٰ اس نام کا میزان کریں گے تو فرمائیں گے کہ میرے بندے نے تو دنیا میں لاکھوں دفعہ میرا نام لیا ہے، میں اس پر دوزخ کو حرام کرتا ہوں۔ پس دوستو! سب سے بڑا سرمایہ تو یہی اللہ کا نام ہے، روپیہ کی فکر نہ کرو، اس نام کو جمع کرنے کی فکر کرو۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے سلوک کی ابتداء جبرئیل علیہ السلام کے انتہائی مقام سے ہوئی

۱۹/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۳/ مئی ۱۹۷۲ء، قبیل عشاء

مدرسہ روضۃ العلوم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

(مولانا عبدالخالق صاحب، آزاد صاحب اور

حافظ عبدالمجید صاحب کشمیری موجود تھے)

حضرت والا دامت برکاتہم نے شیخ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ غلام بھیک کا قصہ بیان فرمایا کہ شیخ کے ایک مرید نے شیخ کی دعوت کی تھی، اور شیخ کے گھر فاقہ تھا۔ شیخ کے مرید بھیک شاہ نے میزبان سے کہا کہ شیخ کو تو کھلا رہے ہو اور شیخ کے گھر میں فاقہ ہے۔ بھیک شاہ وہاں سے شیخ کے گھر والوں کے لئے کھانا لے کر رات کو ۱۶ میل کے فاصلہ پر آئے، پھر ۱۶ میل واپس گئے اور تہجد میں شیخ کی خدمت کی۔ شیخ کا میزبان کے گھر چند دن قیام تھا، بھیک شاہ روزانہ اسی طرح کھانا لاتے اور واپس جا کر تہجد میں شیخ کی خدمت کیا کرتے۔ جب شیخ گھر واپس ہوئے اور یہ قصہ معلوم ہوا

تو انہوں نے شاہ غلام بھیک کو سینہ سے لگالیا اور فرمایا کہ جو کچھ میرے سینہ میں تھا، آج تجھے سب دے دیا۔ شیخ کا سینہ سے لگانا تھا کہ شاہ غلام بھیک کی روح بھی اسی مقام پر فائز ہوگئی، جس پر شیخ کی روح تھی۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ سینہ سے لگانے سے ایسا کیوں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ کی عطا ہے، ایسا ہوتا آیا ہے۔ غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سینہ سے لگایا تھا۔ آپ نبوت سے پہلے غارِ حرا کے اندر عبادت کیا کرتے تھے، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سینہ سے لگا کر تین بار دبایا تو آپ کی روحِ مبارک اس مقام پر فائز ہوگئی جو سید الانبیاء کے لئے خاص تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلوک کی ابتداء مقامِ جبرئیل سے ہوتی ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ولایت کا جو انتہائی مقام تھا، وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی الف ب شروع ہوئی، اس کے بعد ۲۳ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مزید ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ تیرہ برس کے بعد معراج میں وہ مقام بھی آیا کہ جب آپ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اب اگر میں سرِ مو بھی آگے بڑھوں گا تو میرے پَر حق تعالیٰ کی تجلیات کا تحمل نہ کر سکیں گے اور جل جائیں گے لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہی تجلیات میں آگے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان صرف دو کمان کا فاصلہ رہ گیا، لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ ... کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ تَعَالٰی کَقَابَ قَوْسَیْنِ (کنز العمال: رقم ۳۲۱۰۸) اتنے قریب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گفتگو فرمائی۔

محبت کا جواب محبت ہے

آج عصر کے وقت جب احقر حاضر ہوا تو فرمایا کہ آج لیموں کا شربت نہیں لائے؟ حضرت والا دامت برکاتہم کی طبیعت ناساز تھی تو بطور دوا استعمال فرما

رہے تھے۔احقر نے عرض کیا کہ میں نے مظہر میاں سے کہا تھا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت نے منع فرمادیا ہے کہ آج نہ بنانا۔پھر احقر نے عرض کیا کہ ابھی لائے دیتا ہوں تو فرمایا کہ آپ میرے پاس بیٹھئے ،تمہارا یہاں بیٹھنا مجھے اس دوا سے زیادہ عزیز ہے، دوامیں کسی اَور سے منگوالوں گا۔پھر فرمایا کہ اس سے اندازہ لگاؤ کہ جب ایک بندے اور غلام میں یہ جذبہ ہوسکتا ہے کہ اپنے چاہنے والے کو اپنے سے الگ کرنا نہیں چاہتا اور چاہتا ہے کہ جو مجھ سے تعلق خاص رکھتا ہے، وہ میرے پاس رہے، اور جس سے تعلق کم ہوتا ہے اس کو اپنے سے دور کر کے کام سپرد کر دیا جاتا ہے تو جو شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کو چاہے گا اور اس کو تڑپ اور بے چینی کے ساتھ یاد کرے گا تو اللہ بھی اس کو اپنے پاس سے نہیں بھگائے گا۔جب انہوں نے اپنے غلاموں میں یہ رحمت رکھ دی کہ وہ محبت کا جواب محبت سے دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو سرچشمۂ رحمت ہیں، مرکزِ محبت ہیں، وہ اپنے بندوں کی محبت کو ٹھکراتے نہیں ، بلکہ ان کو اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں، کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اس بندے کو ہمارے بغیر چین نہیں ملتا تو ہمیں بھی یہ اچھا لگتا ہے کہ ہمارا یہ بندہ بھی ہمارے پاس بیٹھا رہے، ہم سے دور نہ ہو۔اس لئے اس کو صرف اپنے لئے منتخب فرمالیتے ہیں اور اسے سارے جہان کے کاموں سے بیکار کر دیتے ہیں اور دوسروں کو اس کے کام میں لگا دیتے ہیں، جو اس کے دنیاوی کام انجام دیتے ہیں اور یہ اپنے اللہ کے پاس رہتا ہے۔ ہر وقت ایک کیفیتِ حضوری اس کی جان کو نصیب ہوتی ہے اور یہ ساری دنیا سے بے نیاز اُن کے کاروبارِ محبت میں مشغول رہتا ہے۔اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند

از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

ترجمہ: جان لو کہ جس کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کو سارے جہان کے کاموں سے بے کار کر دیتے ہیں اور ہر وقت اپنے پاس رکھتے ہیں۔

اسلام میں سادگی کی تلقین اور اس کی وجہ

۱۶/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳/اپریل ۱۹۷۲ء بروز اتوار

(فرقان صاحب، آزاد صاحب، احقر اور بعض احباب موجود تھے)

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

((اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب اللباس؛ ص۳۷۵)

یعنی سادگی ایمان کا حصہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت، محب کو محبوب کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہیں ہونے دیتی اور صرف محبوب کو دیکھنے میں مصروف رکھتی ہے۔ اس وجہ سے عاشق اپنی زینت و آرائش سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور سادگی پر مجبور ہوجاتا ہے، اس کی نظر صرف محبوب کے خدوخال پر مرکوز ہوتی ہے۔ پس حق تعالیٰ کے عاشقین ہر دم حق تعالیٰ کے جلووں میں مستغرق رہتے ہیں۔ آسمان کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ آسمان میرے رب نے تخلیق فرمایا ہے، یہ آفتاب میرے اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، یہ چاند میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماں کے رحم میں میرے ہاتھوں پر یہ لکیریں میرے اللہ نے کھینچی ہیں۔ پس یہ لوگ ہر وقت اپنے اللہ کے ساتھ ایسے مشغول ہیں کہ اپنے جسم کی زیب و زینت کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور سادگی ان کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حکم میں کہ اپنے بالوں میں ایک دن چھوڑ کر کنگھی کیا کرو، اس میں بھی سادگی ہی کی تلقین ہے۔ روزانہ کنگھی کرنا آپ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اگر روزانہ کنگھی کروگے تو اللہ کو کیسے یاد کروگے؟ تم دنیا میں زیب وآرائش کے لئے نہیں بھیجے گئے، بلکہ اللہ کو یاد کرنے کیلئے بھیجے گئے ہو۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت دیکھو کہ آپ اپنے غلاموں کو کنگھی کا حکم بھی

فرمارہے ہیں، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر میں یہ حکم نہ دوں گا تو میری امت میں ایسے ایسے عاشقین ہوں گے، جو اللہ کی محبت میں بالکل دیوانے ہوجائیں گے، بقدرِ ضرورت آرائش پر بھی مطلق التفات نہ کریں گے، جس کو دیکھ کر دنیا ہنسے گی۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ میرے غلاموں پر دنیا کے لوگ ہنسیں اور ان کی بے عزتی کریں، لہٰذا آپ نے معمولی اور بقدرِ ضرورت زینت کا حکم دے دیا۔

نفس کو مٹانے کا طریقہ اور اس کی برکات ولذات

ارشاد فرمایا کہ ایک مجذوب نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ سے ملنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ:

((دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ))

(تفسیر روح البیان: (دار الفکر،بیروت)، ج ۱ ص ۱۹)

ارشاد ہوا کہ نفس کو چھوڑ دو اور میرے پاس چلے آؤ۔ اللہ اور بندے کے درمیان نفس دیوار ہے، اس دیوار کو گرادو، اللہ تعالیٰ نظر آجائیں گے، یعنی دل کی بصیرت اللہ کو دیکھ لے گی اور اللہ کی معیتِ خاصّہ نصیب ہوجائے گی۔ نفس دریائے قرب کے کنارے کی دیوار ہے، پس اگر کوئی پیاسا دریائے قرب سے پانی پینا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اس دیوار کو گرادے اور یہ دیوار ایک دن میں نہیں گرتی، رفتہ رفتہ گرتی ہے۔ آج اگر تم نے ایک گناہ چھوڑ دیا تو گویا تم نے اس دیوار کی ایک اینٹ گرادی، کل دوسرا گناہ چھوڑ دیا تو گویا دوسری اینٹ گرادی، اس طرح ہر روز یہ دیوار پست ہورہی ہے اور آپ پانی سے قریب ہورہے ہیں۔ نفس کا ہر بلاک دریائے قرب میں گر رہا ہے اور اس گرنے سے پانی سے ایک آواز نکلتی ہے، یہ دریائے قرب کی آواز کی بازگشت ہے، جو روح پر وجد لاتی ہے۔ یعنی ہر گناہ کے چھوڑنے پر اللہ کا قرب بڑھتا رہتا ہے اور روح اس قرب سے مست ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ جس دن یہ دیوار پوری گرجائے گی، دریائے قرب تمہیں اپنی آغوش میں

لے لے گا اور تم ماہیٔ قعرِ دریائے جلال اور ماہیٔ بحرِ پاکِ کبریا ہو جاؤ گے۔ یعنی جیسا تعلق مچھلی کو پانی کے ساتھ ہوتا ہے کہ ایک لمحہ کے لئے وہ پانی سے علیحدہ نہیں ہوسکتی ایسا ہی تمہاری جان کو اللہ سے تعلق ہو جائے گا کہ اللہ کے بغیر تمہیں چین ہی نہیں آئے گا، ایک پَل کے لئے بھی تم اللہ سے غافل نہ ہوسکو گے اور ہر وقت دریائے قرب میں غوطہ زن رہو گے۔

اہل اللہ کی جانیں دریائے قرب کی مچھلیاں ہیں، انہیں ہر وقت حضوری نصیب ہوتی ہے۔ دنیاوی انتظام کے لئے کبھی دریائے قرب سے سر نکال کر کچھ احکام نافذ کر دیتے ہیں کہ مثلاً آج گوشت پکا لینا یا فلاں کام کر لینا، اتنا کہا اور پھر دریا میں غوطہ لگا لیتے ہیں، یعنی وہ کبھی اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ جس وقت وہ اپنی بیوی بچوں سے باتیں کرتے ہیں اس وقت بھی دریائے قرب کے حلقہ میں ہوتے ہیں، جس وقت وہ کھانا کھاتے ہیں اس وقت بھی دریائے قرب میں ہوتے ہیں، حتیٰ کہ جب بازار میں چلتے پھرتے ہیں اس وقت بھی باخدا ہوتے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ایک عمر مجاہدات وریاضات اور خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت کے بعد اللہ والوں کو غلبۂ حضورِ حق اور انتہائے قربِ ولایت نصیب ہوجاتا ہے کہ کسی وقت اللہ سے دوری و غفلت نہیں ہوتی اور ان کی جان کو ایسا عیش نصیب ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

اہل اللہ کا قلب مطلعِ آفتابِ قرب ہے

ارشاد فرمایا کہ میرا دن اس آفتابِ سماوی سے روشن نہیں ہے، میرا دن تو اے اللہ! آپ کے آفتابِ قرب سے روشن ہے، اگر آپ کا آفتابِ قرب میرے مطلعِ قلب پر طلوع ہو رہا ہے تو یہ زمین و آسمان میرے ہیں، یہ دن میرا دن ہے، یہ آفتاب میرا آفتاب ہے اور اے اللہ! اگر آپ کا آفتابِ قرب میرے ساتھ نہیں ہے تو

یہ آفتاب میرا آفتاب نہیں ہے، یہ آسمان میرا آسمان نہیں ہے، یہ دن میرا دن نہیں ہے، جس دن میں آپ کا آفتابِ قرب نہ ہو وہ دن میرے لئے تاریک ہے۔

حق تعالیٰ کی بے انتہا شانِ کرم

ارشاد فرمایا کہ جو کریم ایسا کریم ہو کہ اس کے سامنے دشمن اس کے کرم کا انکار کر رہے ہوں کہ آپ کچھ نہیں ہیں، ہم آپ کو کچھ نہیں سمجھتے اور وہ کریم ان دشمنوں کو بھی نعمتیں کھلا رہا ہو تو کیا وہ کریم اس شخص کو محروم رکھے گا جو اس کے کرم کا اقرار کر رہا ہو اور ہر نعمت پر سراپا شکر بن کر کہہ رہا ہو کہ اے کریم! یہ نعمت آپ ہی کی عطا ہے، آپ نہ دیتے تو مجھے کہاں سے ملتی، بلکہ جو غلام ایسا ہو کہ اگر آقا لقمہ دے تو سراپا شکر بن جائے اور ہاتھ سے چھین لے تو بھی راضی برضا اور خوش رہے، غرض اپنے مالک کی ہر آن اور ہر شان پر خوش رہے، تو کیا وہ کریم اپنے ایسے عاشق کو محروم رکھے گا؟

پس اگر وہ اللہ اپنے دشمنوں کو نعمتیں دیتا ہے تو اگر اس اللہ سے یہ مانگو گے کہ اے اللہ! میں آپ سے صدارت کا سوال نہیں کرتا، وزارت کا سوال نہیں کرتا، مال و دولت، جاہ و حشم کا سوال نہیں کرتا، میں تو آپ سے آپ کو مانگتا ہوں، تو کیا وہ اللہ تمہاری اس درخواست کو رَد کر دے گا؟ جبکہ وہ ہماری ہدایت کا ایسا حریص ہے جس کے لئے اپنے انبیاء کا خون بہنا گوارا کر لیا، طائف کے بازار میں اور اُحد کے میدان میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خون بہنا گوارا کر لیا۔ بندوں کی ہدایت کے لئے بغیر ان کے مانگے اپنے انبیاء کا خون اللہ نے سستا کر دیا، تو اگر یہی ہدایت اس سے مانگی جائے گی تو کیا اللہ نہ دے گا؟ اس کا کرم اپنی آغوش میں لے لے گا، وہ دیکھتا ہے کہ میرے بندے نے ہر نعمت سے صرفِ نظر کر لیا ہے، اور اس کا مطمعِ نظر اور مطمحِ نظر (خواہش اور مقصود) صرف میں ہوں، اس کی امیدوں کا مرکز صرف میری ذات ہے، میں اس کو کیسے محروم کر سکتا ہوں، ارے! اس کی رحمت میں کوئی کمی نہیں، مانگ کر تو دیکھو۔

اہلِ عشق ومحبت کے لئے سلامتی کا ایک ہی راستہ

۲۱؍ربیع الاول ۱۳۹۲؁ھ مطابق ۵؍مئی ۱۹۷۲؁ء، بعد عشاء، بروز جمعہ

(احقر، حافظ عبدالمجید صاحب اور بعض احباب حاضرِ خدمت تھے)

ارشاد فرمایا کہ عاشقین کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ہر وقت دریائے قرب میں غرق رہیں اور ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مست رہیں، ورنہ اگر دریا سے سر نکال کر ذرا باہر کا نظارہ کیا اور مجاز کی طرف نظر کی تو شیطان خشکی میں لے جائے گا، یعنی گناہ میں ملوث کردے گا۔ مچھلی کو اگر پانی سے باہر نکال لو تو اس کی جان سوکھنے لگتی ہے اور قریب الموت ہوجاتی ہے، اگر پھر دوبارہ پانی میں نہ جاسکے تو موت واقع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر شیطان دریائے قرب سے نکال کر گناہ کی خشکی میں اتنی دور لے گیا کہ پھر دریائے قرب میں لوٹنے کی توفیق نہ ہوئی تو ایمانی موت واقع ہوجائے گی۔ اس لئے گناہوں پر جرأت نہ کرو، ممکن ہے کہ پھر توبہ کی توفیق ہی نہ ہو اور ہمیشہ کے لئے اللہ سے دوری ہوجائے۔

گناہ کے ماضی ومستقبل کا طویل اضطراب

ارشاد فرمایا کہ گناہ کا آگا بھی بھاری ہوتا ہے اور پیچھا بھی بھاری ہوتا ہے یعنی گناہ کرنے سے پہلے کا زمانہ اپنے اندر ہزار اضطراب، بے چینی اور حسرت رکھتا ہے اور گناہ کے بعد آنے والے زمانے میں بھی اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے اور محبوبِ مجازی کی یاد، دل کو معذب رکھتی ہے اور مزید گناہ کرنے کی ہوس زندگی کو دوزخ بنادیتی ہے۔ پس گناہ کا ماضی اور مستقبل دونوں خراب اور طویل ہوتے ہیں صرف حال کی چند منٹ کی لذت ہوتی ہے۔ اب خود فیصلہ کرلو کہ حال کی چند منٹ کی لذت اور ماضی اور مستقبل کی طویل پریشانی اچھی ہے یا گناہ سے بچ کر مولیٰ سے دل لگانا اچھا ہے۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عاشقانہ

۲۲؍ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۶؍مئی ۱۹۷۲ء، بروز ہفتہ

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ بہت بڑے عالم تھے لیکن اپنے کو ایسا مٹایا تھا کہ ان کے شیخ یعنی حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولوی عبد الغنی نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا ہے کہ دیکھنے سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ دو حرف بھی جانتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہل جوت کر آرہے ہیں۔ میرے شیخ جید عالم تھے لیکن درحقیقت نہ عالم تھے، نہ مدرس تھے، نہ مہتمم تھے، نہ محدث تھے، نہ سید تھے، نہ پٹھان تھے، وہ صرف اللہ کے عاشق تھے۔ ان کا سارا انتظام و کاروبار یہی عشق تھا اور یہی ان کا امتیاز تھا، انہوں نے اپنی ہر چیز کو فنا کر دیا تھا۔ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس ذاتِ پاک کے عاشق ہیں جو نگاہوں سے اوجھل ہے، لیکن یہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ایسی عبادت کرتے تھے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہے ہیں، قرآنِ پاک ایسی دردناک آواز سے پڑھتے تھے کہ جیسے بانسری بج رہی ہو۔ ایک بار پھولپور کی مسجد میں حضرت تلاوت فرما رہے تھے، ہندوؤں کی بارات جا رہی تھی، سارے ہندو باراتی رُک گئے کہ کیسی پیاری آواز آرہی ہے۔ جب حضرت مسجد جاتے تو میں دُور بیٹھ جاتا تھا، تاکہ حضرت کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔ ایک مرتبہ پھولپور کی مسجد میں مَیں تھا اور حضرت تلاوت فرما رہے تھے، بس حضرت نے قرآن شریف پڑھتے پڑھتے یہ مصرع پڑھا ؎

آ جا مری آنکھوں میں، سما جا مرے دل میں

ایسا عاشق تھا میرا شیخ! اس وقت مسجد میں حضرت کے سوا کوئی نہ تھا، میرا شیخ اکیلا تھا، یہ باتیں اللہ سے ہو رہی تھیں۔

ایک مرتبہ کانپور میں چمن گنج کی مسجد میں حضرت دعا فرما رہے تھے، دعا کے

آخر میں مَیں نے سنا کہ حضرت یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی
کیا مری فریاد خالی جائے گی

پھر احقر سے فرمایا کہ اپنے خاندان والوں سے کہہ دو جو آپ پر لعن طعن کرتے ہیں ؎

کہاں تک ضبطِ بے تابی ، کہاں تک پاسِ بدنامی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

اور فرمایا کہ ان سے کہہ دو میں کہاں تک اللہ کی محبت پر ضبط کروں، کہاں تک بدنامی سے ڈروں، اے خاندان والو! اے اہلِ دنیا! کہاں تک تمہارے اس طنز و بدنامی کا پاس کروں کہ دیکھو یہ مُلّا ہوا جا رہا ہے۔ بس اب تم کلیجہ تھام لو کہ میں اللہ کی محبت میں رونے والا ہوں، میرے گریہ وزاری وفریاد سے اے اہلِ دنیا! تمہارے بھی کلیجے منہ کو آ جائیں گے اور تمہاری جانیں بھی اللہ کی محبت سے گھائل ہو جائیں گی۔

اللہ والوں کا شباب کبھی نہیں ڈھلتا

ارشاد فرمایا کہ جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں گذر جائے اور جس کو صحیح راہبر مل جائے، بس اس کا نہ پوچھو۔ اس کی روح پر ہمیشہ عالمِ شباب طاری رہتا ہے، چاہے اسّی سال کا ہو جائے، مست جوانی میں اس کا جنازہ نکلتا ہے، اس کی روح کا جوبن کبھی نہیں ڈھلتا۔

نہ لو نامِ الفت جو خودداریاں ہیں

۲۲ ؍ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۶ ؍ مئی ۱۹۷۲ء، بروز ہفتہ

ارشاد فرمایا کہ شیخ سے اپنے نفس کی عزت جھڑوا لو تو رب العزت مل جائے گا۔ یہ راستہ بالکل الٹا ہے، یہاں اسی کو عزت ملتی ہے جس کی عزت اُتاری جاتی ہے۔ (یعنی اس کے رذائل کی اصلاح کے لئے شیخ کبھی ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے۔ جامع)

عاشقِ مجاز کے لئے مسلسل غمِ فراق مفید ہے

۱۷/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق یکم مئی ۱۹۷۲ء بروز پیر بعد عشاء

ارشاد فرمایا کہ عاشقینِ مجاز کے لئے مجاز کا مسلسل غمِ فراق اور حقیقت کی مسلسل لذتِ وصال مفید ہے۔

مالی معاملات میں کوتاہی پر محبت بھری تنبیہ

حضرت والا دامت برکاتہم نے ایک صاحب کو ایک معاملہ میں بیعانہ دیا تھا لیکن وہ کام میں سستی کر رہے تھے اور مسلسل وعدہ خلافی کر رہے تھے، حضرت نے ان کو یادداشت کے لئے خط لکھا اور یہ شعر فی البدیہہ تحریر فرمایا۔

کب تک کروں میں آسرا وعدوں پہ آپ کے
ہر وعدہ آپ کا ہوا نامعتبر یہاں

آزاد اور گرفتار کون ہے؟

۲۶/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۰/مئی ۱۹۷۲ء، بین الظہر والعصر
مدرسہ روضۃ العلوم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

آج احقر حضرت والا کے سر پر مالش کر رہا تھا کہ آزاد صاحب آگئے تو حضرت نے فرمایا کہ اللہ کی محبت کا گرفتار سارے جہان سے آزاد ہوتا ہے اور ان کی محبت سے آزاد سارے جہان کا گرفتار ہوتا ہے۔

مجاز کی حقارت اور حقیقت کی عظمت

ارشاد فرمایا کہ مجاز کی اصلیت صرف گُو مُوت ہے، اور یہ شعر فرمایا۔

عشق ہائے گُو سے جس نے گُو بداماں کر لیا
گلستاں نے اس کو محرومِ گلستاں کر دیا

یہ اَمرد پرستی اور عشقِ مجازی کا نتیجہ ہے، اور عشقِ حقیقی کا کیا انعام ہے ؎

عشق ہائے گل سے جو دل گل بداماں ہوگیا
اس کا دل رشکِ چمن رشکِ گلستاں ہوگیا

نفس کی خواہشات کا خون بہانے والے بھی شہداء کے زمرہ میں ہوں گے

(قبیلِ مغرب)

ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی محبت میں اپنی بری خواہشات کی گردنوں پر تلواریں مار رہے ہیں، امید ہے وہ بھی شہید ہوں گے۔ کافروں سے قتل ہونے والے تو شہید ہوں اور اپنے اندر دل کا خون کرنے والا شہید نہ ہو؟ کافروں سے جہاد میں تو ایک دفعہ ہی تلوار لگتی ہے اور نفس کے ساتھ جہاد میں بندہ ہر سانس شہید ہو رہا ہے، لاکھوں تلواریں ہر سانس میں لگ رہی ہیں۔ گردن تو سالم ہے لیکن دل کے اندر جو خون بہہ رہا ہے، اس کی سوائے خدا کے کسی کو خبر نہیں۔ میرا شعر ہے ؎

ترے حکم کی تیغ سے میں ہوں بسمل
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

اصل دولت

ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ہمارا کوئی نہیں ہے، نہ بیوی، نہ بچے، نہ مکان، نہ دوست احباب، حتیٰ کہ یہ جسم بھی ہمارا نہیں ہے، یہ بھی ایک دن گل سڑ جاتا ہے۔ بس دنیا میں صرف اللہ ہمارا ہے۔ پس اگر اس کی رحمت کی نگاہ ہم پر پڑ رہی ہے اور اس کا قرب نصیب ہے اور اس کو راضی کرنے والے اعمال کی توفیق ہو رہی ہے تو ہم دنیا میں نواب بے ملک ہیں، یعنی اگر ملک نہ بھی ہو تو بھی ہمیں بادشاہت حاصل ہے، اور اگر

اس کی نگاہ ہم پر رحمت کی نہیں پڑ رہی تو اگر نواب بھی ہیں تو قلاش ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ حسنِ خاتمہ عطا فرمادیں، اگر دم نکلتے ہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی زیارتیں شروع ہوگئیں تو سمجھ لو کہ کام بن گیا، پھر دل بھی نہیں گھبرائے گا۔

مصیبت کی پریشانی اور گناہوں کی پریشانی کا فرق

۲۳؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۸؍اپریل ۱۹۷۲ء، ساڑھے دس بجے شب

ارشاد فرمایا کہ دنیا کی مصیبت کی پریشانی اور گناہوں کی پریشانی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دنیاوی مصیبت کی پریشانی میں صبر پر اللہ کی معیت بھی ساتھ ہوتی ہے اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۵۷)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں اور رحمت ہے۔ لیکن گناہ کی پریشانی میں نہ اللہ کی معیت ہوتی ہے، نہ رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، بس غم ہی غم اور بے چینی ہی بے چینی ہوتی ہے، اللہ پناہ میں رکھے۔

تبسم کب صدقہ ہے اور کب حرام ہے

۱۷؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۲؍اپریل ۱۹۷۲ء

بروز اتوار، بوقت ساڑھے گیارہ بجے صبح

ارشاد فرمایا کہ یہی تبسم صدقہ ہے اور یہی تبسم حرام ہے۔ بوقتِ ملاقات کسی مسلمان کو دیکھ کر آپ مسکرا دیئے تو اس تبسم کی قیمت یہ ہے کہ گویا آپ نے مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، اس کے برعکس کسی حسین پر نظر پڑ گئی اور سوچا کہ شہوت سے نظر کرنا تو حرام ہے، لہٰذا نگاہ کو تو بچا لیا لیکن نگاہ نیچی کئے ہوئے آپ اس سے بات کر رہے ہیں اور ہونٹوں پر تبسم ہے، تو یہ تبسم حرام ہے، اور اس وقت وہ ہونٹ

حرام میں مبتلا ہو رہے ہیں، کیونکہ یہ موقع تبسم کا نہیں ہے، اس موقع پر مسکرانا دلیل ہے کہ نفس اندر اندر خفیہ طور پر لذت کشی کر رہا ہے۔

دردِ دل سے جو نصیحت کی جائے، وہ ضرور اثر کرتی ہے

(آزاد صاحب سے منقول ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم نے اتوار ۱۷/صفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۷۲ء کو بوقتِ صبح یہ ملفوظ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ عشرت کو بتا دینا تا کہ وہ لکھ لے۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ درد والی بات زبان پر کیسے آتی ہے؟ پہلے دل میں درد اٹھتا ہے، پھر وہ درد اس کے الفاظ میں آجاتا ہے۔ پس جس کے دل میں درد نہیں ہوتا، اس کی بات میں بھی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے دل میں درد پیدا کرو، پھر تمہاری تقریر میں درد خود ہی آجائے گا۔

سوتے وقت کی دعا کا عاشقانہ ترجمہ

بعد عشاء

((اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب ما یقول اذا اصبح، ج ۲ ص ۹۳۶)

اس دعا کا یہ عاشقانہ ترجمہ فرمایا کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کے نام پر مرتے ہیں اور آپ ہی کے نام پر زندہ ہوں گے (صبح کو)۔

اللہ والی محبت کے انعامات

۱۵/صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳۱/مارچ ۱۹۷۲ء، قبیل العشاء یوم الجمعہ

(احقر، احقر کا چھوٹا بھائی سید قاسم جمیل اور کچھ احباب حاضر تھے۔)

ارشاد فرمایا کہ حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی اللہ والے سے صرف میرے لئے محبت کرے گا، میرے علاوہ کوئی اور غرض اس کی

محبت سے اس کی نہ ہو، تو میں اس بندے کے لئے اپنی محبت کو واجب کر دیتا ہوں۔ صرف محبت کرنے پر یہ انعام ہے جو قلب کا عمل ہے، خواہ ایسے شخص کے ظاہری اعمال زیادہ نہ ہوں۔ یہ شخص بظاہر نہ تہجد پڑھ رہا ہے، نہ ذکر کر رہا ہے لیکن آزمائش کرلو کہ اس کا تعلق مع اللہ ان ہزاروں آدمیوں سے کہیں زیادہ قوی ہوگا جو ہزار تہجد و ذکر و وظیفہ کرتے ہیں لیکن جن کا تعلق کسی اللہ والے سے نہیں۔ اہل اللہ سے تعلق کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ ایسے شخص کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ خاتمہ بالایمان کے لئے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے کہ کسی اللہ والے کی محبت کو جان میں بٹھالے اور اس سے دل لگالے، لیکن یہ محبت صرف اللہ کے لئے ہو۔ اس محبت کو اور اخلاص کو حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ سے مانگو کہ اے اللہ! کسی اللہ والے کی محبت کا اعلیٰ معیار میرے دل کو نصیب فرمادے اور اخلاص بھی عطا فرمادے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو تین چیزوں پر مداومت کرلے اس کا خاتمہ ان شاء اللہ ایمان پر ہوگا:

(۱) ایمانِ حاصل پر شکر۔

(۲) اس دعا کا اہتمام: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ○ (سورۃ اٰل عمرٰن: آیۃ ۸)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار، آپ ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے، بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت دے چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمتِ (خاصّہ) عطا فرمایئے، بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

(۳) کسی اللہ والے سے محبت۔ اس کی شرعی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَّا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ (صحیح البخاری: (قدیمی)؛ ج ۱ ص ۸) جو کسی بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور شیخ سے محبت خالص اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے اِنَّ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَّا تَخْرُجُ

مِنْهُ اَبَدًا (مرقاۃ: (رشیدیہ) ج ۱ ص ۱۴۱) یعنی جب حلاوتِ ایمانی قلب میں داخل ہوتی ہے تو پھر کبھی نہیں نکلتی، لہٰذا جب حلاوتِ ایمانی قلب میں ہوگی تو خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

انعامِ مجاہدہ پر ایک شعر

۱۰؍ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۵؍اپریل ۱۹۷۲ء بعد ظہر، مدرسہ روضۃ العلوم

ارشاد فرمایا کہ

ہم نے پیا ہے چند دن اپنے جگر کا خوں
سارے جہاں کا عیش ہمارے جگر میں ہے

پھر فرمایا کہ اَلْمُرَادُ بِهِ الْمُجَاهَدَاتُ وَالرِّيَاضَاتُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔

انعامِ مجاہدہ پر ایک اَور شعر

۱۱؍ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۶؍اپریل ۱۹۷۲ء بعد عشاء

ارشاد فرمایا کہ

میں نے پیا ہے چند دن اپنے جگر کا خوں
اپنے جگر میں ان کو بھی میں دیکھ رہا ہوں

فرمایا کہ یہ شعر خود ایک دیوان ہے۔ اس ایک شعر کو پڑھ کر اوراقِ دیوان الٹنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے مصرع میں اللہ کے راستے کے مجاہدات کا ذکر ہے اور دوسرے میں ثمرِ مجاہدات کا۔ خواہشاتِ نفسانیہ کا چند دن خون کرلو، یعنی ان کے تقاضوں پر عمل نہ کرو۔ اس کے لئے کسی اللہ والے سے تعلق کرو اور اس سے مشورہ کیا کرو، پھر اس دل میں اللہ آجائے گا، دل کی بصیرت اللہ کو دیکھ لے گی اور تم جان لوگے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔

(مدرسہ روضۃ العلوم سے واپسی کے وقت فرمایا کہ) یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا، دل چاہتا ہے کہ کھانا کھا کر یہیں سو رہیں، پھر مزاحاً فرمایا۔

تابِ جانا نہیں رکھتا ہے یہ جانا میرا

ایک رات دس بجے کے قریب فرمایا۔

درد اُس کا، دل ہمارا چاہیے

یعنی انسان ہی نے امانتِ الٰہیہ کا بار اٹھایا، کوئی اور مخلوق اس درد کی متحمل نہیں ہوسکی۔

قلب محملِ الٰہی کب ہوتا ہے؟

۵/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۷۲ء چار بجے شام

احقر حضرت والا مدظلہ کے سرِ مبارک میں مالش کر رہا تھا کہ اچانک یہ شعر وارد ہوا۔

میری مشکل آپ پر مشکل نہیں

تیرے بن یہ دل مرا محمل نہیں

پھر فرمایا کہ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ نفس وشیطان میرے راستہ میں حائل ہیں، یہ دونوں میرے قلب کو گناہوں سے گندہ کر دیتے ہیں اور آپ گندے قلب میں آتے نہیں۔ پس ان کو راستہ سے ہٹانا میرے لئے مشکل ہے لیکن آپ کے لئے مشکل نہیں۔ جو دل گندہ ہے اور آپ جس دل میں نہیں، وہ آپ کا محمل نہیں ہے۔

عشاقِ حق کے لئے نعمتیں حجاب نہیں

۲۴/محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۰/مارچ ۱۹۷۲ء بروز ہفتہ بعد ظہر

ارشاد فرمایا کہ نعمتیں عاشقینِ نامراد کے لئے حجاب نہیں ہیں کیونکہ۔

نعمتوں کو جب ان کی کھاتے ہیں

یاد کچھ اور سوا آتے ہیں

جب اللہ کی نعمتیں کھاتے ہیں تو اور زیادہ شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ کا غم اس حجاب کو چاک کر دیتا ہے اور توازن کو خراب نہیں ہونے دیتا کہ نعمتوں میں مشغول ہو کر منعم سے غافل ہوجائیں۔ ان نعمتوں کو کھا کر وہ اپنی طاقتِ آہ کو بڑھاتے ہیں اور

اگر وہ ان نعمتوں کو نہ کھائیں تو ضعف اتنا بڑھ جائے کہ وہ آہ بھی نہ کر سکیں، تو یہ لوگ آہ کرنے کے لئے نعمتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ پس جس کے لئے نعمت اِنابت الی اللہ کا سبب ہو وہ اس کے لئے حجاب کیسے ہو سکتی ہے؟ ہاں وہ لوگ جن کے لئے نعمتوں سے آہ کے بجائے طاقتِ باہ بڑھ جاوے، اور گناہ کے تقاضے شدید ہونے لگیں تو ایسے لوگوں کے لئے نعمتوں میں زیادہ اشتغال مضر ہے۔

....

۱۴؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۹؍مارچ ۱۹۷۲ء سوا گیارہ بجے صبح

ارشاد فرمایا کہ

اپنی عشرت پہ خاک ڈالوں گا
اس طرح میں انہیں منالوں گا

عشرت پہ خاک ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عشرت میں جان ڈالوں گا۔

....

ارشاد فرمایا کہ

غم کے سر پر خاک مَلنا چاہیے
عیش و عشرت کے لئے عشرت سے ملنا چاہیے

پھر فرمایا کہ عشرت سے مراد میرے دل کی عشرت ہے۔

....

۲۴؍رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۵؍ستمبر ۱۹۷۱ء بروز بدھ بین الظہر والعصر

ارشاد فرمایا کہ

فکر ہے مجھ کو نہ کوئی کام ہے
عیش ہے عشرت ہے مے کا جام ہے

مے سے مراد مئے محبتِ الٰہیہ ہے۔

جینے کا سہارا

۲۰/محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۶/مارچ ۱۹۷۲ء وقت قبیل عشاء

ارشاد فرمایا کہ

میرے جینے کا سہارا چاہیے
ذکر ہر دم بس تمہارا چاہیے
در تمہارا سر ہمارا چاہیے

جسم کی ذلت، ذلت نہیں

۲۷/رجب المرجب ۱۳۹۱ء مطابق ۱۸/ستمبر ۱۹۷۱ء بروز ہفتہ بعد ظہر

ارشاد فرمایا کہ جسم کی ذلت کوئی ذلت نہیں ہے۔ جسم تو ایک لباس ہے، اس کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو تو روح ذلیل نہیں ہوسکتی، بلکہ تاجِ شہادت پہن کر اللہ کے پاس جائے گی۔ طائف میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ مبارک پر پتھر برسائے جارہے تھے لیکن جانِ پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت بھی سید الانبیاء کے مقام پر فائز تھی۔

بندوں سے حق تعالیٰ کی محبت کی عجیب دلیل

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے کس کس عنوان سے سمجھایا ہے، یہاں تک کہ دوزخیوں کی گفتگو بھی قرآنِ پاک میں نقل فرمادی کہ جنتی دوزخیوں سے پوچھیں گے:

﴿مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ○﴾

(سورۃ المدثر: آیۃ ۴۲)

تم کو کس بات نے دوزخ میں داخل کیا؟ دوزخی جواب دیں گے:

﴿لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ○ وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ○ وَ کُنَّا ... الخ﴾

(سورۃ المدثر: آیات ۴۳ تا ۴۷)

ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔حق تعالیٰ یہ گفتگو کیوں نقل فرمارہے ہیں؟ مارے محبت کے کہ ہمارے بندے دوزخ کے خوف سے گناہوں سے باز آجائیں۔جس طرح ایک شفیق باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اے بیٹے! یہ جرم نہ کر،نہیں تو تُو جیل میں چلا جائے گا، پھر وہاں ڈنڈے پڑیں گے،خوب پٹائی ہوگی۔ باپ یہ نقشہ محبت کی وجہ سے کھینچتا ہے، اس سے حق تعالیٰ کی محبت کا اندازہ لگاؤ کہ انہیں اپنے بندوں سے کتنی محبت ہے۔اسی طرح باپ کہتا ہے کہ اے بیٹے! اگر تُو دھوپ کی گرمی میں پھرے گا اور پنکھے کے نیچے نہیں بیٹھے گا اور ٹھنڈا پانی نہیں پیئے گا تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا۔اگر لائق بیٹا ہوگا تو اس عنوان کو سن کر اللہ کے سامنے سجدے میں گر جائے گا کہ میری راحت کی باپ کو کتنی فکر ہے اور مجھ پر کتنی شفقت ہے! اسی طرح حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم نیکی کے راستہ پر نہیں چلو گے اور جنت حاصل نہیں کروگے تو میں تمہیں دردناک عذاب دوں گا۔پس حق تعالیٰ کی اس محبت پر قربان ہوجاؤ کہ جنت دلانے کے لئے قرآنِ پاک میں عذاب سے ڈرایا۔

ہمارا جسم، روح کی خدمت کے لئے ہے

ارشاد فرمایا کہ روح تمہارے جسم کی محتاج نہیں ہے بلکہ جسم تمہاری روح کا محتاج ہے۔اسی لئے جب روح اللہ کے پاس جائے گی تو جسم کو اُتار کر پھینک جائے گی ؎

روح عریاں را تجلی زیور است

یہ ہے روح کا لباس۔اعضائے جسم کی غذا اور سجاوٹ گویا نوکروں کی غذا اور سجاوٹ ہے (یعنی نوکر کو کھلانا اور سجانا ہے) اور جسم کی مالک روح کی غذا اور سجاوٹ اللہ کی یاد یعنی فرماں برداری ہے۔ہم لوگوں کا کیا حال ہے کہ نوکروں کو تو گھی مکھن کھلا کر تگڑا کر رہے ہیں اور اللہ کو بھلا کر سیٹھ اور مالک کو فاقہ زدہ کر رکھا ہے۔حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ جسم کو تگڑا کر کے اس سے کام لیتے، عبادت کراتے اور گناہوں سے بچاتے۔

بندوں سے حسنِ ظن کی نصیحت

ارشاد فرمایا کہ بیٹے کی غلطی پر کوئی دوسرا تاویل کرے تو باپ تاویل کرنے والے سے خوش ہوتا ہے اور مقرب بنالیتا ہے، بیٹے کو چاہے سزا دے لیکن اس شخص سے خوش ہوجائے گا:

((اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہِ))

(مشکوٰۃ المصابیح :(قدیمی)؛باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق؛ص ۴۲۵)

تمام مخلوق اللہ کی عیال یعنی کنبہ ہے، پس اس سے اچھا گمان رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور بدگمانی کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔

روح کی بقاء کا غیبی انتظام

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو عام کردیا جسم کی بقاء کے لئے اور اپنی یاد کو عام کردیا روح کی بقاء کے لئے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لیٹے ہوئے بغیر وضو بھی ہمارا نام لے سکتے ہو، ہمیں یاد کرسکتے ہو، اسی میں تمہاری روح کی بقاء ہے۔سالک کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق ہونا چاہیے ؎

دم رُکا سمجھو جو دم بھر کو بھی یہ ساغر رُکا
میرا دورِ زندگی ہے یہ جو دورِ جام ہے

مومن کے قلب کا چین ذکر اللہ کے دریائے قرب میں ہے

ارشاد فرمایا کہ پانی میں مچھلی کا پہلا قدم اس کو چین بخشتا ہے اور خشکی کی طرف مچھلی کا پہلا قدم اس کو بے چین کردیتا ہے ؎

گرچہ در خشکی ہزاراں رنگ ہاست
ماہیاں را با یبوست جنگ ہاست

خشکی میں جہاں ہزاروں رنگینیاں ہیں لیکن خشکی سے مچھلیوں کا اعلانِ جنگ ہے۔

مچھلیوں سے اگر کوئی کہے کہ خشکی میں پاکولا، کباب، بریانی اور قورمہ اور بہت سی لذتیں ہیں، ذرا چل کر ان کے مزے لو، تو مچھلیاں کیا کہیں گی کہ خشکی میں تو ہماری موت ہے، یہ رنگینیاں تمہیں مبارک ہوں، ہمیں تو اِن سے نفرت ہے۔ اسی طرح مومن اللہ کے ذکر کے دریائے قرب میں غرق رہتا ہے، اسی میں اس کی جان چین پاتی ہے۔ اگر نفس وشیطان اس سے کہیں کہ اس دریائے قرب سے تھوڑی دیر کے لئے باہر آ کر دیکھو، بڑی پیاری شکلیں ہیں، حسین لڑکیاں ہیں، شراب و کباب ہے تو مومن ان کی دعوت پر لات مار دے گا اور کہے گا کہ جہاں تم لے جانا چاہتے ہو وہاں تو میری موت ہے۔ یہاں جو مجھے سکون ہے وہ تم چھیننا چاہتے ہو، میں اللہ کو ناراض نہیں کرسکتا، ان کی ناراضگی میری موت ہے۔ کلمہ پڑھنے والے کی زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے۔ اگر ان کو ناراض کیا تو اس آقا اور مالک کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ جب چاہے عذاب دے۔ نافرمان اگر پاکولا اور کباب کھا رہا ہے، حسینوں سے دل بہلا رہا ہے، تو یہ مالک کی طرف سے ڈھیل ہے۔ جیسے روہو مچھلی کے لئے کانٹے میں چارہ لگا کر شکاری دریا میں ڈال دیتا ہے، وہ مزے میں چارہ لے کر بھاگتی ہے کہ آج تو بڑا مال مل گیا۔ تھوڑی دیر بعد شکاری ڈور کھینچ لیتا ہے اور اس کا شکار کر لیتا ہے۔ اسی طرح نافرمانوں کو ڈھیل ملی ہوئی ہے، ان کی ڈور آسمان پر اللہ کے ہاتھ میں ہے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ○ (سورۃ الفجر: آیۃ ۱۴) تمہارا رب تمہاری گھات میں ہے، ایک دن ڈور کھینچ لے گا تو پتا چل جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ۔۔۔ الخ کی عاشقانہ شرح

۳؍شوال المکرم ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۲۳؍ستمبر ۱۹۷۱؁ء بروز ہفتہ بعد ظہر

((اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّكَ بِیْ عَالِمٌ وَّلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّكَ عَلَیَّ قَادِرٌ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، باب الدعاء، ج ۲ ص ۲۹۷، رقم الحدیث ۵۱۲۳)

ارشاد فرمایا کہ یہ دعا گنہگاروں کے لئے ایسی ہے کہ رات بھر سجدہ میں پڑا ہوا

مانگتا رہے کہ اے اللہ! مجھے رسوانہ کیجئے کہ آپ میرے تمام احوال اور تمام گناہوں سے پوری طرح واقف ہیں، اور مجھے عذاب نہ دیجئے کہ آپ مجھ پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ کسی بچہ سے اگر باپ کی کوئی نافرمانی ہوجائے جس سے باپ اس سے سخت ناراض ہو، قریب ہو کہ اس کو سزا دے لیکن بچہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ ابّا! آپ مجھے سزا نہ دیجئے، کیونکہ میں آپ کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا، میں تو کمزور ہوں، آپ طاقتور ہیں اور مجھ پر پوری طرح قادر ہیں، آپ مجھے ماریں گے تو میں آپ کی سزا سے بچ نہیں سکوں گا، تو باپ کا دل پگھل جائے گا کہ یہ تو میری طاقت کا اور اپنے ضعف کا اقرار کر رہا ہے، اس کو کیا سزا دوں! جب اس عنوان سے باپ کی رحمت جوش کر سکتی ہے تو اللہ کی رحمت کس قدر جوش میں آئے گی! اسی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عنوانِ دعا ہمیں سکھایا۔

ایک شعر کی الہامی تشریح

۳۰/جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳/اگست ۱۹۷۱ء بروز اتوار

''حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی'' کی تشریح فرمائی کہ جو روحیں حق تعالیٰ کے قربِ خاص اور مقامِ حضوری سے مشرف ہیں، وہ انتظام و کارہائے دنیویہ سے نادان و بے نیاز ہوکر پروانہ وار حق تعالیٰ پر نثار ہورہی ہیں۔ ان کی یہ نادانی دلیل ہے کہ انہوں نے حضوری کا مزہ چکھ لیا ہے، جس طرح شمع کا قرب اور حضوری پروانوں کو اپنی جانوں سے بے پرواہ کردیتا ہے اور اس انتہائے قرب کی لذت کے آگے جانوں کو قربان کردینے کے سوا انہیں کچھ نظر نہیں آتا، اسی طرح عاشقین کی ارواح بھی لذتِ قربِ حق سے اپنی جانوں سے بے پرواہ ہوجاتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو بظاہر دیندار اور صالح بھی ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق اور ان کا ذوق دیوانگی و جاں نثاری کی حد تک نہیں پہنچا، اور انتظام و

کارہائے دنیویہ حق تعالیٰ کی تجلیاتِ قرب کے سامنے بے حقیقت نظر نہیں آتے، تو یہ دلیل ہے کہ ان کی جان حضوری سے مشرف نہیں۔ ان کو نورِ شمع تو نصیب ہے کہ نور بہت دور تک جاتا ہے لیکن حضورِ شمع سے ان کی جانیں محروم ہیں۔ حضورِ شمع سے مراد انتہائے قربِ ولایت اور غلبۂ حضورِ حق ہے۔ پروانہ جب شمع کے قریب جاتا ہے تو جان کو جلانے کے سوا اور شمع پر نثار ہوجانے کے علاوہ اس کی عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ اس مقام پر وہ اپنی جان اور ساری کائنات سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

دنیا کے قفس کی رنگینیوں کا علاج چمنِ آخرت کا تذکرہ ہے

۱۳ر رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۵ر ستمبر ۱۹۷۱ء بروز اتوار

ارشاد فرمایا کہ صیاد پنجرے کی تیلیوں کو اور دانوں کو رنگین کر دیتا ہے، تاکہ چڑیا قفس سے مانوس ہوکر اپنے چمن کو بھول جائے اور قفس ہی سے دل لگا بیٹھے۔ پس جو چڑیا قفس کی رنگینیوں سے مانوس ہو رہی ہو تو اس فریب خوردۂ قفس کو چاہیے کہ وہ ایسی چڑیوں کے پاس رہے جو ذکرِ گلستاں کرتی رہتی ہیں اور قفس کی رنگینیوں کے فریب سے آگاہ کرتی رہتی ہیں اور قفس کا پردیس ہونا اور گلستاں کا وطن ہونا ظاہر کرتی رہتی ہیں۔ پس اس آگاہِ چمن کے تذکرۂ چمن سے ان چڑیوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں جو قفس کی رنگینیوں پر فدا ہو رہی تھیں اور چمن کی یاد ان کے دلوں کو تڑپا دیتی ہے اور وہ بزبانِ حال کہتی ہیں ؎

لگ چکا تھا دل قفس میں پھر پریشاں کر دیا
ہم صفیرو تم نے کیوں ذکرِ گلستاں کر دیا

اسی طرح نفس اور شیطان دنیا اور دنیا کی لذتوں کو رنگین اور مزیّن کر دیتے ہیں، تاکہ اس پردیس کی رنگینیوں سے فریب کھا کر مومن اپنے وطنِ اصلی کو بھول جائے۔ پس وہ لوگ جو اس قفسِ دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں پر فریفتہ ہو رہے ہیں، ان کو چاہیے کہ

وہ کسی اللہ والے کے پاس جا پڑیں جو چمنِ آخرت کا تذکرہ کرتا رہتا ہو اور دنیا کا پردیس ہونا اور یہاں کی لذتوں کا فانی ہونا، آخرت کا وطنِ اصلی ہونا، وہاں کی نعمتوں اور لذتوں کا باقی ہونا ظاہر کرتا ہو۔ پس وطن کے تذکروں سے دنیا کی رنگینیاں نگاہوں میں ہیچ ہوجاتی ہیں اور دل دنیا سے اچاٹ ہوجاتا ہے اور آخرت کا وطن یاد آجاتا ہے۔

اچھے اور برے اعمال سے جنت اور جہنم کے آثار دنیا ہی سے شروع ہوجاتے ہیں

۱۵؍رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۷؍ستمبر ۱۹۷۱ء بروز منگل

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں جو یہ دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ وَّاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ))

(سنن ابن ماجة: (قدیمی)؛ کتاب الدعاء؛ باب الجوامع من الدعاء؛ص ۲۷۳)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں جنت کا اور قول و عمل میں سے اس چیز کا جو جنت سے قریب کردے اور میں پناہ چاہتا ہوں دوزخ سے اور قول و عمل میں سے اس چیز سے جو دوزخ سے قریب کردے۔ اس دعا سے ایک مضمون اللہ نے یہ دل میں ڈالا کہ اعمالِ صالحہ، ذکر و تلاوت، اجتناب عن المعاصی وغیرہ کیونکہ مُقَرِّبُ اِلَی الْجَنَّةِ ہیں یعنی جنت سے قریب کرنے والے ہیں اور ان اعمالِ صالحہ سے بندہ اللہ کے علم میں جنت سے قریب ہوجاتا ہے، اس لئے اس قرب کا عکس دنیا ہی میں دل پر پڑنے لگتا ہے، اس لئے جنت کے آثار اور وہاں کا عیش و آرام اور بہاریں دنیا ہی میں دل کو نصیب ہونے لگتی ہیں، اور اعمالِ سیئہ کیونکہ مُقَرِّبُ اِلَی النَّارِ ہیں یعنی بُرے اعمال دوزخ سے قریب کرنے والے ہیں، اس لئے آگ کے قرب کا عکس دنیا ہی میں دل پر پڑنے لگتا ہے اور جہنم کے آثارِ اضطراب اور بے چینیاں دنیا ہی میں دل محسوس کرنے لگتا ہے۔

منصب وخلافت کے متعلق ایک سبق آموز نصیحت

ارشاد فرمایا کہ سلوک میں قدم رکھنے کے بعد جاہ ومنصب وخلافت کی تمنا کرنا اللہ کے راستہ کا سب سے بڑا حجاب ہے۔ ایسا شخص کبھی اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتے ہیں کہ یہ بندہ جو ذکر وتلاوت کر رہا ہے اس کا مقصود ہم نہیں ہیں، بلکہ خلافت ہے۔ اس شخص میں اخلاص تو ہے ہی نہیں، یہ مجھے نہیں چاہ رہا، یہ تو اپنے نفس کو چاہ رہا ہے، پس ایسے شخص کو اپنی ولایت سے محروم رکھتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ پیر ہونے کے بعد کیا مل جاتا ہے؟ یہی نا کہ چند غلام مل جاتے ہیں، کوئی ہاتھ دبا رہا ہے، کوئی پاؤں دبا رہا ہے تو اس میں کیا کمال ہوا؟ یہی تو ہوا کہ ایک غلام کو چند غلام مل گئے، ایک بھک منگے کو چند بھک منگے مل جانا اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ ایک غلام کو اس کا آقا اور مالک مل جائے اور آقا اس غلام سے راضی ہو جائے۔ بندے کی نظر صرف اپنے مولیٰ پر ہونی چاہیے، اگر اللہ مل گیا تو دونوں عالم مل گئے اور اس کے علاوہ ساری چیزیں بے حقیقت ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر
بہ کہ شاہ زندگاں جائے دگر

بلکہ یوں کہنا چاہیے ؎

بہ کہ شاہ مردگاں جائے دگر

اے اللہ! آپ کے سامنے مردہ، گمنام اور بے نام ونشان پڑا رہنا چند مردہ ہونے والی لاشوں پر حکومت وشاہی کرنے سے اچھا ہے۔ اصل شعر میں تو زندگاں ہے، لیکن یہ مردہ ہونے والے ہیں کہ نہیں؟ اگر ایک لاکھ آدمی کسی کو حضرت حضرت کہہ رہے ہیں اور اس کے ہاتھ چوم رہے ہیں لیکن اگر اس کا اللہ اس سے راضی نہیں ہے تو کیا یہ ہاتھ چومنے والے مرنے کے بعد کام آئیں گے؟ بس اللہ کے علاوہ سب چیزیں باطل ہیں، باطل چیزوں کی کیا تمنا کرتے ہو، اللہ سے اللہ کو مانگو ؎

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلب گار تیرا

یہ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔بس سالک کا مذاق یہی ہونا چاہیے اور اللہ سے بصدِ عاجزی اخلاص کی دعا کیا کرو کہ اے اللہ! اگر میرے دل کی گہرائیوں میں بھی اخلاص کے منافی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے اور آپ کے علاوہ کچھ بت بھی میرے دل میں چھپے ہوئے ہیں تو آپ اپنے فضل سے میرے دل کو پاک فرما دیجئے۔ رفتہ رفتہ یہ بیماریاں ذکر کی برکت سے دل سے نکلتی جاتی ہیں، جیسے جیسے اللہ کا نور دل میں آتا جاتا ہے، دنیا اور دنیا کی چیزیں بے حقیقت ہوتی جاتی ہیں، کیونکہ جاہ وغیرہ میں اسی وقت تک مزہ آرہا ہے جب تک اللہ تعالیٰ دل میں نہیں آئے، جب وہ آجائیں گے تو ان چیزوں کی خود ہی کوئی حقیقت نہیں رہے گی، ہاں دعا کا خاص التزام رکھے، اخلاص مانگتا رہے، گڑگڑاتا رہے۔(پھر احقر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ) آپ کو اس دعا کا اہتمام بہت ضروری ہے، کیونکہ آپ کی ظاہری شکل پیروں کی سی ہے، کوئی شاہ صاحب کہتا ہے تو کوئی مولانا۔ پس اوپر جو دعا مذکور ہوئی اس کا خاص اہتمام چاہیے۔

مرید سے شیخ کی محبت نعمتِ عظمیٰ ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے حیات دل، حسام الدیں، بسے
میل می جوشد بقسم سادسے

ترجمہ: حسام الدین، ضیاء الدین، دونوں نام مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ لیتے تھے، فرمایا کہ اے حسام الدین! مجھے مثنوی کے چھٹے دفتر کو لکھنے کا میلان اور جوش پیدا ہو رہا ہے، مضامین دوبارہ سے چھلک رہے ہیں، لہٰذا جلدی سے نوٹ کرنا شروع کردو ؎

اے حسام الدیں، ضیائے ذوالجلال

اے حسام الدین، تم اللہ کی روشنی ہو، پیر مرید کو کہہ رہا ہے۔ اللہ نے ان کو مرید بھی کیسے دیئے، کبھی شاگرد ایسا مل جاتا ہے جس پر استاد ناز کرتا ہے، سبحان اللہ!؎

اے حسام الدیں، ضیائے ذوالجلال
میل می جوشد مرا سوئے مقال

فرماتے ہیں اے حسام الدین! تم اللہ کی روشنی ہو، اب مجھے دوبارہ بولنے کا میلان ہورہا ہے، اب میں دوبارہ گفتگو کررہا ہوں، مثنوی کو لکھوانے والا ہوں۔ کیا نصیبہ تھا حسام الدین کا کہ ان کا پیر اور اتنا بڑا اللہ والا ان کو اپنے دل کی حیات کہہ رہا ہے۔ حسام الدین پر کیا گذری ہوگی جب مولانا رومی نے ان کو اس طرح مخاطب کیا ہوگا، ان کو زمین پر ہی جنت کا مزہ آ گیا ہوگا۔

مولانا نے مثنوی حضرت حسام الدین کی ہی فرمائش پر کہی تھی۔ ایک دن مولانا نے مثنوی کے چند شعر کہہ دیئے، مولانا حسام الدین نے ان کو پڑھا تو وجد آ گیا، کیونکہ ان کی روح پیاسی تھی اور اللہ کے لئے بے قرار تھی۔ ان اشعار نے گویا زخم پر مرہم کا کام کیا تو اپنے پیر سے عرض کیا کہ حضرت! آپ یہ مثنوی اَور کہیئے۔ ان کی فرمائش پر ہی شروع کی، کیونکہ پینے والا موجود تھا، جب بچہ ہوتا ہے تو ماں کی چھاتی میں دودھ جوش مارتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

این سخن شیر ست در پستان جان
بے کشندہ خوش نمی گردد روان

علم وسخن جان کے پستانوں میں دودھ کی طرح ہے، اگر پینے والا نہ ہو تو جاری نہیں ہوتا۔ مولانا رومی نے ان کو حیاتِ دل اس لئے کہا کہ یہ مجھ سے محبت کرتا ہے، میری اتباع کرے گا، میری آگ کو اپنے سینے میں منتقل کرے گا اور میرے علوم کی حفاظت کرے گا، جو میرے لئے صدقہ جاریہ ہوگا اور میرے مرنے کے بعد قیامت تک میری روح کو ثواب پہنچتا رہے گا، اس لئے یہ حیاتِ دل ہے۔ لیکن ہر مرید کو حیاتِ دل

نہیں کہا، یہ اپنا اپنا نصیب ہے، اللہ کے فضل کی بات ہے، قسمت کی بات ہے۔

حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی

۲۶/رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷/ستمبر ۱۹۷۱ء بروز جمعۃ المبارک

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مولوی عبدالغنی اتنے سادے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ دو حرف پڑھے ہوئے ہیں، عالم ہونا تو بڑی بات ہے۔ واقعی! یہ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ حضرت پڑھے لکھے بھی ہیں، یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ہل جوت کر آرہے ہیں۔ عجیب حال تھا، بال بکھرے ہوئے ہیں، تہبند بھی ایک طرف سے اونچی اور ایک طرف سے نیچی۔ بات یہ ہے کہ جسم کی فکر تو وہ کرے جس کی روح حاضر ہو، جس کی روح ہی زمین پر حاضر نہ ہو وہ جسم کی فکر اور انتظام کیسے کریگا۔ (یعنی جس کی روح ہر وقت حضورِ حق سے مشرف ہوتی ہے وہ اس غلبۂ حضوری کے سبب جسم کے انتظام سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ مجذوب سالک کا یہی حال ہوتا ہے۔ جامع)

عالمانہ، عاشقانہ اور درد بھری ایک دعا

بین الظہر والعصر

ارشاد فرمایا کہ یوں بھی دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! میرے ان گناہوں کو معاف کر دیجئے جن کا مجھ کو علم ہے اور ان گناہوں کو بھی جن کا مجھے پتا بھی نہیں۔ اے اللہ! میری زندگی کا کوئی شعبہ آپ کے قہر کے سائے میں نہ رہے، کیونکہ آپ کی ناراضگی میں میری موت ہے اور آپ کی خوشی میں میری زندگی ہے، بس آپ مجھ سے خوش ہو جائیے۔ اللہ سے بندے کا تعلق عاشقانہ ہونا چاہیے، جیسے عاشق محبوب سے بے بات کے محض محبوب کو خوش کرنے کے لئے کہتا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں، اور ہر وقت یہ فکر ہوتی ہے کہ کہیں کوئی شعوری یا غیر شعوری طور پر

مجھ سے ایسی بات نہ ہو جائے جس سے میرا محبوب مجھ سے ناراض ہو جائے، اس لئے ہر وقت ہوشیار اور اس کو راضی رکھنے کی فکر میں بے چین رہتا ہے۔ پس اللہ کو اس کا زیادہ حق ہے کہ اس سے سب سے زیادہ محبت کی جائے، کیونکہ وہی ہمارا خالق ہے، مالک ہے اور رب ہے اور ہمارے دلوں کے حالات تک سے باخبر ہے۔ بعض دفعہ بندے کو پتا بھی نہیں چلتا اور دل میں پتا نہیں کیا کیا خیالات آ جاتے ہیں اور گناہ صادر ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ کے عاشقین ہر وقت استغفار کرتے رہتے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں گناہ سے پاک ہوں، ہر شخص اپنے کو خطا کار سمجھے کیونکہ ہر شخص خطا کار ہے اور حق تعالیٰ سے روتا رہے، یہ ان کی محبت کا حق ہے۔

پس اے اللہ! میرے ان گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے جن کا مجھ کو علم ہے اور ان گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے جن کا مجھے احساس بھی نہیں ہوا، حالانکہ گناہ صادر ہو گیا۔ اے اللہ! آپ کے قانون کے خلاف اگر مجھ سے کوئی نافرمانی ہو گئی ہو تو آپ اسے معاف فرما دیجئے، بلکہ قانون کی خلاف ورزی تو بڑی چیز ہے، اگر آپ کی مرضی اور پسند کے خلاف بھی کوئی بات مجھ سے ہو گئی ہو تو میرے لئے یہ کسی نافرمانی سے کم نہیں، کیونکہ آپ کی مرضی اور پسند ہی ہمارے لئے قانون ہے۔ پس اے اللہ! میرا ہر نطق، میرا ہر سکوت، میری ہر حرکت، میرا ہر سکون، میرا اٹھنا، میرا بیٹھنا، میرا سونا، میرا جاگنا، میرا کھانا، میرا پینا، غرض میری جو بات بھی آپ کو ناپسند ہو گئی ہو تو اے اللہ! آپ اس کو معاف فرما دیجئے اور مجھ سے راضی ہو جایئے۔

اے اللہ! میری زندگی کا کوئی شعبہ، میرے شب و روز کا کوئی حصہ، میری زندگی کا ایک بھی سانس جو آپ کی مرضی کے خلاف گذر گیا، آپ اسے معاف فرما دیجئے اور اس کی اصلاح فرما دیجئے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق بنا دیجئے، اے اللہ! موقع نطق میں میرا سکوت اور موقع سکوت میں میرا نطق، موقع اظہار میں میرا اخفاء اور موقع اخفاء میں میرے اظہار کو معاف فرما دیجئے۔

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

ارشاد فرمایا کہ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ کَمَا صُنْتَ وَجْھِیْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَیْرِكَ
فَصُنْ وَجْھِیْ عَنِ الْمَسْأَلَۃِ لِغَیْرِكَ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، باب من لا تحل لہ المسألۃ و من تحل لہ، ج ۴ ص ۳۰۲)

اے اللہ! جیسا آپ نے میرا چہرہ بچایا غیر کو سجدہ کرنے سے، اسی طرح میرا چہرہ بچایئے غیر سے سوال کرنے سے۔

ذکر اللہ دل کے تالوں کی کنجی ہے

۷؍شوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۶؍نومبر ۱۹۷۱ء بعد نماز جمعہ
بمقام ۴۔ جی ۱۲ / ۱ ناظم آباد، کراچی

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف کی دعا ہے:

((اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِكَ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)؛ کتاب الصلوۃ، ج ۷ ص ۲۸۵، رقم ۲۰۹۸۶)

اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالوں کو اپنے ذکر کے ذریعہ کھول دیجئے۔

عجیب معاملہ ہے کہ اللہ میاں ہمارے ہی اندر ہمارے دل میں ہیں یعنی اپنی تجلیاتِ خاصّہ سے متجلّی ہیں لیکن تالا لگا ہوا ہے، یہ تالا ذکر سے کھلتا ہے۔ جب تم اللہ اللہ کہتے ہو تو گویا یوں کہتے ہو سیّا مرا کوَڑیا کھول (یعنی اے محبوب، دروازہ کھول دیجئے) ذکر کرنا گویا اللہ میاں کے دروازے کو کھٹکھٹانا ہے۔ جب آدمی کسی دوست کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست سے ملاقات نصیب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جب بندہ اللہ اللہ کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹا رہا ہے، آخر ایک دن دل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حق تعالیٰ کا قربِ خاص نصیب ہوجاتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت زاں در بروں آید سرے

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم حق تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے یعنی ذکر کرتے رہو گے تو ایک دن دل کا تالا کھل جائے گا اور حق تعالیٰ کی معیت خاصّہ اور قربِ خاص نصیب ہو جائے گا۔

حق تعالیٰ کا اظہارِ افسوس

دیدۂ بے خوابِ انجم سینۂ صد چاکِ گُل
حسن بھی ہے مبتلائے دردِ پنہاں دیکھئے

یہ شعر پڑھا، پھر فرمایا کہ یہ شعر **یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ** کا ترجمہ ہے کہ افسوس! کیا ہو گیا میرے بندوں کو؟ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ حق تعالیٰ کا اظہارِ افسوس ہے، یہی دردِ پنہاں ہے۔

بندے کو اللہ تعالیٰ سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟

۸ رصفر المظفر ۹۲ سنہ ۱۳ھ مطابق ۲۴ / مارچ ۷۲ سنہ ۱۹ء بعد عشاء

ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ساتھ منطق و دلائل کا تعلق نہ رکھو، اللہ سے محبت کا تعلق رکھو کہ ان کے بغیر چین ہی نہ آئے، پھر کوئی وسوسہ بھی نہ آئے گا، کیونکہ ایسے شخص سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے کہ اس کا تعلق تو اللہ کے ساتھ عجیب قسم کا ہو گیا ہے، اب میری نہیں چل سکتی۔ اس کو تو بغیر اللہ کے چین ہی نہیں ملتا، لہٰذا یہ میرے کسی وسوسے کو قبول ہی نہیں کرتا۔ مچھلی کو اگر پانی سے نکال کر کوئی پوچھے کہ بتا! تیرے لئے پانی کے وجود کے ضروری ہونے کی کیا دلیل ہے؟ یہ سب ایسے ہی کہنے کی باتیں ہیں، پانی کے بغیر بھی زندگی ممکن ہے تو کیا مچھلی کو پانی کے متعلق وسوسہ آئے گا کہ ممکن ہے پانی میرے لئے ضروری نہ ہو؟ بلکہ وہ تو یہ جواب دے گی کہ

ہمارا پانی کے بغیر یہ اضطراب اور بے چینی دلیل ہے کہ ہم پانی کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتیں۔ ہم سے دلیل نہ پوچھو، ہمیں پانی میں ڈال دو، زیادہ دلیل پوچھو گے تو ہماری جان ہی نکل جائے گی، ہم جو پانی کے بغیر تڑپ رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اچھلتے کودتے پھر پانی میں جا پڑیں۔

بس بندے کو اللہ سے ایسا ہی تعلق ہونا چاہیے جیسا کہ مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اتنی شدید محبت ہو جائے کہ بغیر ان کے چین ہی نہ آئے۔ جب تک ذکر و معمولات پورے نہ کرلو نیند ہی نہ آئے اور اگر گناہ ہو جائے تو ایسی ہی بے قراری ہو جائے جیسے مچھلی کو پانی سے نکل جانے پر ہوتی ہے۔ جب ایسا تعلق پیدا ہو جائے گا تو سارے وساوس خود خاک میں مل جائیں گے۔ ابھی جو ہم شیطان کے وساوس کو قبول کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی ہماری جانیں دریائے قرب کی مچھلیاں نہیں بنیں، ابھی ان میں سانپ پن باقی ہے کیونکہ سانپ ہمیشہ پانی میں نہیں رہ سکتا۔ پانی میں کچھ دیر مچھلی پن دکھائے گا، پھر خشکی میں آ کر جسم کو خشک کرے گا۔ اسی طرح جن جانوں کو اب تک قربِ خاصِ حق حاصل نہیں ہوا، ان کو یہ مقام نصیب نہیں کہ ہر وقت دریائے قرب میں غرق رہیں۔ وہ کچھ دیر تو ذکر کرتی ہیں پھر گناہ بھی کر لیتی ہیں، ابھی ان کو وہ ایمانِ تحقیقی حاصل نہیں کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہی ہیں۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دائم اندر آب کار ماہی است
مار را با او کجا ہمراہی است

میرے شیخ فرماتے تھے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: ایمانِ تحقیقی اور ایمانِ تقلیدی۔ ایمانِ تحقیقی صحبتِ اہل اللہ اور کثرتِ ذکر اللہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایمانِ تقلیدی سخت خطرے میں ہوتا ہے، ایمانِ تقلیدی یہ ہے کہ ماں باپ مسلمان تھے اس لئے ہم بھی مسلمان ہیں۔

نقشِ قدم کی قیمت

۴؍صفر المظفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۰؍مارچ ۱۹۷۲ء بروز پیر

ارشاد فرمایا کہ نقشِ قدم کی قیمت قدم کی قیمت سے ہوتی ہے، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم ایسا قیمتی ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں ہے، اس لئے آپ کا نقشِ قدم بھی اتنا ہی قیمتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور کافروں کو اللہ تعالیٰ نے اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ فرمایا ہے (یعنی یہ کافر چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں) پس ان کے قدم بھی کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ ہیں، لہٰذا ان کے نقشِ قدم بھی جانوروں کے نقشِ قدم سے زیادہ بدتر اور بے قیمت ہیں۔ پس جو قدم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا ہے وہ بھی قیمتی ہوجاتا ہے اور جو قدم کافروں کے نقشِ قدم پر چلتا ہے وہ بھی کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ کا مصداق ہوکر بے قیمت اور ذلیل ہوجاتا ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اطاعتِ شیخ کی کیفیت

۹؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۴؍مارچ ۱۹۷۳ء بروز بدھ

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم جو حکم دے دیتے ہیں، اس پر اطمینان ہوجاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بواسطۂ شیخ یہ حق تعالیٰ کی منشاء ہے، یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی یہی منشاء ہے۔ اگر شیخ کے ساتھ اتنا اعتقاد نہ ہوتو اصلاح نہیں ہوسکتی اور اس کے خلاف میں نفس ہے، (یعنی شیخ کی تجویز و منشاء کے خلاف کرنا نفس کی مرضی پر چلنا ہے۔ جامع)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ عالیشان

۵؍صفر المظفر ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸؍فروری ۱۹۷۴ء صبح دس بجے

ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ عالی ہے کہ جس شخص کو

اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی محبت کا ذرا سا بھی ذائقہ چکھا دیتے ہیں وہ دنیا کی طلب سے فارغ ہوجاتا ہے اور لوگوں سے اس کو وحشت ہونے لگتی ہے یعنی دنیا داری میں اس کا دل نہیں لگتا اور بتکلف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ (حضرت مرشدی دامت برکاتہم نے اس حدیث کو پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ) معلوم ہوا کہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ جس کو دیکھو کہ دنیا کا طالب ہے سمجھ لو کہ اس کے دل نے اللہ کی محبت کا مزہ نہیں چکھا۔

نفس تو تا مست در نُقل و نبیذ
داں کہ روحت خوشۂ غیبی ندید

یعنی جب تک کہ تیرا نفس دنیا کی فانی لذتوں کے نشہ سے مست ہے، سمجھ لے کہ تیری روح نے ابھی اللہ کی محبت کی غیبی لذت کا مزہ نہیں چکھا۔ (ترجمہ از جامع)

استدراج کے متعلق علمِ عظیم

۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳؁ھ مطابق ۱۲/ جولائی ۱۹۷۳؁ء بروز جمعرات

احقر نے عرض کیا تھا کہ آیت سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الاعراف: آیۃ ۱۸۲) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستدرج بہٖ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ میں استدراج میں مبتلا ہوں، اس لئے اس کو خوف ہی نہیں ہوتا کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ فرمایا کہ جس کو خوف ہو کہ میں استدراج میں مبتلا ہوں یہ دلیل ہے کہ وہ استدراج میں مبتلا نہیں ہے، کیونکہ یہ خوف دلیل ہے عِلْمٌ مِّنْ وَّجْهٍ ہونے کا اور مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ میں علم کا نہ ہونا مطلق ہے۔ پس علمِ استدراج کا ہونا نفی استدراج کو مستلزم ہے، یعنی جس کو استدراج ہوتا ہے اس کو علم ہی نہیں ہوتا۔ جس طرح رہو مچھلی چارے میں لگا ہوا کانٹا لے کر بھاگتی ہے، اُس وقت وہ بالکل غافل ہوتی ہے، اس کو یہ علم نہیں ہوتا کہ مجھے ڈھیل دی جارہی ہے اور مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ کا پورا

مصداق ہوتی ہے اور سمجھتی ہے کہ میں بڑے نفع میں ہوں، بڑا لذیذ چارہ ملا ہے۔ اگر اسے یہ خوف ہوجائے کہ مجھے ڈھیل دی جارہی ہے تو ڈوری کو چھوڑ دے، اسی طرح جو لوگ استدراج میں مبتلا ہیں وہ مطلق بے خبر اور غافل ہوتے ہیں، استدراج سے ان کو کبھی وسوسۂ استدراج بھی نہیں آتا۔

مجلسِ ملائکہ افضل ہے یا مجلسِ اولیاء؟ اشکال کا الہامی جواب

۱۱/جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳/جولائی ۱۹۷۳ء بروز جمعہ

(چند علماء وطلباء وحفاظ کرام اور احقر حاضرِ خدمت تھے)

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف ہے:

((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ))

(صحیح البخاری:(قدیمی)، باب قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ، ج ۲ ص ۱۱۰۱)

میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، جیسا وہ مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہوں۔ جو مجھ سے بھلائی کی امید اور نیک گمان رکھتا ہے اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں اور جو مجھ سے مایوس ہوتا ہے اس کو مایوس ہی کردیتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس جب وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں یعنی خلوت میں اس کو یاد کرتا ہوں، اور جب بندہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں ایسی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو اس کی مجلس سے بہتر ہے یعنی ملائکہ کی مجلس۔

اس پر احقر جامع نے عرض کیا کہ خواصِ امت خواصِ ملائکہ سے افضل ہیں پس اگر بالفرض تمام خواصِ امت ایک مجلس میں جمع ہوجائیں تو ملائکہ کی مجلس مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ اولیاء کی جماعت اور مجمع میں ہر ولی ملائکہ سے افضل نہیں ہوتا، ایک دو ہی ایسے خواص ہوتے ہیں جو خواصِ ملائکہ سے فضیلت رکھتے ہیں

کیونکہ ہر ولی مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اکثریت کے اعتبار سے ملائکہ فضیلت لے جاتے ہیں اور ان کی مجلس خَیْرٌ مِّنْھُمْ کی مصداق ہو جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ملائکہ کا خیر ہونا یقینی ہے اور خواصِ اولیاء کا خیر ہونا مقید ہے حسنِ خاتمہ کے ساتھ یعنی ملائکہ خیرِ مطلق ہیں اور اولیاء خیرِ مقید بحسنِ خاتمہ ہیں، اور خیرِ مطلق خیرِ مقید سے افضل ہے، اس لحاظ سے بھی ملائکہ کی مجلس خَیْرٌ مِّنْھُمْ میں شامل ہوگی۔

پھر فرمایا کہ یہ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے کہ وقت پر حق تعالیٰ جواب عطا فرما دیتے ہیں۔ جس وقت یہ سوال کیا گیا اور سوال بھی بے ڈھب تھا، اُس وقت میرے ذہن میں کوئی جواب نہ تھا۔ بس اللہ میاں مدد فرما دیتے ہیں ورنہ فقیر کے پاس کچھ نہیں۔

خانقاہ کیا ہے اور کہاں ہے؟

ارشاد فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خانقاہ حجروں میں ہے، پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہے، حالانکہ خانقاہ مسجدوں میں ہے، گھروں میں ہے، سڑکوں میں ہے، لوگوں سے تعلقات میں ہے، خلوتوں میں ہے، جلوتوں میں ہے، جس خطۂ زمین پر آپ اللہ کو راضی کرلیں وہی زمین خانقاہ ہے۔ اگر سڑک پر آپ نگاہ نیچی کر کے چلتے ہیں، کوئی ٹیڈی یعنی حسینہ سامنے آئے تو اس کو دیکھتے نہیں، اس وقت وہ سڑک آپ کے لئے خانقاہ بن چکی ہے۔ اگر دکان پر امانت کے ساتھ سودا بیچ رہے ہیں اور اس وقت بھی دل کا رابطہ حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے تو وہ دکان ہی آپ کے لئے خانقاہ بن گئی۔ لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں اور اس وقت بھی آپ کا دل اللہ سے غافل نہیں تو یہ تعلق بالمخلوق بھی خانقاہ ہے۔ اس کے برعکس کوئی شخص حجرے میں یا پہاڑ کی چوٹی پر تنہا بیٹھا ہے اور دل میں حسین صورتوں کا تصور کر رہا ہے تو بظاہر وہ خانقاہ میں بیٹھا ہوا ہے لیکن یہ حجرہ اس کے لئے ٹیلی ویژن اور سینما بن چکا ہے اور وہ خلوت کے باوجود اللہ سے دور ہے۔

ذکر اللہ کا نفع کامل کیسے حاصل ہوتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ جو ذکر میں ناغہ کرے گا اس کے لئے گناہ کے دروازے کھل جائیں گے، ذکر کا نور ہی گناہوں کی تاریکی میں جانے سے روکتا ہے۔ پس جو شخص ذکر کو چھوڑے گا وہ گناہ میں مبتلا ہونے لگے گا اور ناغہ کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ بالکل ذکر ہی نہیں کرتا اور ایک یہ کہ ذکر تو کرتا ہے لیکن اللہ کی محبت کی روح اس میں داخل نہیں کرتا۔ جس ذکر میں دل غیر حاضر ہو، آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، جسم تو اللہ کے سامنے ہو اور دل غیروں میں، اپنے کاروبار میں اور دفتروں میں ہو تو وہ ذکر بے روح ہوتا ہے۔ جیسے کوئی روٹی کھاتا ہے لیکن روکھی سوکھی اور قورمہ پلاؤ مقوی غذائیں نہیں کھاتا تو جسم کو پورا نفع نہیں ہوتا، جسم کمزور رہتا ہے۔ اسی طرح جو روکھا سوکھا ذکر کرتا ہے اس کی روح بھی کمزور رہتی ہے اور اللہ کی محبت کی پوری لذت حاصل نہیں ہوتی۔

نسبتِ الٰہیہ کے آثار

ارشاد فرمایا کہ طلوع ہونے سے پہلے آفتاب افق پر اپنی سرخیوں کو نمودار کرتا ہے اور آگاہ کر دیتا ہے کہ میں آ رہا ہوں، اسی طرح جس قلب میں حق تعالیٰ کے قرب کا آفتاب طلوع ہونے والا ہوتا ہے، اس کے اخلاق واعمال واحوال کے افق پر سرخئ آفتاب یعنی محبت وخشیتِ الٰہیہ کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح آفتاب غروب ہونے سے پہلے اپنے آثار سے بتا دیتا ہے کہ اب میں غروب ہونے والا ہوں، یعنی جب اصفرار (شعاعوں کی زردی) شروع ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب آفتاب غروب ہونے والا ہے۔ یہی حال اس قلب کا ہوتا ہے جس سے آفتابِ قرب غروب ہونے والا ہوتا ہے، یعنی ذکر سے وحشت، نافرمانیوں پر جرأت، اہلِ حق سے عناد کی ابتداء، علامت اصفرارِ شعاعِ آفتابِ باطن ہے اور

آخری انجام اس کے دولتِ باطنی کے آفتاب کا غروب ہونا ہے، العیاذ باللہ۔ اپنے مربی و مصلح سے بغاوت وعناد اس غروب کا اصل سبب ہوتا ہے اور وحشت از ذکر اور جرأت علی المعاصی اس کے نتائج ولوازم سے ہیں۔

نیک آرزوؤں کو بیک وقت پورا نہ کرنے کی حکمت

۱۸؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۱۹۷۳ء بروز جمعہ

ارشاد فرمایا کہ آج نماز میں حق تعالیٰ نے ایک اشکال کا جواب عطا فرمایا جس سے دل کو بہت تسلی ہوئی۔ مجھے اکثر دل میں یہ خیال آتا تھا کہ ہر شخص کے دل میں نیک آرزوؤں کی ایک فہرست ہوتی ہے مگر حق تعالیٰ ان کو رفتہ رفتہ پورا فرماتے ہیں، کبھی ایک آرزو پوری کردی، پھر کچھ عرصہ کے بعد دوسری پوری کردی۔ اس پر یہ خیال آتا تھا کہ بیک وقت تمام آرزوؤں کو کیوں پورا نہیں فرماتے؟ اس پر آج حق تعالیٰ نے یہ جواب دل میں ڈالا کہ جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کی تمام آرزوئیں بیک وقت پوری نہیں کرتے، رفتہ رفتہ کرتے ہیں، آج ایک آرزو پوری کر کے پھر انتظار کرتے ہیں کہ بچہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ ہمارے سامنے پھیلا کر ہم سے مانگے اور اس کی نگاہِ احتیاج ہم پر پڑتی رہے، اور بچوں کا اس طرح بار بار سوال کرنا ماں باپ کو اچھا لگتا ہے، اسی طرح مومن کی نیک آرزوؤں کو بھی حق سبحانہ وتعالیٰ یک لخت اس لئے پورا نہیں فرماتے کہ مومن کی مناجات ونالہ وتضرع ان کو محبوب ہے۔

نالۂ مومن ہمی داریم دوست ۔۔۔ گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اوست

ہم مومن کے نالہ کو محبوب رکھتے ہیں، اس سے کہو کہ وہ آہ وزاری میں مشغول رہے، یہی اس کا اعزاز ہے۔ جس طرح باپ کو مزہ آتا ہے جب بچہ اپنی احتیاج لے کر ابّا ابّا کہتا ہوا دوڑا آتا ہے اور ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کہ ابّا پیسہ دے دو، اسی طرح حق تعالیٰ کی رحمت کو بھی یہ اچھا لگتا ہے کہ ان کے بندے بار بار ان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنی احتیاج پیش کرتے رہیں اور تضرع ومناجات کرتے رہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ ساری آرزوئیں ایک ہی دفعہ بیک وقت پوری کر دیتے تو پھر بندے ان سے مستغنی ہو جاتے کہ جب کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی تو کیوں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے؟ پس یہ احتیاج عبد اور معبود کے درمیان رابطہ وسرگوشی و تعلقِ خاص کا عظیم وسیلہ ہوگئی۔ اس کے علاوہ ربوبیت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی شے کو درجۂ نقصان سے تدریجاً درجۂ کمال تک پہنچانا۔ اللہ کی معرفت سب سے زیادہ ان کی ربوبیت سے ہوتی ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا ایک خاص ربط ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دعویٰ ہے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے لیکن کیوں ہے؟ لہٰذا اللہ نے اپنی ربوبیت کو موقع دلیل میں بیان فرمایا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس وجہ سے کہ ہم سارے عالم کے رب ہیں اور ربوبیت کے معنی ہی ہیں علی السبیل تدریج کمال تک پہنچانا۔ بچہ رفتہ رفتہ پندرہ سال کے بعد بالغ ہوتا ہے، اسی طرح بندے کی آرزوؤں کو بیک وقت پورا نہ کر کے اور تضرع و مناجات سے تربیت فرما کر اس کی روح کو بالغ کر دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے تعلقِ خاص سے مشرف ہو جاتی ہے۔

عورتوں کو ملازمت دینا معیشت کے لئے نقصان دہ ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک انگریزی تعلیم یافتہ نے کہا کہ عورتوں کے مردوں کے دوش بدوش کام کرنے سے قوم ترقی کر گئی اور معیارِ زندگی بلند ہو گیا۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں! عورتوں کی ملازمت سے قوم اَور تنزل میں پہنچ گئی اور معیارِ معیشت پر بہت بُرا اثر پڑا، مثلاً اگر ایک ہزار ملازمتیں تھیں، وہ ایک ہزار مردوں کو دے دی جاتیں تو ایک ہزار گھر آباد ہوتے، ایک ہزار خاندانوں کے کھانے پینے کا سہارا ہو جاتا۔ اب اگر پانچ سو جگہیں تم نے عورتوں اور پانچ سو مردوں کو دے دیں اور فرض کرو یہ وہی عورتیں ہیں جن کے شوہروں کو بھی بقیہ پانچ سو جگہیں ملیں، نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ سو گھر تو امیر سے امیر تر ہو گئے اور پانچ سو گھرانوں کا تم نے چراغ گل کر دیا۔ ان کے ان ماں باپ اور بیوی بچوں کو جنہوں نے دعائیں کر کے روزی کے لئے بھیجا تھا، ان کو

تم نے فاقے کرادیئے۔ اگر ان عورتوں کی جگہ مردوں ہی کو نوکری دی جاتی تو پانچ سو کتنے بوڑھے ماں باپ اور بیوی بچوں کے رزق کا سامان ہو جاتا۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ عورتوں کی ملازمت سے قوم ترقی کرگئی یا تنزل کرگئی، اور عورتوں کو ملازمت دے کر کتنی انسانی جانوں پر تم نے ظلم کیا، مگر نئی روشنی والوں کی تو عقل اندھی ہے، تنزل اور زوال کو ترقی سمجھتے ہیں۔ بزرگوں کی برکت سے حق تعالیٰ نے یہ جواب میرے دل میں ڈالا کہ بڑے بڑے انگریزی داں حیران رہ گئے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا۔ یہ جواب میں نے نہ کسی کتاب میں دیکھا تھا، نہ اپنے بزرگوں سے سنا تھا مگر انہیں بزرگوں کی برکت سے جن کی جوتیاں اٹھائی ہیں، حق تعالیٰ ایسے جواب دل میں ڈال دیتے ہیں۔

بے نمازی کو نمازی بنانے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ بے نمازی کو نمازی بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وقت مسجد میں جماعت ہو رہی ہے اس کو پکڑ کر مسجد میں لا کر بٹھا دیا جائے، جب لوگوں کو دیکھے گا کہ اللہ کے حضور میں کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجود میں تو اپنی ذلت کا احساس ہوگا اور شرم آئے گی۔ جیسے ایک انگریز نے لکھا ہے کہ وہ عرب کے کسی علاقہ میں گیا، شکار کے لئے کچھ بدوؤں کو ملازم رکھا، جنگل میں آگے آگے جا رہا تھا۔ ایک مقام پر مڑ کر دیکھا کہ بدو اس کے پیچھے نہیں آ رہے ہیں اور نماز کی جماعت بنائے اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ وہ انگریز لکھتا ہے کہ اس وقت میں اپنے آپ کو بہت ذلیل محسوس کر رہا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بدو بہت معزز لوگ ہیں۔ جب ایک کافر پر نماز کا یہ اثر ہوا تو بے نمازی مسلمانوں پر کیوں نہ ہوگا؟ بے نمازی دراصل بے نمازیوں میں رہتے ہیں، اگر نمازیوں میں رہنے لگیں تو نمازی ہو جائیں۔

کفار کی قومی خدمات کی غیر مقبولیت کا راز

ارشاد فرمایا کہ آج کل مغرب زدہ لوگ کہتے ہیں کہ یورپ والے تو چاند پر

جارہے ہیں، سائنسی ترقیات کررہے ہیں، ہسپتال تعمیر کرارہے ہیں، غریبوں کو مفت دودھ مکھن تقسیم کررہے ہیں اور اے مسلمانو! تم لوگ ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر سجدوں میں رورہے ہو، آخر تم نے انسانیت کو کیا دیا؟ کیا تمہارے یہ آنسو تمہیں بخشوادیں گے اور اہلِ یورپ کی قومی خدمات اور انسانی ہمدردی ان کی نجات کے لئے کافی نہ ہوگی؟

جواب یہ ہے کہ ہاں! کفار کی قومی خدمات اور انسانی ہمدردیاں ان کی نجات کے لئے کافی نہیں، اس لئے کہ یہ قوم کی تو خدمت کررہے ہیں اور اللہ کو ناراض کررکھا ہے۔ ہم لوگ دنیا میں انسانیت کو کچھ دینے اور قومی خدمت کرنے نہیں آئے، اللہ کو راضی کرنے آئے ہیں۔ اول، اللہ کو راضی کرنا ضروری ہے جو موقوف ہے ایمان باللہ وایمان بالرسالت پر، اس کے بعد ثانوی درجہ قومی خدمات و انسانی ہمدردی کا ہے۔ اللہ کو راضی کرتے ہوئے جو خدمت کی جائے گی وہ قبول ہے ورنہ بڑے سے بڑا کارنامہ غیر مقبول ہے، اور یہ ہم نہیں کہتے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾

(سورۃ التوبہ: آیۃ ۱۹)

اے کفار ومشرکین! کیا حاجیوں کو پانی پلانے سے اور مسجدِ حرام کی تعمیر سے تم ان لوگوں کے برابر ہوجاؤ گے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ تو حاجیوں کو پانی پلانے سے بڑھ کر کون سی قومی خدمت ہوسکتی ہے اور تعمیرِ کعبہ سے بڑھ کر کس ہسپتال کی تعمیر ہوسکتی ہے؟ پس جب بغیر ایمان کے تعمیرِ کعبہ اور حاجیوں کو پانی پلانا بھی سببِ قبولیت نہ ہوسکا تو پھر ہسپتال کی تعمیر اور دودھ مکھن کی مفت تقسیم اور دوسری تمام قومی خدمات کی کیا حقیقت ہے؟ ان سے یہ کفار مقبولانِ حق نہیں ہوسکتے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی باپ کے دس بیٹے ہوں، ان میں ایک بیٹا تو

بھائیوں کی خوب خدمت کر رہا ہو، ان کو دودھ مکھن تقسیم کر رہا ہو، ان کے لئے مکانات بھی بنوا رہا ہو، ان کی ترقی کی فکر میں ہر وقت لگا ہو لیکن کبھی باپ کی طرف دیکھتا بھی نہ ہو اور باپ کے لئے کچھ نہ کرتا ہو تو خود فیصلہ کرو کہ ایسا نالائق بیٹا واجب القتل ہے یا نہیں؟ اور کیا باپ اس سے خوش ہوسکتا ہے؟ بلکہ اپنی جائیداد سے ایسے بیٹے کو باپ عاق کردے گا کہ اس نالائق کا اب میری جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کفار حق تعالیٰ کی خاص جائیداد، جنت سے عاق شدہ ہیں۔ اور جس بیٹے سے باپ ناراض ہو تو عقلمند بھائی اس کی خدمت کو قبول نہیں کریں گے، باپ کے حقوقِ محبت سے یہ بھی ہے جو بھائی باپ کا نافرمان ہو، اس کی خدمت قبول نہ کی جاوے، حدیث شریف میں احسانِ فاسق سے پناہ طلب کی گئی ہے، اس کی ایک حکمت یہ بھی سمجھ میں آئی۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ فاسق کے احسان سے بچتے ہیں کیونکہ جو بندہ اللہ کا باغی و نافرمان ہو اس کی خدمت کو قبول کرنا اللہ کی محبت کے حقوق میں خیانت ہے۔

عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا فرق

۲۳ رصفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۸ ؍اپریل ۱۹۷۲ء، بروز ہفتہ بارہ بجے دوپہر

احقر حضرت کے پاؤں دبا رہا تھا تو فرمایا کہ جب کوئی شخص اللہ کے لئے کسی کی خدمت کرتا ہے تو مخدوم کی نظر میں بھی اس کا وقار بڑھ جاتا ہے، کیونکہ اس خدمت کی علتِ غائی اللہ ہے، جو باوقار ہے، لہٰذا اس کی علتِ فاعلی (خادم) کا وقار بھی بڑھ جاتا ہے اور اس کی علتِ مادّی (جسمِ خادم) بھی باوقار ہوجاتی ہے اور اس کی علتِ صوری (ہیئتِ خدمت) بھی باوقار ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس جو خدمت مجاز کے لئے ہوتی ہے تو کیونکہ اس خدمت کی علتِ غائی ذلیل ہے، اس لئے اس کی علتِ فاعلی بھی ذلیل ہوجاتی ہے اور مخدوم کی نظر میں خادم ذلیل ہوجاتا ہے، اور اسی طرح اس کی علتِ مادّی اور صوری پر بھی ذلت کی مہر لگ جاتی ہے۔

آخرت کی رغبت دلانے والا ایک ملفوظ

۷؍شوال المکرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۶؍نومبر ۱۹۷۲ء

ارشاد فرمایا کہ قبل اس کے کہ دنیا آپ کو کفن پہنا کر نکالے، آپ دنیا کو قلب سے نکال دیں تو آپ زیادہ مزے میں رہیں گے۔ اگر آپ نے دنیا کو اپنے دل سے نکال دیا تو دنیا آپ پر حسرت کرے گی اور عشرت آپ کے ہاتھ آئے گی، اور اگر دنیا نے آپ کو نکالا تو آپ دنیا پر حسرت کریں گے اور آپ کی عشرت دنیا کے ہاتھ ہوگی۔ اللہ محفوظ رکھے۔

نعمتوں پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا تشکر اور شگفتہ مزاجی

۲۲ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۷۲ء

کھانے میں کباب تھے جو بہت لذیذ تھے، حضرتِ اقدس سراپا تشکّر بن کر تناول فرما رہے تھے اور ہر لقمہ پر شکر ادا کر رہے تھے۔ پھر احقر سے فرمایا کہ سچ بتاؤ! کیا بوسے کی لذت سے اس کباب کی لذت کم ہے؟ یہ جائز بوسہ ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بوسہ بھی لو اور ثواب بھی لو۔ یہ ایسا بوسہ ہے کہ مزہ آتا ہے، مذی نہیں آتی، ایک حرام بوسہ ہے کہ تھوڑا سا مزہ ملا لیکن پاجامہ خراب ہوگیا۔ اب پاجامہ دھو کر غسل کرو، یہاں تک کہ صحت ہی خراب ہوگئی تو اب دوا کھاؤ اور آخر میں معلوم ہوا کہ حاصل کچھ نہیں ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

یا ؎

خواب تھا جو کچھ کہ چوسا جو سنا افسانہ تھا

ساری لذتیں خواب ہوگئیں اور خدا کا قہر مفت میں مول لے لیا۔ ایک اس کباب کا بوسہ ہے کہ مزہ بھی آرہا ہے، دل سے شکر نکل رہا ہے، معرفت میں ترقی ہورہی ہے،

جتنی دفعہ الحمدللہ کہو گے، اللہ کا قرب بڑھے گا۔ اور اگر کوئی حرام بوسہ لے کر الحمدللہ کہہ دے تو اسی وقت کافر ہوجائے گا، کیونکہ یہ شخص ایک تو اللہ کا قانون توڑ رہا ہے اور دوسرے اس کا مضحکہ بھی اڑا رہا ہے۔ غرض اس کباب کی لذت پاک لذت ہے، لذت بھی اڑاؤ اور خوب شکر بھی کرو، پھر فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

کچھ نہ پوچھو کباب کی لذت
ایسی جیسے شباب کی لذت

پھر فرمایا کہ رُخِ کباب پر دانت نہ لگانا، صرف زبان سے بکمالِ عشق چاٹ لینا۔

حضرت ہر لقمہ پر شکر ادا کر رہے تھے، پھر نہایت عاجزی سے فرمایا کہ یا اللہ! ہم جیسے مجرمین کو آپ کیسی کیسی نعمتیں کھلا رہے ہیں۔ پھر یہ مصرع نہایت درد کے ساتھ پڑھا جو فی البدیہہ ہوا ؎

ہم سے مجرم پہ یہ احسان و کرم ہے تیرا

نفس دشمن ہے، اس کو غم پہنچے تو خوش ہونا چاہیے

۷ رشوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۶ رنومبر ۱۹۷۱ء بعد نماز جمعہ
بمقام ۴۔ جی ۱۲ / ۱ ناظم آباد، کراچی

احقر کے ساتھ فانٹا نوش فرماتے ہوئے یہ شعر فرمایا ؎

عیش و عشرت کے لئے اخترؔ کو عشرتؔ دے دیا
دشمنِ راہِ خدا کو رنج و حسرت دے دیا

فرمایا کہ دشمنِ راہِ خدا نفس ہے، مولانا رومی نے نفس کو مثنوی میں دشمن قرار دیا ہے۔ جب نفس غمگین ہو تو آپ غمگین نہ ہوجایئے، بلکہ خوش ہوجانا چاہیے کہ دشمن کو غم پہنچا، دشمن کے غم پر تو خوشی منائی جاتی ہے۔ نفس کو غم پہنچنے سے روح تر و تازہ ہوتی ہے، پس اس وقت نفس سے کہہ دو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی غَمِّكِ وَ حُزْنِكِ وَ اَلَمِكِ وَ تَاَسُّفِكِ فَاِنَّكِ عَدُوِّیْ وَ عَدُوُّ اللّٰہِ۔ لوگ اس بڑی غلطی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ نفس کے غم کو

اپنا غم سمجھ لیتے ہیں، پس جو شخص نفس کو اپنا دشمن نہیں سمجھے گا وہ نفس کو غم نہیں پہنچا سکتا۔ نفس و روح میں قوی تعلق ہے، اس لئے یہ غلطی ہو جاتی ہے کہ نفس کے غم کو روح کا غم سمجھ لیتا ہے لیکن ذکر و صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے روح اور نفس کے غم میں تمیز ہونے لگتی ہے کہ روح اور نفس کے غم ایک نہیں۔

اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کا نسخہ

۱۲؍رجب المرجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۲؍اگست ۱۹۷۳ء
مجلسِ عام بروز اتوار بوقت دس بجے صبح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○ یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ○

(سورۃ الحج: آیات ۱، ۲)

ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں کو قیمتی بنا لیجیے قبل اس کے کہ ہم اور آپ بے قیمت قبروں میں دفن ہو جائیں۔ اگر آپ نے زندگی محض کھانے کمانے، بیوی بچوں کی پرورش میں گذار دی اور اللہ کو یاد نہ کیا یعنی اللہ کو یاد رکھتے ہوئے ان کا حکم سمجھ کر اور ان کے احکام کے مطابق بیوی بچوں کی پرورش نہ کی بلکہ اللہ کو بھول کر دنیا کو مقصود سمجھ کر دنیا سے دل لگایا اور اسی حالت میں موت آ گئی تو سمجھ لو کہ پھر آپ بے قیمت دنیا سے گئے کیونکہ بے قیمت شے سے دل لگایا تھا، اس لئے بے قیمت ہو گئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتا۔ معلوم ہوا کہ زمین و آسمان، چاند و سورج، دریا اور پہاڑ، اربوں ستارے اور قیمتی سے قیمتی سونا، جواہرات اور

خزائن السماوات والارض کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں۔ پس اگر تم دنیا پر فدا ہو گئے اور اپنی شنوائیوں، بینائیوں، گویائیوں کو دنیا کے حوالہ کر دیا تو مچھر کے پَر سے بھی کم قیمت شے کے عوض تم بِک گئے اور مچھر کے پَر سے زیادہ حقیر تعلق سے خود بھی بے قیمت ہو گئے۔ اگر بالفرض خزائن السماوات والارض بھی تم کو مل گئے تو کیا ملا؟ مچھر سے حقیر شے سے تمہاری کوئی قیمت نہیں بڑھی، ہاں اگر ایک بار اللہ کہہ دیا، چند آنسو اللہ کی یاد میں بہہ گئے، کچھ دیر تلاوت کر لی، اب آپ قیمتی ہو گئے کیونکہ اللہ جیسی قیمتی ذات سے آپ کا تعلق ہو گیا۔

دینی مجالس اور دینی اجتماع کی فضیلت

اس وقت جو مجلس ہے، ایسی مجالسِ ذکر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان فرماتے ہیں:

((لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ))

(الصحیح لمسلم: (قدیمی)؛ باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القراٰن و الذکر؛ ج ۲ ص ۳۴۵)

ایسی مجلسوں میں دلوں پر سکون اترتا ہے اور اہلِ مجلس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور اللہ ایسی مجلس والوں کا ذکر فرشتوں میں فرماتے ہیں جو اُن کے پاس موجود ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک جماعت پر ہوا اور وہ جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول تھی:

((فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا قَالَ آللهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذَاكَ. قَالُوْا وَاللهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذَاكَ. قَالَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ وَلٰكِنَّهٗ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلٰٓئِكَةَ))

(الصحیح لمسلم: (قدیمی)؛ باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القراٰن و الذکر؛ ج ۲ ص ۳۴۶)

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کس چیز نے تم لوگوں کو بٹھا رکھا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے

عرض کیا کہ ہم اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور ہم خدائے پاک کے اس احسان کا شکرادا کررہے ہیں کہ جس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ابھی ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ خبر دے گئے ہیں، تمہارے لئے بڑی عجیب خوشخبری ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شوق سے انتظار کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہ خبر دے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر فرشتوں کے درمیان فخر فرمارہے ہیں۔

نیک بندوں کی فرشتوں پر افضلیت کی وجہ

محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ شریف کے شارح، زبردست محدث، وہ اس حدیث کی شرح بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ فخر کیوں کرتے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ اس لئے فخر کرتے ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو! یہ بندے ہمارے ایسے ہیں جن کو نفس کی خواہشات نے تنگ کر رکھا ہے، اور شیاطین بھی ان پر لگے ہوئے ہیں، اور ان کی گھر کی ضروریات بھی ان کو مجبور کئے ہوئے ہیں، پھر بھی ہماری محبت میں اپنے وقت کو فارغ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، جمے ہوئے ہیں۔ اور اے فرشتو! تمہارے پاس نہ نفس کی خواہشات ہیں اور نہ تمہیں اپنے پیٹ کے لئے کسی تیل لکڑی کی فکر ہے اور نہ تمہیں بال بچوں کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور نہ تمہارے پیچھے شیطان ہے تو تمہارا اللہ اللہ کہنا، سبحان اللہ کہنا اتنا کمال نہیں جتنا ہمارے ان بندوں کا ہے۔ تو یہ ذکر کا کتنا بڑا انعام ہے! ایسی مجالس کو غنیمت سمجھنا چاہیے، ضروری سے ضروری کام ہفتہ بھر کے چھ دن میں کرو، جو کام آپ کو آج اتوار کے دن کرنا ہے، اس کا اگر آٹھواں حصہ، تھوڑا تھوڑا روزانہ کرلیں، آدمی کو ایک گھنٹہ روزانہ مل جاتا ہے۔ پہلے ہی سے فکر ہو جائے کہ ہمارا کوئی کام اتوار کے دن تو نہیں آنے والا ہے؟ آج ہی سے اگلے اتوار کی فکر ہو جائے کہ بچوں کا جو سودا لانا ہو یا بیوی کی فرمائش، ایک ایک چیز روزانہ کچھ نہ کچھ

پوری کرتے رہو تو چھ دن میں چھ ضرورتیں پوری ہوجائیں گی اور اتوار کے دن اس اجتماع میں آنے کا موقع مل جائے گا، سیدھے اللہ کے ذکر کے لئے چلے آؤ۔

روزِ قیامت کے چند عبرت انگیز حالات

اب میں آپ حضرات کے سامنے جس مضمون پر آج بیان کرنا ہے، ان آیات کا ترجمہ اور اس کے بارے میں کچھ تشریح پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسانو! ڈرو اپنے رب سے، ایک زلزلہ آنے والا ہے جو بہت بڑا زلزلہ ہے (یعنی قیامت کا)۔ دنیا میں جو زلزلے آتے ہیں جیسے ایران میں آجاتا ہے یا کوئٹہ میں آجاتا ہے تو آپ کا ریڈیو اعلان کرتا ہے کہ زلزلہ کو ریکارڈ کیا گیا تین سیکنڈ زلزلہ رہا، مکانات میں شگاف پڑ گئے، بہت سے مکان بیٹھ گئے، وہاں پانی نکل آیا، کتنے اس قسم کے تعمیراتی نقصان پہنچ جاتے ہیں لیکن یہ قیامت کا زلزلہ اتنا بڑا آنے والا ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہے ہیں کہ تمہارے ایران و کوئٹہ کے زلزلوں میں تو مکانات پھٹتے ہیں اور یہ زلزلہ جب آئے گا تو آسمان پھٹیں گے اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ فرماتے ہیں کہ آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زمین پر گرنے شروع ہوجائیں گے وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگیں گے۔ اربوں ستارے ہیں، ایک دو نہیں، اور ایک ایک ستارہ اس زمین کے طول و عرض و حجم سے بہت زیادہ بڑا ہے، کیا عالم ہوگا! ایک چھوٹی سی چیز اگر فاصلہ سے گرتی ہے تو زیادہ تیز لگتی ہے اور ساڑھے نو کروڑ میل پر سورج ہے، تیرہ کروڑ میل پر زہرہ ستارہ ہے اور اس کے آگے مریخ تو اور بھی دور، انتیس کروڑ میل یا معلوم نہیں کتنا بتاتے ہیں وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور سمندر آگ کے ہوجائیں گے، اس میں آگ پیدا ہوجائے گی۔ اللہ اکبر! وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ اور قبروں میں سے لوگ نکلنے شروع ہوجائیں گے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ہر انسان اپنا جو کچھ

آ گے اعمال کئے ہیں، ان اعمال کی اس کو خبر ہو جائے گی کہ زندگی میں کیا کیا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسانو! ڈرو اپنے رب سے۔ یہاں صرف ایمان والوں ہی کو مخاطب نہیں کیا، اے ساری دنیا کے انسانو!

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ○﴾

(سورۃ الحج: آیات ۱، ۲)

ڈرو اپنے رب سے، کیونکہ ایک زلزلہ آنے والا ہے جو بڑا عظیم زلزلہ ہے، جب اس زلزلہ کو تم دیکھو گے تو مائیں اپنے دودھ پیتے ہوئے بچوں کو بھول جائیں گی۔ جب ماں، بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو اس کو اپنے بچہ کی دودھ پلانے کے زمانے میں بے حد محبت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ماں اپنا خون پلاتی ہے، دودھ خون ہی سے بنتا ہے، اس کا خون ہر وقت داخل ہوتا رہتا ہے لہٰذا اس کو بے حد تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ زلزلہ اس قدر سنگین ہوگا کہ جتنی مائیں ہیں، انسان ہوں یا جانور رہوں، سب اپنے دودھ پیتے ہوئے بچوں کو بھول جائیں گی۔ اور جتنے حمل والے جاندار ہیں، عورتیں ہوں یا جانور گائے بھینس وغیرہ سب کا حمل خوف سے گر جائے گا، اور تم انسان کو نشہ میں دیکھو گے کہ سب کی آنکھیں اوپر جارہی ہیں، جب نشہ چڑھ جاتا ہے تو آنکھ کی پتلی اوپر چلی جاتی ہے، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نشہ چڑھ گیا لیکن ان کو نشہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے عذابِ شدید کا یہ اثر ہوگا۔

وحیٔ الٰہی میں اللہ اور رسول کے درمیان جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں

دوسری جگہ اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم: آیۃ ٦) اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے بال بچوں کو، کس چیز سے؟ جہنم کی آگ سے۔ میرے دوستو! اگر اخبارات میں کوئی

خبر آجائے کہ حکومت نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو مرد آج نماز نہیں پڑھے گا، یا جو عورت آج بے پردہ پھرے گی تو حکومت اس کو گرفتار کر لے گی، اور اس کی چوٹی کاٹ کر اس کو دُرّے لگائے جائیں گے تو اخبار دیکھتے ہی نہ کوئی لڑکی کالج جائے گی اور نہ کوئی عورت دفتر جائے گی حالانکہ اس خبر کی اس کو تصدیق بھی نہیں ہوئی کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط۔ یا اگر اخبار سے اتنا معلوم ہوجائے کہ سڑکوں پر گولیاں چل رہی ہیں، پھر دیکھوں کہ کون عورت بے پردہ نکلتی ہے؟ حالانکہ اخباری خبریں سو فیصد جھوٹ بھی ہوسکتی ہیں۔ بعض وقت بالکل غلط خبر نشر ہوجاتی ہے، حتیٰ کہ ریڈیو سے کہتے ہیں کہ معاف کیجئے گا! دوبارہ اس خبر کو سنئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جو خبر دے رہا ہوں تو اللہ اور رسول کے درمیان میں جبرئیل ایک فرشتہ ہے، اور کوئی بیچ میں نہیں ہے، اور وہ فرشتہ بھی کیسا ہے؟ فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○﴾

(سورۃ التکویر: آیات ۱۹ تا ۲۱)

کہ یہ قرآن (اللہ) کا کلام ہے، ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرئیل (علیہ السلام)) کا لایا ہوا۔ جو قوت والا ہے (اور) مالکِ عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے۔ (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے (اور) امانت دار ہے (کہ وحی کو صحیح صحیح پہنچا دیتا ہے)۔ کوئی ان سے خبر چھین نہیں سکتا کہ خبر چھین کر کچھ کا کچھ ملا دے کیونکہ وہ قوت والے بھی ہیں اور امانت والے بھی ہیں۔ ان کی قوت ایسی ہے کہ:

((اِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَاٰی جِبْرِيْلَ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، کتاب تفسیر القرآن، ج ۲ ص ۷۲۰)

ان کے چھ سو بازو ہیں، اور ایک بازو میں اتنی طاقت ہے کہ پوری دنیا کو ایک بازو سے اٹھا کر آسمان تک لے جائیں۔ تو اللہ کی خبر کو اخبارات کی خبر سے کہیں

زیادہ قوی تر سمجھنا چاہیے۔ فرماتے ہیں **وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا** (سورۃ النسآء: آیۃ ۱۲۲) اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟

کوئی اہم خبر دی جائے تو اس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

دوزخ کے بارے میں جو تفصیلات اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

((لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّلَمَا سَاغَ لَكُمُ الطَّعَامُ وَلَا الشَّرَابُ وَلَمَا نِمْتُمْ عَلَى الْفُرُشِ وَلَهَجَرْتُمُ النِّسَآءَ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ وَتَبْكُوْنَ))

(المستدرك للصحيحين للحاكم: (دار الكتب العلمية)، ج۴ص۶۲۲، رقم ۸۷۲۴)

کہ اے میرے اصحاب! اے میرے ساتھیو! اے میرا کلمہ پڑھنے والو! جو دوزخ کا حال میں نے دیکھا ہے کہ اس قدر دردناک عذاب اور وہاں حالات خطرناک ہیں، اگر اتنا یقین تمہیں پیدا ہو جائے جیسا کہ میں دیکھ کر آیا ہوں تو تم اپنی بیویوں کے پاس جانا چھوڑ دو، کھانا پینا تم سے چھوٹ جائے اور تم اپنے گریبان پھاڑ کر جنگلوں میں سینہ پیٹتے ہوئے، روتے ہوئے چلے جاؤ، اتنا تمہارے اوپر خوف طاری ہو جائے۔ میرے دوستو! یہ خبریں جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے پیش کی ہیں، ہمیں اس لئے نہیں دی ہیں کہ یہ خبر برائے خبر ہے۔ ہر خبر کا مقصود ہوتا ہے کہ اس سے اثر لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے ورنہ اس خبر کی تصدیق پر شبہ لازم آئے گا، مثال کے طور پر اگر ایک خبر میں ابھی یہ دے دوں کہ ایک کالا سانپ یہاں اس الماری کے پیچھے رہتا ہے تو جتنے لوگ اس الماری کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں، وہ اطمینان سے میرا وعظ نہیں سن سکیں گے۔ گوشۂ چشم سے میری طرف دیکھتے ہوئے بھی بار بار اُدھر ہی دیکھتے رہیں گے بلکہ شاید میری طرف دیکھنا کم ہی ہوگا، کان سے بیان سنیں گے، منہ اسی طرف رہے گا کہ کہیں سانپ نہ نکل پڑے۔

غزوۂ خندق کھودتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیفیت

تو ایک انسان کی خبر کا یہ حال ہے اور اگر کہیں سانپ نکل آئے اور دیکھ لیں تو اتنا یقین پیدا ہوگا کہ اس میں جو کمزور سے کمزور ہوگا، جو یہ کہتا ہوگا کہ مجھے چالیس روز تک ٹائیفائیڈ بخار رہا ہے، سہارے سے آیا ہوں، میں خود چلنے کے قابل نہیں ہوں اور چلتے وقت میری ٹانگیں کانپتی ہیں، میرا دل دھڑکتا رہتا ہے اور مجھے چکر آتا ہے لیکن جب سانپ نکلے گا تو ان کا چکر بھی ختم ہوجائے گا، دل کا دھڑکنا بھی بند ہوجائے گا اور ان کی ساری کمزوریاں بھی رفع ہوجائیں گی۔ اسٹیشن تک وہ ایسے بھاگیں گے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھیں گے، بلا کی طاقت آجائے گی، کہاں سے یہ طاقت آگئی؟ یقین کی وجہ سے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جنگیں لڑیں اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے، جنگِ خندق میں خندق کھودرہے تھے، کئی کئی روز کے فاقہ سے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے، اس وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکمِ مبارک پر دو دو پتھر بندھے ہوئے تھے:

((شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ عَنْ حَجَرَيْنِ۔ رواہ الترمذی))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ ص۴۴۸)

اچھا! پھر ایک چٹان ایسی آگئی کہ بہت کوشش کے بعد بھی وہ ٹوٹ نہ سکی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا تو آپ خندق میں اترے اور اس پر آپ نے زور سے کدال مارا، وہ چٹان ٹوٹ کر ریت ہوگئی:

((قَالُوْا هٰذِهٖ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ اَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَبَطْنُهٗ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَّلَبِثْنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ لَّا نَذُوْقُ ذَوَاقًا فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيْبًا اَهْيَلَ))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب فی المعجزات؛ ص۵۳۲)

یعنی سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مل کر جو نہ ٹوٹ سکی، اس کو تنہا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توڑ دیا۔ اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے دعا کی:

((جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ وَيَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُجِيْبُهُمْ: اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ۔ متفق علیه))

(مشكوة المصابيح: (قديمى)؛ باب البيان والشعر؛ ص۴۰۹)

اے خدا عیش تو آخرت کا عیش ہے، پس انصار اور مہاجرین کو بخش دیجئے۔

یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنائی تاکہ ان کے پسینے اور ان کی تھکن کم ہو جائے، رسول کی دعا سے ان کو بڑا سکون ہوگا۔ اللہ نے قرآن میں ایک جگہ فرمایا بھی ہے کہ اے نبی! آپ کی دعاؤں سے ایمان والوں کو بڑا سکون ملتا ہے، اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کیا قدر کرنے والے تھے، سبحان اللہ! اس دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک شعر گنگنا رہے تھے: ''ہم نے بیعت کی ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر کہ ہم جب تک زندہ رہیں، اسلام ہی پر مریں گے، جہاد کے لئے ہمارا جان، مال، آبرو سب حاضر ہے۔''

ذکر اللہ کی فضیلت

دیکھئے! محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی چیز دی جائے تو اس کا شکر ادا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ سے پوچھا کہ اے خدا! آپ کے احسانات مجھ پر بہت زیادہ ہیں، میں آپ کا شکر کس طرح سے کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم جتنا زیادہ میرا ذکر کرو گے، میرا نام لو گے، اتنا ہی زیادہ میرا شکر ادا ہوگا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ عَجَزَ مِنْكُمْ عَنِ اللَّيْلِ اَنْ يُّكَابِدَهٗ وَبَخِلَ بِالْمَالِ اَنْ يُّنْفِقَهٗ وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ يُّجَاهِدَهٗ فَلْيُكْثِرْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ))

(كنز العمال: (دار الكتب العلمية)؛ ج۱ ص۲۱۹؛ رقم ۱۸۴۸)

کہ جو شخص آدھی رات کو نہیں اٹھ سکتا، اپنے اندر تہجد کی ہمت نہیں پاتا، جو شخص جہاد کے لئے اپنے دل کو بزدل پاتا ہے اور جو شخص مال میں بالکل بخیل ہے، وہ اگر ذکر کرتا رہے گا تو امید ہے کہ اس کی ساری کمزوریوں کی تلافی ہوجائے گی۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ذکر کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھو! اتنا بڑا نفع ہے ذکر کا۔ ذکر کی ایک فضیلت اور سنئے! جس گھر میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہ گھر آسمان والوں کو ستاروں کی طرح نظر آتا ہے:

((اِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ یُذْکَرُ فِیْہِ اسْمُ اللہِ لَیُضِیْءُ لِاَھْلِ السَّمَآءِ کَمَا تُضِیْءُ النُّجُوْمُ لِاَھْلِ الْاَرْضِ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج۱ص۲۱۷، رقم ۱۸۱۴)

جیسے زمین والوں کو ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ایسے فرشتوں کو اور آسمان والوں کو وہ گھر جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی زکوٰۃ ہی نہ دے، فطرہ نہ دے، قربانی نہ کرے، مدارس میں، دینی کاموں میں نہ خرچ کرے کہ بس ذکر کرتا رہوں گا، میرے لئے ذکر کافی ہوجائے گا۔ نہیں، فرائض و واجبات میں تو خرچ کرنا ہی ہے، نفل اور مستحب جگہوں پر خرچ کرتے ہوئے اگر دل تنگ ہوتا ہے تو اس کے لئے ہے، اس کے علاوہ اپنے شیخ کو اطلاع بھی کرے، پھر اس کا مربّی علاج بتائے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس مرید پر قبض طاری ہوجائے اور عبادت میں مزہ نہ آئے تو شیخ کو چاہیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرائے۔ جب خرچ کرے گا تو طہارت وتزکیۂ نفس حاصل ہوجائے گا۔ اس کی دلیل سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً اے نبی! آپ صحابہ کے مالوں میں سے صدقہ قبول فرمالیا کیجئے، تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا تاکہ اس کے ذریعہ آپ ان کو پاک کردیں اور تزکیہ فرمادیں۔ معلوم ہوا کہ مال خرچ کرنے کو تزکیہ میں بہت دخل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان ویقین کی کیفیت کا بیان

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب یقین پیدا ہوجاتا ہے تو انسان میں بلا کی طاقت آجاتی ہے، دیکھئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک کھجور کھا کر جہاد لڑتے تھے جبکہ کئی کئی دن کے فاقے سے ہوتے تھے، اور کافروں سے کہتے تھے:

((قَالَ لَهُمْ خَالِدٌ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا وَاِلَّا فَاعْتَقِدُوْا مِنِّي الذِّمَّةَ وَاَدُّوا الْجِزْيَةَ وَاِلَّا فَقَدْ جِئْتُكُمْ بِقَوْمٍ يُّحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّوْنَ شُرْبَ الْخَمْرِ))

(حیاۃ الصحابۃ: (محمد یوسف الکاندھلوی)؛ (النشر والتوزیع، بیروت)؛ ج ا ص ۲۴۷)

((فَاِذَا جَاءَكُمْ كِتَابِيْ فَابْعَثُوْا اِلَيَّ بِالرَّهْنِ وَاعْتَقِدُوْا مِنِّي الذِّمَّةَ وَاِلَّا فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ قَوْمًا يُّحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّوْنَ اَنْتُمُ الْحَيَاةَ))

(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر الدمشقی؛ (دار احیاء التراث، بیروت)؛ ج ۶ ص ۳۷۸)

دیکھو! ہم لوگ وہ قوم ہیں کہ جتنا تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو، اور جتنا تم شراب سے محبت کرتے ہو، اس سے زیادہ ہم موت کو عزیز رکھتے ہیں۔ یاد رکھو! اللہ کی محبت میں ہمارے ایمان ویقین اس سطح پر ہیں کہ اے کافرو! جتنی ہمیں اپنی زندگی پیاری ہوتی ہے، ایسے ہی ہمیں اپنے اللہ کی راہ میں موت پیاری ہوتی ہے، تم ہم سے کہاں لڑ سکتے ہو۔ تمام کافر اس جملے کو سن کر دہل جاتے تھے کہ واقعی! یہ قوم تو بلا ہے، پتا نہیں انسان ہیں یا کچھ اور؟

کم عمر صحابی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

تو دیکھئے! اللہ کی محبت میں جان دینا آسان ہوگیا، اگر اللہ کی محبت میں مزہ نہ ہوتا تو کیا شہادت میں جان دینا آسان تھا؟ سولہ برس کا ایک لڑکا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی، بدر کے دن یہ کم عمر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چھپ رہا ہے کہ

حضور نے دیکھ لیا تو مجھے چھوٹا سمجھ کر جہاد میں شریک نہیں ہونے دیں گے، میں بدر کے لئے نکلنا چاہتا ہوں، شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائیں۔ ان کے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ آپ سے چھپ رہا ہے، جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں بیٹے! ابھی تم بہت چھوٹے ہو، ابھی تو تمہارے چہرے پر ایک بال بھی نہیں ہے:

((رَدَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَيْرَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ مَّخْرَجِهٖ اِلٰى بَدْرٍ وَّاسْتَصْغَرَهٗ فَبَكٰى عُمَيْرٌ فَاَجَازَهٗ قَالَ سَعْدٌ فَعَقَدْتُّ عَلَيْهِ حِمَالَةَ سَيْفِهٖ وَلَقَدْ شَهِدْتُّ بَدْرًا وَّمَا فِيْ وَجْهِيْ اِلَّا شَعْرَةٌ وَّاحِدَةٌ اَمْسَحُهَا بِيَدِيْ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیة)، ج ۱۰ ص ۱۸۷، رقم ۲۹۹۷۶)

اور یہ جو پیش کر رہے تھے ان کے بڑے بھائی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، ان کے چہرے پر داڑھی کا صرف ایک بال تھا، لیکن ان کو اجازت مل گئی اور عمیر کو نہ ملی تو عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رونے لگے، سولہ برس کا یہ بچہ رونے لگا کہ ہائے! مجھے شہید ہونے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آنسو دیکھے اور ان کا جذبہ دیکھا تو فرمایا کہ جاؤ! تمہیں جہاد کے لئے اجازت دیتا ہوں۔ وہ بچہ بدر میں لڑا اور خوب بے جگری سے لڑا اور اللہ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کیا، غزوۂ بدر میں جو چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔

ایک بھی مومن جب تک زندہ ہے قیامت نہیں آئے گی

ہائے! وہ زمانہ اور ہمارے اس وقت کو دیکھو کہ لوگوں کو نماز بھی پڑھنا مشکل ہے، عورتوں کو پردہ کرنا مشکل ہے، معمولی معمولی احکام کو کہتے ہیں کہ صاحب! بڑا مشکل ہے۔ اگر آج جہاد فرض ہو جائے تو ہم لوگ نہ جانے کیا کیا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرنے لگیں گے، اور جس کے پاس ڈاکٹروں سے سرٹیفکیٹ لینے کے لئے پیسے نہ ہوں گے تو بیوی کے زیور رہن رکھ کر ڈاکٹروں سے سرٹیفکیٹ لائیں گے،

مگر سب ایسے نہیں ہوں گے۔ اگر ایمان والے نہ ہوں تو دنیا کیسے قائم ہے؟ انہی ایمان والوں کی برکت سے یہ زمین وآسمان قائم ہیں، انہی ایمان والوں کی برکت سے روس وامریکہ روٹیاں پارہے ہیں، اور آج مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ ہم امریکہ کی بھیک کھارہے ہیں۔ اللہ پر جب نظر نہیں ہے، اللہ سے جب تعلق کٹا ہوا ہے، تب ہی بھیک مانگتے ہو۔ جو انسان ذکر نہیں کرتا تو اس کا دل مردہ ہوجاتا ہے، اس میں قوت ہی نہیں رہتی، اللہ پر توکل اور بھروسہ کچھ نہیں رہتا، ذرا سی تکلیف آئی تو بھیک مانگنے امریکہ چلے گئے، ورنہ سوچو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى فِي الْاَرْضِ اَحَدٌ يَّقُوْلُ: اَللّٰهُ اَللّٰهُ))

(مسند البزار: (مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة)، جزء ۱۳ص ۱۶۹)

کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا ہوگا، قیامت نہیں آئے گی، معلوم ہوا کہ اللہ کا کلمہ پڑھنے والا، ایک بھی ایمان والا جب تک زندہ رہے گا تو قیامت نہیں آئے گی، اور قیامت نہیں آئے گی تو امریکہ وروس روٹی کھاتے رہیں گے، لہٰذا ایمان والوں کی برکت سے یہ کفار روٹیاں پارہے ہیں۔

اللہ سے تعلق پیدا نہ کیا تو چین وسکون نہیں مل سکتا

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لئے ایسا ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی۔ مچھلی پانی میں جا کر کتنا سکون محسوس کرتی ہے اور پانی سے ہٹ کر مچھلی کیسا تڑپتی ہے، تو جو لوگ اللہ کو یاد نہیں کررہے ہیں، ان کے دل اندر اندر بےسکون ہیں چاہے بنگلے اور کار ہوں لیکن اندر کچھ سکون نہیں ہے۔ کافر کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

از بروں چوں گور کافر پُر حلل
و اندروں قہر خدائے عز و جل

کافر کی قبر پر پھول چڑھائے جارہے ہیں اور اندر کیا ہورہا ہے، اندر خدا کا قہر ہورہا ہے۔

گاندھی کی قبر اور جتنے کافر بادشاہ ہیں ان کی قبروں پر بینڈ باجے بجائے جارہے ہیں، پھول برسائے جارہے ہیں لیکن اس باجے اور پھول سے کیا فائدہ؟ اندر تو مردے کا کیا حال ہورہا ہے۔ اسی طرح آج سوٹ تو ایک ایک ہزار کے ہیں، حلال کے ہوں یا حرام کے، کوئی پرواہ نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ گڑگڑا گڑگڑا کے دعائیں مانگتے ہیں:

((ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَّمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَّغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟))

(صحیح مسلم: (قدیمی)، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، ج ۱ ص ۳۲۶)

لیکن ان کا کھانا حرام کا ہوتا ہے، ان کا لباس حرام کا ہوتا ہے، اس لئے ان کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ اللہ سے تعلق نہ ہونے سے کہیں سکون نہیں مل سکتا، بنگلوں میں چین نہیں، کاروں میں چین نہیں، ٹیڈیوں میں چین نہیں، لوگ امریکہ میں خودکشیاں کررہے ہیں، وہاں خودکشیوں کی تعداد کسی انگریزی رسالہ میں دیکھ لو، جبکہ وہاں کے بھنگی کے پاس بھی کار ہے، بھنگی پاخانہ کمانے بھی جاتا ہے تو کار پر جاتا ہے لیکن حال یہ ہے کہ وہاں خودکشی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اللہ سے جو کٹا، اس کو سکون کیسے ملے گا؟ جس نے دل بنایا ہے اس سے تو تعلق ہی دل کا نہ رہا۔ کیوں بھئی! ماں کے پیٹ میں جب دل بن رہا تھا تو کس نے اس دل کو بنایا تھا؟ کیا روس یا لندن والوں نے بنایا تھا جو دل اُن کو دے رہے ہو؟ جس نے دل بنایا تھا، دل کا جو خالق تھا، دل اس کو دیتے تو دل کو سکون ملتا۔

پیغمبر یوسف علیہ السلام کی صالحین کا ساتھ نصیب ہونے کی دعا

تو میرے دوستو بزرگو! جس وقت قیامت قائم ہوگی تو میدانِ محشر میں نیک آدمیوں کے ساتھ بُرے بھی شامل ہوجائیں گے، پھر اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا

وَ امۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّھَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ اے مجرمو! اے بدمعاشو! تم کہاں ہمارے نیک بندوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے، ہٹو الگ ہو جاؤ۔ یہ آواز سنتے ہی جتنے بے نمازی ہیں، جتنے بھی سود خور ہیں، جتنی بے پردہ پھرنے والی عورتیں ہیں، جتنے بھی نافرمان گنہگار ہیں، سب الگ ہو جائیں گے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رات یہ آیت پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جائے کم ہے کہ معلوم نہیں اپنا شمار مجرموں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں؟ لہٰذا دعا کرنی چاہیے کہ اے خدا! ہمیں اپنے نیک بندوں کا ساتھ اس دنیا میں بھی نصیب فرمایئے اور روزِ قیامت بھی اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ رکھئے، جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے مانگا کہ ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملحق رکھئے۔ یہی دعا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں ؎

بگذراں از جانِ ما سوء القضا
وا مبر ما را ز اخوان الصفا

اے خدا! اگر میری تقدیر میں کوئی سوءِ قضا، کوئی شقاوت اور بدبختی لکھ دی گئی ہو، اُس سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرما دیجئے یعنی شقاوت کو سعادت سے، بدنصیبی کو خوش نصیبی سے بدل دیجئے۔ حدیثِ پاک میں بھی سوءِ قضا سے پناہ آئی ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ جَھۡدِ الۡبَلَآءِ وَدَرۡکِ الشَّقَآءِ وَسُوۡءِ الۡقَضَآءِ وَشَمَاتَۃِ الۡاَعۡدَآءِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، کتاب القدر، باب من تعوذ باللہ، ج ۲ ص ۹۷۹)

معلوم ہوا کہ اگر سوءِ قضا کا حسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا تو حدیثِ پاک میں اُمت کو یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم نہ فرماتے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق نہیں بدل سکتی، اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کو بالکل بدل سکتے ہیں، جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں فرمایا کہ اے اللہ! آپ کو اپنے فیصلوں پر بالادستی حاصل ہے، قضا آپ کی محکوم ہے، آپ پر حاکم نہیں،

آپ کے فیصلوں کو آپ پر بالا دستی حاصل نہیں لہٰذا جو فیصلے میرے حق میں بُرے ہیں، ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرما دیجئے۔ آپ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہے کیونکہ وہ تو عین عدل وانصاف اور عین حکمت ہے لیکن میری شامتِ عمل سے چونکہ وہ میرے حق میں بُرا ہے، جیسے عادل جج کسی مجرم کو پھانسی کا حکم سناتا ہے تو فی نفسہٖ یہ فیصلہ بُرا نہیں کیونکہ عدل وانصاف پر مبنی ہے لیکن جس کے خلاف یہ فیصلہ ہوا ہے، اس کے جرائم کی وجہ سے ہوا ہے، اس مجرم کے لئے بُرا ہے۔ اسی لئے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے یعنی برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے بلکہ جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے، اس کی طرف ہے، اس کے لئے بُرا ہے۔ اور جس طرح مجرم جب عدلیہ سے مایوس ہوجاتا ہے تو بادشاہِ وقت یا صدرِ مملکت سے رحم کی اپیل کرتا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمت کو یہ دعا تعلیم فرمادی کہ سوءِ قضا سے حفاظت مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی تقدیریں بدلوالو کہ عدل کے اعتبار سے تو ہم مستحقِ سزا ہیں لیکن آپ سے آپ کے فضل اور آپ کے مراحمِ خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں کہ ہماری بُری تقدیر کو محض اپنے رحمِ شاہی کے صدقہ میں اچھی تقدیر سے بدل دیجئے۔

وا مبر ما را ز اخوان الصفا

اور اے خدا! ہمیں اپنے خاص بندوں سے الگ نہ فرمائیے۔ سوال ہوتا ہے کہ سوءِ قضا سے پناہ مانگ کر عبادِ صالحین سے الگ نہ ہونے کی درخواست مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کیوں کررہے ہیں؟ اس لئے کہ اہل اللہ کی رفاقت اور ان سے محبتِ للّٰہی سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے کیونکہ وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّہَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ کا خطاب ان ہی کو سننا پڑے گا جو قلبًا، قالبًا اور اعتقادًا عبادِ صالحین سے نہ ہوں گے، وہی مجرمین ہوں گے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کررہے ہیں تو احمق ہے وہ شخص جو صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت کا منکر ہو۔

ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں محبت ہوگی

یہ اللہ والوں کی محبت اور ان کی صحبت کتنی قیمتی ہے، اس پر محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جو آدمی کسی قوم سے (یعنی علماء وصلحاء) سے محبت رکھتا ہے لیکن اعمالِ نافلہ اور مجاہداتِ شاقہ میں ان کا ساتھ نہ دے سکا، اس کا کیا ہوگا؟ تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((اَیْ یُحْشَرُ مَعَ مَحْبُوْبِہٖ وَیَکُوْنُ رَفِیْقًا لِّمَطْلُوْبِہٖ کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، باب الحب فی اللہ ومن اللہ، ج ۹ ص ۲۱۳، رقم ۵۰۰۸)

یعنی محبت کی یہ عظیم الشان کرامت ہے کہ اس محبت کی برکت سے اُس محب کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور یہ اسی کا رفیق ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کے ساتھ ہوگا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تُو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا:

((مَا اَعْدَدْتُّ لَھَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَھُمْ بِھَا))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)، کتاب الاداب، باب الحب فی اللہ ومن اللہ، ص ۴۲۶)

کہ میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت

کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوئی۔

علامہ آلوسی محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک شخص خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ ..... وَاِنِّیْ اِذَا دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ خَشِیْتُ اَنْ لَّا اَرَاکَ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا حَتّٰی نَزَلَ جِبْرِیْلُ بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ تحت سورۃ النساء؛ ج ۵ ص ۹۹)

کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے میری جان سے زیادہ اور میری اولاد سے زیادہ محبوب ہیں، جب میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا، یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں لیکن آخرت میں آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اور ہم اگر جنت میں گئے بھی تو ادنیٰ درجہ میں ہوں گے تو آپ کو کیسے پائیں گے اور کیسے آپ کا دیدار کریں گے؟ تو آپ ﷺ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ج﴾

(سورۃ النساء: آیۃ ۶۹)

مفسرین ومحدثین نے ان آیات واحادیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ سب ایک درجہ میں جمع ہو جائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک دوسرے کی ملاقات و دیدار ہر وقت ممکن ہوگا۔

اعلیٰ درجہ والے جنتی ادنیٰ درجہ والے جنتیوں کے پاس آسکیں گے اور ادنیٰ درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں کے پاس جاسکیں گے۔

بس بھئی! اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمادے اور جنت میں دخولِ اولیں نصیب فرمادے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کو ولی اللہ بنادے اور اپنے دوستوں کی صورت بھی دے دے اور دوستوں کی سیرت بھی دے دے اور اپنے اولیاء کے اخلاق بھی عطا فرمائے اور ہم سب کی اصلاح فرمادے۔ اے اللہ! ایسا ایمان ویقین عطا فرما کہ زندگی کی ہر سانس آپ پر فدا ہو، اور ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض نہ کریں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى
خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆
☆☆☆
☆

حضرت والا شیخ العرب والعجم عارف باللہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاح اور خوش دلی

....

۱۸/صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳/اپریل ۱۹۷۲ء
برمکان مولانا عبدالخالق صاحب، بسلسلہ دعوتِ طعام
ڈیڑھ بجے دوپہر، بروز پیر بمقام موسیٰ کالونی، کراچی

ارشاد فرمایا کہ

دیدۂ حسرت میں عشرت کا ظہور
ہو چلا ہے کس نگاہِ خاص سے

دیدۂ حسرت کے معنی ہیں چشمِ نامراد۔ پہلے فرمایا تھا کہ

ہو گیا ہے کس نگاہِ خاص سے

پھر فرمایا کہ ''ہو گیا ہے'' میں دعویٰ تھا کہ کمال حاصل ہو گیا ہے اور ہو چلا ہے یعنی ظہور شروع ہو گیا ہے، ابھی تکمیل نہیں ہوئی۔

مولانا عبدالخالق صاحب کے خسر احقر کی پلیٹ میں بار بار چاول ڈالتے تھے، جس پر احقر بس بس کہتا تھا، یہ دیکھ کر حضرت والا نے فرمایا کہ تمہارے بس بس پر ایک مصرع بن گیا

دل میں ہے ابھی اَور، زباں کہتی ہے بس بس

احقر حضرت والا کو غلبۂ محبت میں بے دھیانی سے مسلسل دیکھ رہا تھا تو فرمایا

دیدۂ حسرت سے مت دیکھا کرو
چھوڑ دوں گا ورنہ تیری آنکھ کو

....

۲۰؍صفر المظفر ۱۳۹۳؁ھ مطابق ۱۵؍اپریل ۱۹۷۲؁ء

بوقتِ دوپہر

حضرت والا دامت برکاتہم کے ایک پیر بھائی لاری صاحب حضرت والا کے ساتھ دوپہر کا کھانا تناول فرمارہے تھے، حضرت کی پلیٹ میں روغن کی ہڈی تھی جو لاری صاحب نے اٹھالی اور کھانے لگے، اس پر حضرت نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا ؎

مغز را از اخترے برداشتی
بے تکلف در دہاں انداختی

ترجمہ: آپ نے مغز (روغن) کو اختر سے چھین لیا اور بغیر کسی تکلف کے اپنے منہ میں ڈال لیا۔

....

۱۳؍ربیع الاول ۱۳۹۳؁ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۱۹۷۲؁ء بروز جمعہ

ارشاد فرمایا کہ ؎

لاکھ تدبیر کریں بچنے کی وہ گوناگوں
دبوچتا ہے جمیلوں کو میرا دستِ جنوں

اس سے مراد وہ روحیں ہیں جو اللہ کی محبت سے جمیل ہوگئی ہیں۔ وہ روحیں میرے دستِ جنوں کی گرفت سے نہیں نکل سکتیں، روئے زمین پر انہیں ان شاء اللہ کسی اور کے پاس مزہ نہیں مل سکتا، وہ خود آزما کے دیکھ لیں، میں ان کو بھگاؤں گا بھی تو ایسے لوگ مجھ سے دور نہ ہونا چاہیں گے۔

....

۲۳؍ذی الحجہ ۱۳۹۳؁ھ مطابق ۹؍فروری ۱۹۷۲؁ء بروز بدھ

حضرتِ اقدس مدظلہ کے ساتھ احقر دوپہر کے وقت پائے کھا رہا تھا۔ حضرت والا نے احقر سے مزاحاً فرمایا کہ کیا آپ کو پائے یار سے مناسبت ہے؟ احقر نے عرض کیا: جی ہاں، بہت زیادہ۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے اپنے پلیٹ کی

ہڈی کا گودا نکال کر ہڈی احقر کی پلیٹ میں ڈال دی اور فرمایا کہ اب اس کو چاٹئے۔ اگر اس میں گودا ہوتا تو آپ کے اخلاص میں مشابہت لگ جاتی کہ آپ کو گودۂ پائے یار سے مناسبت تھی، اب معلوم ہوگا کہ خالص پائے یار سے مناسبت ہے۔

....

حضرت کے احباب میں سے ایک صاحب آئے، ان سے فرمایا کہ میں آپ کے یہاں گیا تھا لیکن آپ نہیں ملے تو میں اپنا یہ پیغام دے آیا تھا۔

لوٹ کر آئے تو کہہ دینا یہی
کوئی آیا تھا تمہارے واسطے

احقر حضرت والا کے سر پر تیل مالش کر رہا تھا کہ فرمایا۔

اک دیدۂ تر دیدۂ تر دیکھ رہا ہے

....

۲۱؍محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۷؍مارچ ۱۹۷۲ء بعد عشاء قریب دس بجے

ارشاد فرمایا کہ۔

وحشتِ دل کا یہی سوجھا علاج
گفتگوئے عیش و عشرت کیجئے

....

۲۳؍محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۹؍مارچ ۱۹۷۲ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ
(احقر اور حاجی جمیل صاحب موجود تھے)

احقر حضرت والا دامت برکاتہم کے لئے فانٹا مشروب لایا تو فانٹا نوش فرماتے ہوئے یہ مصرع فی البدیہہ فرمایا۔

ہر گھونٹ ہے اس جام کا عشرت لئے ہوئے

حاجی جمیل صاحب کا روزہ تھا، ان سے مزاحاً دوسرا مصرع یہ فرمایا۔

کیوں دیکھتا ہے تُو مجھے حسرت لئے ہوئے

....

آج احقر کے والد صاحب کو حضرت والا نے بیعت فرمایا۔ والد صاحب کے بیعت ہونے کے بعد احقر والد صاحب کو گھر پہنچا کر واپس ہوا، حضرت لیٹے ہوئے تھے، بخار تھا، احقر کے لئے فرمایا: لے گیا دل مرا ایک نگینہ والا۔

ایک شام احقر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! بجلی جلا دوں، فرمایا: بجلی جلا دے، چاہے بجلی گرا دے، جو تیرا جی چاہے کر۔

....

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خوش طبعی اور لطیف حسِ مزاح

۱۲؍رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۴؍ستمبر ۱۹۷۱ء صبح گیارہ بجے کے قریب

آج احقر راقم الحروف حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے سر میں مالش کر رہا تھا کہ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ اگر آپ تھک گئے ہوں تو میں یہ شعر پڑھوں گا ؎

مجھے تو سستی بازوئے قاتل کی شکایت ہے

....

۲۲؍رجب المرجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۱۹۷۱ء بروز اتوار

ارشاد فرمایا کہ ؎

ہر وادی الفت سے گذر آیا ہے عشرتؔ
حیرت ہے کہ پھر بھی نہیں یہ بات سمجھتا

مزاحاً یہ شعر فرمایا کہ ؎

ہر ایک غم نے تجھے اَور کر دیا فربہ
ہزاروں غم بھی اے عشرت تجھے گُھلا نہ سکے

بعد ظہر

آزاد صاحب حضرت کے سر میں مالش کر رہے تھے، احقر بھی حاضر ہوا، تھوڑی دیر بیٹھا رہا، پھر عرض کیا، حضرت! پاؤں دبا دوں؟ جب احقر پاؤں دبانے لگا

توحضرتِ اقدس نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا۔

وہ بُتِ مغرور کچھ سوچا کیا
بعد ازیں پیروں پہ میرے گر گیا

....

۵؍رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۵؍اکتوبر ۱۹۷۱ء بعد مغرب احقر سے پانی طلب فرمایا اور فی البدیہہ یہ شعر فرمایا۔

مجھ کو تو پھر سے جِلا دے ساقی
یعنی دو گھونٹ پلا دے ساقی

....

۹؍رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۹؍اکتوبر ۱۹۷۱ء بعد عشاء احقر سے فرمایا کہ اپنا کوئی شعر سناؤ۔ احقر نے اپنے دو شعر سنائے۔

نذرِ غم اپنی جوانی ہوگئی
نامرادی کامرانی ہوگئی
بس گیا آنکھوں میں یوں تیرا جمال
رونقِ دنیا کہانی ہوگئی

پہلے شعر میں یہ ترمیم فرمائی۔

نذرِ حسرت جو جوانی ہوگئی
اس کی عشرت جاودانی ہوگئی

....

۱۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۶؍نومبر ۱۹۷۱ء

احقر بعد مغرب حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کا جسم دبا رہا تھا، پھر پنجہ دبانے کے لئے فرمایا اور فی البدیہہ یہ مصرع فرمایا کہ۔

اے حُسن! لے تُو عشق کا پنجہ مروڑ دے

عشاء کی اذان ہوئی تو فرمایا۔

ہوتی ہے جو مسجد میں اذاں ہم یہی سمجھے
پیغامِ محبت ہے یہ پیغامِ محبت

۲۰ رمضان المبارک بعد تراویح کے پاکولا پیتے ہوئے فرمایا۔

پئے عیش و عشرت ننوشم شراب
تماشائے ساقی ببینم در آب

ترجمہ: میں عیش و عشرت کے لئے شراب نہیں پیتا ہوں (یہاں شراب سے مراد مشروب ہے) بلکہ میں تو اس میں ساقی کے جلوے دیکھتا ہوں۔ یعنی آبِ نعمت میں منعم کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

....

عشرتؔ سے ملی حسرت عشرت کو نہیں دیکھا
عشرتؔ نے بھی حسرت کو حسرت سے نہیں دیکھا

احقر سے دریافت فرمایا کہ آپ کے عیش وعشرت کا کیا حال ہے؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت کی برکت سے بس عیش ہی عیش ہے۔ اس وقت یہ مصرع فرمایا۔

کیا عالمِ عشرتؔ میں بہار آئی ہے

....

۲۲/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۰/مئی ۱۹۷۲ء

دوپہر کے کھانے پر شب دیگ تھی، جس کا مزہ بالکل سیخ کباب جیسا تھا، اس پر یہ شعر فرمایا۔

ہائے کیا چیز ہے یہ کیفِ کباب
تازہ کرتا ہے یادِ عہدِ شباب

....

۲۲؍ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۶؍مئی ۱۹۷۲ء

آج احقر حضرتِ اقدس کے ساتھ کھانا کھارہا تھا کہ حضرت والا نے مزاحاً یہ شعر فرمایا ؎

چشمِ عشرت ہے یا کٹوری ہے
گال اس کا ہے یا کچوری ہے
خال اس کا ہے نگ نگینے کا
دشتِ مجنوں ہے بال سینے کا

(نگینہ احقر کے وطن کا نام ہے۔ جامع)

یہ فرما کر حضرت والا بہت دیر تک بے اختیار ہنستے رہے اور احقر بھی بے اختیار ہنستا رہا۔ یہ اللہ کا کرم ہے جو اس غلام پر حضرتِ اقدس کی یہ مہربانی ہے۔ اللہ حضرت والا کی جانِ پاک کو اس سیہ کار سے خوش رکھے۔

....

حضرت والا کینو نوش فرما رہے تھے تو احقر کو اس طرح آواز دی اَیُّهَا الْمَوْتُوْ تَعَالَ اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ اس سے زیادہ مزیدار جملہ میں نے آج تک نہیں کہا۔

....

احقر سے مجاز کے متعلق فرمایا کہ آپ پر دھوکہ دہی کے بہت سے مقدمات ہیں اور فرمایا کہ جب میں آپ کو یہ کہتا ہوں تو مجھے بہت مزہ آتا ہے۔

....

۲؍ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۷؍اپریل ۱۹۷۲ء بارہ بجے دوپہر

احقر کو مخاطب فرما کر مزاحاً یہ مصرع پڑھا ؎

بخالِ ہندوت بخشم شکرقند و چھوارا را

احقر کا گریبان کھلا ہوا تھا فرمایا کہ اس کے سینہ میں آگ ہے لیکن بالوں کا جنگل بھی ہے، پھر فرمایا ؎

سینہ کی آگ سے ترا جنگل نہ جل سکا

....

سالن میں ثابت لال مرچ پڑی تھی، احقر سے مزاحاً فرمایا کہ اس کے لبِ سرخ چوس لے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
اس میں لذت کباب کی سی ہے

....

۲۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۲ راگست ۱۹۷۱ء

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج دو پہر کے کھانے کے درمیان حاجی...... صاحب ہوٹل والے نے بتایا کہ ایک بار حضرت والا دامت برکاتہم نے مجھے ناشتے میں انڈا پیش کیا، اتنے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم بھی ایک انڈا میرے لئے لے آئے تو حضرت والا نے مزاحاً انڈا واپس لینا چاہا لیکن میں نے جلدی سے وہ انڈا کھا کر مفتی صاحب سے انڈے کی پلیٹ لے لی اور دونوں کھا گیا، اور کہا کہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس ناچیز سے بزرگ محبت کرتے ہیں۔ اس پر حضرتِ اقدس نے برجستہ فرمایا: لیکن یہ ایسا ناچیز ہے کہ چیز کو نہیں چھوڑتا۔

....

۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۸ راپریل ۱۹۷۲ء بعد مغرب
مدرسہ روضۃ العلوم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

حضرت والا نے استنجاء کے لئے بیت الخلا کا قصد فرمایا، بیت الخلا گندہ ہو رہا تھا۔ احقر نماز پڑھ رہا تھا۔ سلام پھیر کر عرض کیا کہ حضرت ذرا رُک جائیں تو احقر جلدی سے بیت الخلا صاف کر دے، تو منع فرمایا اور فرمایا اے میری قُمری! پڑھ قصائے عمری۔ پھر فرمایا قُمری سے کیا مراد ہے سمجھ گئے؟ پھر خود ہی فرمایا اَلْمُرَادُ بِهٖ رُوْحُكَ۔

....

حضرت والا شیخ العرب والعجم عارف باللہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند بشارتیں حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں

....

۱۲/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۷۲ء گیارہ بجے صبح
شام در مدرسہ روضۃ العلوم

ارشاد فرمایا کہ۔

درگذر فرمایئے میرے میاں
آپ پر حالت ہے میری سب عیاں

احقر حضرت والا کے جسمِ مبارک کو دبانے لگا، تھوڑی دیر بعد یہ شعر فرمایا۔

رَگ رَگ ہے میری درد کا ساماں لئے ہوئے
عشرت ہے میرے درد کا درماں لئے ہوئے

فرمایا کہ ڈر ہے میرے مرید تم سے حسد نہ کرنے لگیں، ان کی نظر نہ لگ جائے۔ پھر دعا فرمائی کہ اللہ تمہیں نظر لگنے سے بچائے۔

....

۲۲/صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۷/اپریل ۱۹۷۲ء
بروز جمعہ، سوا گیارہ بجے صبح

ارشاد فرمایا کہ۔

میرے پاس ہے دل تیرا
تیرے پاس ہے دل میرا

....

بعد عشاء احقر کا چھوٹا بھائی سید قاسم جمیل اور ایک اَور صاحب موجود تھے۔
احقر نے عرض کیا کہ حضرت! پاؤں دباؤں؟ تو منع فرمایا اور فوراً یہ شعر فرمایا ۔

عشرت کسی کا بندۂ بے دام ہوا ہے
عشرت سے جدا عشرت و آرام ہوا ہے

پھر فرمایا کہ ایک شعر اور ہوا ہے، سنو ۔

گناہوں پہ کیسی سزا ہو رہی ہے
کہ عشرت سے عشرت جدا ہو رہی ہے

فرمایا کہ اس میں بلاغت دیکھو! اللہ پناہ میں رکھے کہ گناہ کی سزا یہ ہے کہ خود آرام بے آرام ہوا جا رہا ہے، آرام سے آرام چھنا جا رہا ہے۔ لفظ عشرت کا لغوی مفہوم ہی بدلا جا رہا ہے اور آرام کی ماہیت تبدیل ہو کر غم ہوئی جا رہی ہے، یعنی اسبابِ آرام اسبابِ تکلیف ہوئے جا رہے ہیں۔

....

۳۰؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۲۳؍اگست ۱۹۷۱؁ء بروز اتوار
بین المغرب والعشاء

ارشاد فرمایا کہ یہ عشرتؔ بڑا ظالم شخص ہے، یہ جب سے آیا ہے مجھے جب سے جوش وخروش ہے۔

....

۲۳؍صفر المظفر ۱۳۹۳؁ھ مطابق ۱۸؍اپریل ۱۹۷۲؁ء
ساڑھے دس بجے شب

ارشاد فرمایا کہ ۔

غمِ عشرت سے کوسوں دور جائے عشرتِ غم ہے
غمِ عشرت کا حامل عشرتِ غم پا نہیں سکتا

(تشریح: دنیا کے عیش وعشرت کے غم میں جو مبتلا ہے، اس کو اللہ کی محبت کے غم میں جو لافانی عیش ہے، اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ دنیا کی لذات وعیش وعشرت کے غم کا حامل اللہ کی محبت کا عیش وعشرت نہیں پا سکتا۔ جامع)

....

۱۲/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۷۲ء گیارہ بجے صبح

احقر حضرت والا کے پاؤں دبا رہا تھا تو فرمایا۔

ہر رَگ کو درد نے رَگ عشرت بنا دیا

....

۱۳/محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۶/فروری ۱۹۷۲ء قبیل عشاء

ارشاد فرمایا کہ۔

ترک عشرت نیست ممکن از فقیر

ترجمہ: اس فقیر سے عشرت کو چھوڑنا ممکن نہیں۔

....

۲۸/شوال المکرم ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۸/جنوری ۱۹۶۹ء

آج احقر بعد فجر گھر سے حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت والا نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا۔

خدا تجھ کو صلہ دے دونوں عالم میں اس احساں کا

مری جانِ حزیں کو کر دیا مسرورِ جاں تُو نے

پھر فرمایا کہ آپ کی تاریخ میں نے اس شعر میں بیان کی ہے۔

سمجھے تھے جس نگاہ کو جانِ حیات ہم

مارا اسی نگاہ نے میری حیات کو

یعنی محبوبانِ مجازی کی نگاہِ التفات کو آدمی جانِ حیات سمجھتا ہے لیکن دراصل وہ حیات کو تباہ کرتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ آپ کے ہندوستان واپس جانے کے متعلق یہ شعر پڑھتا رہا ہوں۔

آتا نہیں سمجھ میں کروں کیا بہار میں
تم اختیار میں ہو، نہ دل اختیار میں

آپ کے جانے کے بعد یہاں کے احباب جگر کا یہ شعر پڑھیں گے۔

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

شیخ کو بھی مرید سے محبت ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ روح کا معاملہ ہے، روح کو روح سے تعلق ہو جاتا ہے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

اگر پیاسے پانی کو تلاش کرتے ہیں تو پانی بھی پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے۔

لذتِ دردِ فراق

۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۸/جولائی ۱۹۷۱ء

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ دنیا کے حسینوں کے وصل سے مست ہیں لیکن ان کی جانیں اللہ تعالیٰ کے دردِ محبت سے نا آشنا ہیں، اور بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ان حسینوں سے دوری اختیار کی ہوئی ہے اور دردِ فراق میں مبتلا ہیں لیکن ان کی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی ایسی مستی اور نشہ نصیب ہے جو دنیا کے حسینوں پر مرنے والوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ پھر فوراً فی البدیہہ یہ شعر ارشاد فرمایا۔

دیگراں می خورند ساغر وصل
ما و عشرتِ مدام دردِ فراق

ترجمہ: دوسرے لوگ تو فانی محبوبوں کے وصل کے ساغر پی رہے ہیں، اور میں اور عشرت ہمیشہ ان حسینوں سے دوری کی شراب پیتے ہیں۔

....

۲۹/ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۶/جنوری ۱۹۷۲ء

احقر نے عرض کیا کہ کل کے مضامین جو حضرت نے بیان فرمائے عجیب و غریب تھے، افسوس کہ احقر کو لکھنے کا موقع نہ مل سکا، اس پر فرمایا کہ سب آپ کے دل پر لکھے جا رہے ہیں، سب دل پر ثبت ہو رہے ہیں، فکر نہ کرو آپ کے سینہ میں دلِ اختر ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

....

۲۲/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۶/مئی ۱۹۷۲ء، بروز ہفتہ

اس سے پہلے آج دوپہر کھانا کھاتے ہوئے اچانک فرمایا کہ ان شاء اللہ! ایک دن ایسا آئے گا کہ لوگ آپ کو حضرت حضرت کہیں گے اور آپ کا نفس کہے گا کہ تُو واقعی بڑا حضرت ہے۔ اس سے پہلے ایک دن فرمایا تھا کہ مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کا پیٹ اَور بھی بڑھ گیا ہے اور چند مرید آپ کی مٹھی چمپی (مالش) کر رہے ہیں، آپ کا عالمِ عیش مجھے دِکھایا گیا۔

....

احقر حضرتِ اقدس کے پاؤں دبا رہا تھا، اس وقت فرمایا کہ ؂

جامِ عشرت نے کیا خوگرِ آرام مجھے

....

۲۵/صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۷۲ء ساڑھے دس بجے شب

احقر سے نہایت محبت سے فرمایا ؂

بر درم ساکن شو و بے خانہ باش

اور یہ ترجمہ فرمایا کہ بے گھر ہو کر میرے در پر سکونت اختیار کر لو۔

۲۱؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۶؍اپریل ۱۹۷۲ء

بروز جمعرات، سوا دس بجے رات

احقر جب رخصت ہونے لگا تو یہ شعر فی البدیہہ فرمایا۔

اپنے پہلو سے جدا عشرت کیا

با دلِ ناخواستہ رخصت کیا

اور فرمایا کہ یہاں لفظ عشرت ذوالمعنین (دو معنی والا) ہے۔ اس سے پہلے احقر اور آزاد صاحب موجود تھے تو فرمایا: عشرت سب سے زیادہ بے غم ہے، کیونکہ اس کی بیگم نہیں ہے۔

....

۱۵؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۰؍اپریل ۱۹۷۲ء

بروز جمعہ، بعد عشاء

احقر حضرتِ اقدس کے پاؤں دبا رہا تھا تو مزاحاً فرمایا۔

مست ساغر شدی عشرتؔ ولے لاغر نشدی

فربہی عشق را بدنام کنندہ باشد

(ترجمہ: جامِ محبت سے اے عشرت! تُو مست ہو گیا لیکن لاغر یعنی کمزور نہ ہوا، موٹا پا تو عشق کو بدنام کرنے والا ہے۔ جامع) پھر فرمایا کہ آپ کو اس شعر کا جواب دینے کی اجازت ہے، پھر دوبارہ فرمایا کہ آپ جو جواب دیں گے وہ یہ ہے، اور فوراً یہ شعر فرمایا۔

گرچہ فربہ و چربدار بدن می دارم

در کف عشق ولے تیغ و کفن می دارم

پھر یہ تشریح فرمائی کہ اگرچہ فربہ و موٹا ہوں لیکن دل میں اللہ کی محبت اس سطح پر ہے کہ ہر وقت تیغ و کفن ساتھ رکھتا ہوں اور جان دینے کے لئے تیار ہوں۔

....

۲۱ر ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۵ رمئی ۱۹۷۲ء، دوپہر کے وقت

احقر اور حافظ عبدالمجید صاحب کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت والا مدظلہ نے یہ شعر بہت درد سے پڑھا ۔

درگذر فرمائیے میرے میاں
آپ پر حالت ہے میری سب عیاں

یہ شعر سن کر حافظ صاحب پر حال طاری ہو گیا، بہت دیر تک روتے رہے، جب بہت دیر ہوگئی تو حضرت نے فرمایا کہ حافظ عبدالمجید! کھانا کھالو، فکر نہ کرو، اللہ بہت معاف کرنے والا ہے، ان شاء اللہ اس میرِ سادہ کو ساتھ لیتے ہوئے ہنستے کھیلتے جنت میں چلے جائیں گے۔ (احقر کی طرف اشارہ فرمایا)

....

۲۲ر ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۷۲ء

حضرت والا دامت برکاتہم مع احباب صبح کی سیر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، احقر کو اپنے گھر سے پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ حضرتِ اقدس، حاجی جمیل صاحب کی کار میں روانہ ہوگئے، کچھ دیر بعد حضرت نے حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ چاہیں تو پھر ایک بار دیکھ لیں، شاید وہ (یعنی احقر) آ گیا ہو۔ حاجی صاحب پھر دوبارہ دیکھنے آئے تو احقر موجود تھا، احقر بھی کار میں بیٹھ کر حضرت کے ساتھ روانہ ہو گیا، اس پر حضرت والا نے یہ مصرع فرمایا ۔

عاشقوں پر حسن کو آخر ترس آ ہی گیا

اور فرمایا کہ اگر طالب میں طلبِ صادق اور اخلاص ہو تو اہل اللہ کے دل ان کی طرف متوجہ ہو ہی جاتے ہیں، اسی طرح اگر بندے میں طلبِ صادق ہو تو اللہ بھی اپنے بندے کو محروم نہیں رکھتا۔

....

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالسِ ارشادات کے بارے میں منظوم تاثرات

از جناب خالد اقبال تائبؔ مدظلہ

ہر روز ہمارے مرشد کی یاں بزم سجائی جاتی ہے
وہ بات جو اُمت بھول گئی وہ یاد دلائی جاتی ہے

یاں تاجِ شہی بے وقعت ہے، یہ مجلسِ اہلِ محبت ہے
شاہوں کو گماں تک جس کا نہ ہو، دولت وہ کمائی جاتی ہے

درویش صفت کچھ لوگ یہاں، اس راز کے مَحرم بیٹھے ہیں
شاہی کی طرف گر دیکھ بھی لیں تو شانِ گدائی جاتی ہے

گو صاف میسر ہم کو نہیں لیکن یہ سعادت کم تو نہیں
مے خانۂ اشرف کی تلچھٹ رندوں کو پلائی جاتی ہے

یہ بات الگ ہے تلچھٹ بھی ساقی کی نظر سے بیٹھ گئی
ساقی کی نظر کا صدقہ ہے اب صاف پلائی جاتی ہے

دو حال سے خالی وقت نہیں، ہے شغل یہ صبح شام یہاں
یا پیاس بجھائی جاتی ہے یا پیاس لگائی جاتی ہے

مجلس ہے یہ مرشد کی تائبؔ یاں جاگنا بھی ہے جگانا بھی
یاں زخم کریدے جاتے ہیں یاں نیند اُڑائی جاتی ہے

یہ کون چُھپا ہوا بندہ تھا جو بے نام ونشان چلا گیا

اللہ تعالیٰ اپنے راستہ میں پہلے تو کلیجہ منہ تک لے آتے ہیں، پھر کلیجہ کو واپس کرتے ہیں اور ایک کلیجہ کو ہزاروں کلیجوں کا راہبر بنا دیتے ہیں، اور اس کی پرورش اور راحت اور دل بہلانے کا بھی سامان مہیا کرتے ہیں۔ میں ایک عمر تو اپنے شیخ کے ساتھ رہا، پھر چھ سال کا وقفہ رہا، وہ میری تنہائی کا زمانہ تھا، کوئی میری آہ کا سمجھنے والا نہ تھا۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا سوختہ جان ہو جس کے ساتھ میرے شب وروز گذریں کہ اللہ نے عشرتؔ کو منتخب فرما کر میرے لئے بھیجا۔ میری آہ کی جیسی عشرت نے قدر کی ہے ایسی قدر کسی نے نہیں کی تھی، شمس بازغہ اور منطق والے بھی میری بات کو ایسا نہیں سمجھ سکتے جو ایک ٹوٹا ہوا دل سمجھ سکتا ہے۔ جس کے دل پر مصیبت وغم کے آرے نہ چلے ہوں، وہ آہ کو اور آہ کی باتوں کو کیا سمجھے گا۔ (احقر میرؔ کے لئے فرمایا کہ) یہ خود کیا آتے، انہیں تو بھیجا گیا ہے، علوم کی حفاظت کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے۔ دیکھنا! جب میری یہ کتاب چھپے گی تو علماء روئیں گے اور سر دُھنیں گے کہ ہائے یہ کون چُھپا ہوا تھا، جو بے نام ونشان چلا گیا۔ (پھر احقر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ) اللہ نے آپ کے اوپر فضل فرمایا ہے، اس میں آپ کا کوئی کمال نہیں ہے، اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے۔ اگر اللہ آپ کو میرے علوم کی حفاظت کے لئے منتخب نہ فرماتا، کسی اور کو منتخب فرما لیتا تو آپ یہاں نہ ہوتے۔ اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ بدون کسی خوبی اور اچھائی کے اللہ نے محض اپنے فضل سے منتخب فرما لیا، اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انتخاب ہوا ہے، ورنہ کوئی یقینی بات تو ہے نہیں، نہ معلوم اللہ کے علم میں کون ہے؟ احقر نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ اللہ نے احقر کو منتخب فرمایا ہو، فرمایا کہ ہاں! میں بھی دعا کرتا ہوں لیکن اس کی دعا تو آپ کو خود کرنی چاہیے۔ (اقتباس از کتاب مجالسِ علم وحکمت: ص ۳۸)

(۳۰؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳؍اگست ۱۹۷۱ء بروز اتوار بعد عشاء)

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ